إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

بیشک یہ کتاب نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے راہ لے اپنے رب کی طرف

روضۃ الرضوان

موسوم بہ

تذکرۃ الرمضان

مجدد دوران۔ غوث زمان حضرت شاہ محمد رمضان شہید صدیقی رہتکی۔ قادری

اور ان کے بزرگان نسبی و نسبتی کے حالات و مقالات معہ ضمیمہ موسومہ

تفریح القلوب بذکر المحبوب

جس کو حاجی الحرمین الشریفین حضرت مرشدی مولوی عبدالشکور صاحب رہتکی کی منشا

اور وصیت کے مطابق جناب مولوی سید ابو محمد عطاء الحق صاحب مدرس علوم مشرقی

اینگلو عربک ہائی سکول دہلی نے

احقر الانام

خاکسار سید محمد عبدالکریم عفا عنہ حنفی تھانوی (مالک و ایڈیٹر) کی مدد و اہتمام سے

۱۳۳۳ ھ

سنہ ۱۹۱۵ء

محفوظ علی خوشنویس سنگ دہلوی

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی باہتمام لالہ ٹھاکر داس منیجر چھپا

اکسیرِ اعظم

جناب مولٰنا سید محمد عطاء الحق صاحب کی ایک تازہ اور بے
نظیر تصنیف ہے جس میں آپ نے حُب - دستِ غیب
کیمیا - اور اسمِ اعظم کے متعلق بہت دلچسپ اور پرمعنی
بحث کر کے پھر ہر ایک کے حصول کے نہایت سہل
طریق بتائے ہیں - نیز اپنے خاص مجربات اور کئی ایک
گُر کی باتوں کا اظہار فرما کر دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے

قیمت فی جلد ۵/

ملنے کا پتہ

خاکسار سید عبد الکریم عفا عنہ - دھلی
پہاڑ گنج -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دیباچہ

اور

اس میں یاس و امید کے چند مناظر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ اَمَّا بَعْدُ امیدوار رحمتِ ربِ غفور خاکسار عبد الشکور صانہ اللہ عن الفتن والشرور - ابن جناب حاجی الحرمین الشریفین مولوی شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ اور نواسۂ حقیقی جناب مجدد دوران و غوثِ زماں محی السنۃ و قامع بدعت حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی - قادری قدس سرہ العزیز ارباب طریقت اور طالبان حقیقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے - کہ خاکسار نے باطنی تربیت زیادہ تر اپنے والد ماجد سے پائی ہے - اور اکثر انہی کی خدمت بابرکت میں رہکر اکتساب فیوض کی توفیق میسر آئی ہے - اس ہمرکابی اور خدمتگذاری کی حالت میں حضرت والد بزرگوار کو اپنے بزرگان نسبی و نسبتی کے حالات و مقالات کو قلمبند کرنیکا از حد شائق و راغب دیکھا انکی اس خواہش کا پورا کرنا مینے اپنی سعادت و نجات کا باعث جانا - پس جو جو حالات

اور واقعات اپنے بزرگوں کے میں نے اپنی آنکھوں دیکھے۔ کانوں سُنے یا بذریعہ تحریراتِ خاندانی معلوم کئے۔ سکو وقتاً فوقتاً قلمبند کرنا شروع کیا۔ جب حضرت والد بزرگوار کو اس امر کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اس کی تکمیل کی حکماً تحریک فرمائی۔ جو سمندِ ناز پر بمنزلہ تازیانہ ہوئی۔ دن رات اسی جستجو اور خیال میں منہمک رہنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک کافی ذخیرہ بزرگانِ نسبی و نسبتی کے حالات و مقالات کا فراہم کرکے خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ اور اسکی اصلاح اور تصحیح کا امیدوار رہا۔ مگر اُنکو اوراد و وظائف و درس و تدریس اور ملاحظہ کتب دینیات سے اتنی فرصت کہاں تھی جو میری امید جلد بر آتی۔ حتٰی کہ آپ نے سفرِ آخرت کی تیاری کی اور جنت الفردوس میں جا مقام کیا۔ میرے لئے گو یہ صدمہ عظیم تھا۔ مگر اس شوق کو سرد نہ کر سکا۔ بلکہ اور بھڑکا دیا۔ بقول کسے

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے ؎ ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

اپنے روحانی باپ کا شوقِ تتبع کہو یا اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کی تاثیر۔ کہ اس خیال کے سوا اور کچھ اچھا ہی نہ لگتا تھا۔ دل یہی چاہتا تھا کہ ان سب حالات و مقالات کو کتابی صورت میں جمع کر دوں مگر اب مشکل یہ تھی۔ کہ وہ مسودہ جو بہت کچھ حضرت والد صاحب کی اصلاح سے مزین و مشرف ہو چکا تھا کسی غاصبِ ناانصاف کے قابو آ گیا۔ میرے ہاتھ نہ لگا۔ تاہم میں نے ہمت نہ ہاری۔ از سرِ نو معلومات کا سامان بہم پہونچانا شروع کیا۔ چنانچہ اکثر حالات جناب نانی صاحبہ سے بسبیل حکایت معلوم ہوئے بعض باتیں حضرت نانا صاحب علیہ الرحمۃ کے خلفائے کاملین اور مریدان صادق الیقین سے سُنیں کہیں تحریراتِ خاندانی سے مدد لی۔ کچھ معلومات بواسطہ برادر عزیز مولوی سلام الدین صاحب ایک کتب خانہ سے جو دوسروں کی تحویل میں تھا۔ بہم پہونچائیں۔ بعض مفید اور دلچسپ حالات محض عنایتِ الٰہی سے یعنی بغیر تلاش و تجسس کے مل گئے۔ غرض اس طرح پھر میرے پاس ایک کافی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ مگر یہ ذخیرہ ایسا ہی تھا۔ جیسے مال گودام یا کسی توشہ خانہ میں مختلف قسم کا سامان جگہ جگہ منتشر پڑا ہو۔ یعنی نہ اس ذخیرہ کے اجزا کی کوئی ترتیب تھی نہ انداز۔ صرف جمع کر لینے کو مد نظر رکھا گیا تھا۔ اب میں یہ چاہتا تھا۔ کہ اسکو ترتیب وار جمع کرکے کتابی صورت میں لاؤں

اور پھر طبع کرا کر اپنی آتشِ اشتیاق اور دیگر تشنگانِ مذاق کی پیاس کو بجھاؤں۔ نیز اپنے والد بزرگوار اور جمیع بزرگانِ نسبی و نسبتی کی ارواحِ طیبہ سے بایں وسیلہ استفاضہ کروں۔ مگر بوجوہاتِ چند در چند ایک عرصے تک اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہر چند کوشش کی مگر "تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ" ہی کی مثال ظہور میں آتی رہی آخر میرے نواسہ برخوردار عبد الحمید مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ کیا اور اسنے اس متفرق یادداشت کو بجنسہٖ اپنی قلم سے لکھکر ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۰۳ء مطابق ۱۹ شعبان سنہ ۱۳۲۲ھ تک یکجا جمع کر لیا۔ اب ترتیب اور تدوین مضامین کا ارادہ کر رہا تھا کہ ملک الموت نے آللکارا۔ اور وہ جوانمرگ عالمِ بقا کو سدھارا۔ اس صدمہ کو میں نے معمول سے زیادہ محسوس کیا۔ کچھ عجب نہ تھا اگر اس غم میں اپنی آرزوئے دیرینہ اور والد ماجد کی حکمی تحریک کو خیرباد کہہ دیتا۔ مگر اب یہ خیال دامنگیر ہوا۔ کہ مبادا ایکدن اسی طرح میرے کوچ کا بھی سامان ہو جائے۔ اور حضرت والد صاحب کی معنوی وصیت ناتمام رہ جائے۔ پس اس خیال نے تکمیل و ترتیبِ کتاب کے عشق کو جنون کے درجے تک پہونچا دیا۔ اسی حال میں ایک مرتبہ خواب دیکھا جس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ بمصداق "مردے از غیب برون آید و کارے بکند" اس کام کی تکمیل میں کسی اور بندۂ خدا کا دخل ہے۔ لہٰذا اب اس خوش نصیب مامور من اللہ کا متلاشی اور منتظر رہنے لگا۔ اور حسبِ قاعدہ اپنے ہی منتسبین اور خلفا میں سے ایسے شخص کا امیدوار رہا۔ مگر کوئی نہ ملا۔ حتٰی کہ ایکدفعہ دہلی جانیکا اتفاق ہوا۔ میر اعتبار علی صاحب رئیس ڈیڈوانہ (مارواڑ) میرے ہمراہ تھے۔ یا شاید مجھ سے پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ وہ ایک پنجابی سید زادہ مسمّی مولوی محمد عطاء الحق مدرس علوم مشرقی اینگلو عربک ہائی اسکول دہلی کو میرے پاس لائے اور کہا کہ تمہارے مسودات کی ترتیب و تکمیل اور اسکے چھپنے کا انتظام یہ کرینگے۔ میں نے بھی مولوی صاحب موصوف کا اس طرح بے مشقت ملجانا مغتنم سمجھا اور اپنے خواب کی اصل تعبیر خیال کیا۔ سب کاغذات اور مسودات جنکو میں اپنی جان سے لگائے پھرتا تھا۔ انکے حوالہ کر دئے۔ اور امیدوار رہا۔ کہ اب

ضرور میرا نہیں میرے والد ماجد بلکہ پیر مرشد کا مقصد دلی بر آئیگا۔ مگر خدا کی شان۔ وہ ابھی اس کام کو شروع بھی نہ کرنے پائے تھے کہ مرض طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ اللہ کر کے جان تو بچی۔ لیکن ایک عرصے دراز تک وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

اس کے بعد ایک صاحب مولوی **عبدالرحیم** نامی سے ملاقات ہوئی۔ جو حضرت نانا صاحب علیہ الرحمتہ کے ایک خلیفہ میاں رحمت شاہ صاحب ڈسکوی کے مرید تھے۔ اسی تعلق کی وجہ سے مہتم میں فاتحہ و زیارت مزارات کی غرض سے آئے تھے۔ اثنائے کلام میں اُن سے بھی اس امر کا تذکرہ آگیا۔ تو اُنہوں نے اس کام کو کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ لہذا وہ تمام کاغذات اور مسوّدات جو مولوی محمدؐ عطاء الحق کے پاس تھے۔ اب انکو دلا دیئے۔ سفر و حضر میں انکو اپنے ہمراہ رکھا۔ ہر طرح کا خرچ بھی برداشت کیا۔ محنت انہوں نے بھی بہت کی اور ایک حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے مگر بہ سبب ثقالتِ الفاظ و طوالت کلام کتاب کی ضخامت تو بیحد بڑھ گئی اور ترتیب و انداز کچھ بھی ڈھنگ پر نہ آیا۔ اسلیئے میرا جی بھی خوش نہ ہوا۔ حیران تھا۔ کہ یا اللہ ماجرا کیا ہے۔ آخر وہ کون شخص ہے جسکے ہاتھوں اس کی تکمیل لکھی ہے۔ اسکو مجھ پر ظاہر فرما دے۔ کہیں والد ماجد کی طرح میں بھی دل کی دل ہی میں نہ لیجاؤں۔ اپنے باپ کی آرزو اور اپنی محنت کو عملی صورت میں جلوہ گر دیکھ لوں۔ طرفہ مصیبت یہ کہ اب میرے قویٰ بھی جواب دیچکے تھے ضعف غالب تھا پس خود بھی اس کام کو کرنے کی اپنے میں ہمت نہ پاتا تھا۔ اور آتشِ اشتیاق بھی فرو نہ ہوتی تھی۔ ناچار پھر مولوی محمدؐ **عطاء الحق** پر نظر پڑی۔ حضرتِ دل نے بھی یہی شہادت دی کہ یہ کام اسی شخص کے ہاتھوں سرانجام ہو گا۔ اس عرصے میں مولوی صاحب موصوف مجھ سے بیعت اور سندِ **خلافت** بھی حاصل کر چکے تھے۔ اسلئے اب میرا اُن پر ایک طرح کا حق اور زور بھی ہو گیا تھا۔ اور قلبی تعلق بھی۔ پس کاغذات پھر انکے حوالے کیئے۔ تاکید۔ تقاضا اور یاد دہانی بھی کچھ کیا۔ مگر وہ اب بھی بیماریوں۔ تیمارداریوں۔ اور افکار و آلام میں ایسے اُلجھے کہ تقریباً ایک سال گذر گیا مگر گلِ امید شگفتہ نہ ہوا۔ میں چونکہ پہلے ذخیرہ کے تلف ہو جانے سے ڈرا ہوا تھا اسلئے تکمیلِ مدعا

سے مایوس ہو کر اب اپنے مسوّدات کو اُن سے واپس لے لینے کا قطعی ارادہ کر لیا۔ اُسوقت انکا بیٹا بیمار تھا۔ میرے حسب الطلب مسوّدات کو لیکر آتو گئے۔ مگر ساتھ ہی شریفانہ ندامت کا اظہار کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ایک موقع اور دیجئے۔ پھر بھی اگر اس خدمت کو میں سرانجام نہ دے سکا۔ تو سمجھ لونگا کہ یہ سعادت کسی اور ہی کے حصہ میں ہے۔ انکی دلشکنی بھی مجھ سے گوارا نہ ہوئی۔ اسلئے اپنے ارادہ کو ترک کیا۔ دل میں پھر بادِ مُراد کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ کہ شاید اب اس کام کی تکمیل کا وقت آگیا ہے۔ مگر چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ انکا فرزند جو بیمار تھا۔ وہ داغ مفارقتِ ابدی دیگیا۔ مرگ اولاد کے صدمات سے وہ غمزدہ پہلے ہی تھے اب رہے سہے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ آہ ؎

بُرا رنج ہوتا ہے اولاد کا ٭ جگر موم ہوتا ہے فولاد کا

ایکدن ناگہاں انکا خط پہونچا کہ اب میرا کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ عجب نہیں جو ملازمت ترک کر کے خانہ نشینی اختیار کر لوں۔ مسوّدات کی ترتیب اب میرے امکان سے خارج معلوم ہوتی ہے۔ لہذا اطلاع دیجئے کہ کس طرح آپکے پاس بھیجوں؟ آیا بذریعہ معمولی پارسل یا بصیغہ رجسٹرڈ پارسل؟

اس خط کو پڑھکر غنچہ دل پھر مرجھا گیا۔ عجب حالت تھی۔ کہ اپنی طرف دیکھوں۔ تو چراغِ سحری۔ پا برکاب۔ بار بار کی ناکامی اور کام کے بن بن کر بگڑنے کو دیکھوں تو حوصلے کی شکست اور ہمت کا فرار دکھائی دے۔ مولوی صاحب بیچارے کے صدمہ کا خیال کروں تو اور بھی یاس اور ناامیدی کی تصویر نظر آنے لگے۔ کہ بس زندگی میں یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ آخر طبیعت کو سنبھالا اور ایک خط انکو تسلی و تشفی کا لکھا۔ مگر مسوّدات کا ذکر کچھ نہ درمیان میں لایا۔ راضی برضا رہا۔ چند روز بعد اُنہی کا دوسرا خط بہ ایں مضمون موصول ہوا۔ کہ میں رخصت لیکر وطن کو چلا گیا تھا۔ اور مسوّدات کا پیکٹ بنا کر صاحبزادہ سید **عبدالکریم** صاحب کو دے گیا تھا۔ کہ آپکا جواب آنے پر آپکے حسب پسند طریقے سے آپکے پاس بھیجدیں۔ تاکہ گم ہونے کا احتمال نہ رہے۔ مگر واپس آکر معلوم ہوا کہ انہوں نے مسوّدات آپکی خدمت میں نہیں بھیجے اس خیال سے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس

کام کو کرہی دینا بہتر ہے۔ تاکہ اخیر زمانہ آپکا جو ہمیں میسر آیا ہے اسمیں اور کچھ نہیں تو یہی خدمت ہم بجالا سکیں۔ چونکہ میری بھی عین آرزو یہی تھی۔ صرف ایک فوری رنج خط اول کی ترقیم کا باعث ہوا۔ لہذا اب مسوّدات کا انتظار نہ کیجئے گا۔ عنقریب کتاب ہی بفضلہٖ بہمہ وجوہ مکمل و مرتب ہو کر آپکے پاس آئیگی۔

اس خط کو پڑھکر پھر امید کی جھلک نظر آنے لگی۔ اللہ کا شکر بجالایا۔ اور صاحبزادہ سعید **عبد الکریم** صاحب کے فہم و عقیدت کی داد دی۔ نیز بفحوائے مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ انکو شکر گذاری کا خط لکھا۔ صاحبزادہ موصوف حضرت نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر کی اولاد میں سے ہیں اور مجھ سے بیعت و مجاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے۔

آخر مولوی صاحب موصوف نے مسوّدات کی ترتیب و تدوین شروع کر دی۔ جو چند ہی روز میں کتابی صورت میں آکر بنام **روضۃ الرضوان یعنی تذکرۃ الرحمٰن** ہدیۂ ناظرین ہے۔ درگاہ رب العلا میں دست بدعا ہوں کہ مجھ عاصی اور اسکے پڑھنے والوں کو نیز جمیع مسلمانوں کو اپنے نیک بندوں کے طفیل میں اپنی رحمت اور دیدار کا مستحق بنائیے۔ اور مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ دین و دنیا میں ان کے مقاصد دلی برآئیں۔ صاحبزادہ موصوف کا شکریہ ادا کر چکا ہوں۔ مولوی عبد الرحیم صاحب کی شکر گذاری بھی واجب جانتا ہوں۔ آخر انہوں نے بھی اپنی طرف سے محنت میں کمی نہیں کی۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ۔ سب سے زیادہ مستحق شکر گذاری میر اعتبار علی صاحب ہیں جنکی وساطت سے مولوی صاحب کا تعارف ہوا۔ جو میری اس دلی آرزو کی تکمیل کا باعث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انکو خوش و خرّم رکھے اور خاتمہ بالخیر سے ممتاز کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

سبب تالیف اس کتاب کی تدوین و اشاعت کا جو کچھ تھا۔ مرقوم ہو چکا۔ علاوہ اسکے ناظرین کرام کو دینی برکات اور دنیاوی فوائد سے متمتع کرنا بھی مقصود ہے۔ کیونکہ اسمیں مقبولانِ الٰہی کے حالات و مقالات مندرج ہیں جنکا پڑھنا اور سننا ہر طرح موجب خیر و برکت ہے۔ ہر ایک

بزرگ کے حالات میں **اُسْوَۂ حَسَنَۃ** کے نمونے موجود ہیں۔ جو اہل نظر سے تو مخفی نہیں اور عوام الناس کے افادہ کیلئے خاکسار نے موقعہ بموقعہ اشارات کر دیے ہیں۔ پس اگر ناظرین کرام ان بزرگونکی روش اور رفتار کی دینی و دنیوی معاملات میں تقلید اور پیروی کر سکیں جب تو منزلِ مقصود یعنی **رضائے الٰہی** کچھ دور اور دشوار ہی نہیں۔ یہی انسانی ترقی کی حد ہے۔ ورنہ مخرّبِ اخلاق ناولوں۔ اور واہیات قصہ کہانیوں نیز دیگر فضول مشاغل کے بجائے اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھنے سے اتنا فائدہ تو بہر صورت یقینی ہے۔ کہ وقت ضائع نہ ہوگا۔ صحبتِ صالحان میسر آئیگی۔ جس کی نسبت حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

یک زمانے صحبتِ با اولیا ۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

بندۂ خاکسار عبد الشکور غفرلہ الغفار

حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی کا سلسلہ نسب اور انکے بزرگانِ نسبی یعنی آبا و اجداد کا مختصر تذکرہ

خاصانِ الٰہی کیلئے شرافتِ نسب کیضرورت

واقعات عالم پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ منتظم حقیقی نے انتظام کائنات کو دو حصوں یا محکموں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جن میں سے ایک کو محکمۂ جسمانی یا دنیاوی کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو محکمۂ روحانی یا دینی۔ محکمۂ جسمانی کے کارکن شہنشاہ۔ بادشاہ۔ خلیفہ۔ راجا مہاراجا۔ وزیر۔ کوتوال۔ کمشنر۔ اور لاٹ وغیرنا موں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ اور محکمۂ روحانی کے عہدیدا نبی۔ مرسل۔ ولی۔ غوث۔ قطب۔ ابدال اور مجذوب وغیرہ کہلاتے ہیں۔ ہر دو محکموں کی خدمات کیلئے منتظم حقیقی جسکو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ اور اپنی لطف وعنایت کا مورد بنا لیتا ہے۔ نیز آپنے اسرار پنہانی سے بقدر ضرورت یا بقدر ظرف آگاہ فرما کر جمیع مخلوق میں اسکو معزز و ممتاز کر دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ نہ وہاں ادنٰی و اعلٰی کا فرق دیکھا جاتا ہے نہ حقیر و عزیز کی تمیز۔ کیونکہ ادنی و اعلی رذیل و عزیز سب اسی کی مخلوق ہیں۔ نیز خالق کا اپنی مخلوق میں سے کسی فرد یا جماعت کو اپنی رحمت اور انعام کے لئے مخصوص کر لینا۔ یہ بھی مخلوق کی بہتری اور بہبودی کے لئے ہے۔ ورنہ اسکو تو نہ کسی مشیر اور وزیر کی حاجت ہے۔ نہ ممد و معاون کی ضرورت ؎

بادشاہی نہ بہ ستور کند یا گنجور	نقشبندی نہ بشنگرف کند یا زنگار
چشمہ از سنگ بھروں آرد و باران از میغ	انگبیں از مگس نحل و دُر از دریا بار

البتہ اگر انتخاب واختصاص کیوقت کسی امر کی رعایت کیجاتی ہے تو وہ اتقا اور ارتجا ہے۔ جیسا کہ خود احکم الحاکمین نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

یعنی جناب الٰہی میں مورد عنایات بننے کیلئے پرہیزگاری کی ضرورت ہے عالی نسبی۔ تمول یا وجاہت کی حاجت نہیں۔ شاید اسی عادتِ الٰہی کا ادراک فرما کر ہمارے ہادی و پیشوا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر۔ نور بصر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو جتلا دیا تھا کہ یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ یعنی اے فاطمہ اپنے کو دوزخ سے بچا کیونکہ میں تمکو اللہ تعالیٰ سے بچانیکا اختیار نہیں رکھتا۔ وہاں اعمال کام آئینگے۔ پیمبر زادگی کچھ کام نہ آئیگی" ترا ہم پسند کہ ہنرت چیست ونگویند کہ پدرت کیست"

باوجود اس عادت الٰہی کے جب اوراقِ تاریخ میں احوال سلف کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو صاف نظر آجاتا ہے کہ انتخاب واختصاص الٰہی کیلئے شرافتِ نسب کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت آدم سے لیکر سید مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم تک اور اس سے لیکر ابتک جس قدر خاصانِ الٰہی گذرے ہیں کیا گروہِ انبیأ اور کیا گروہِ اولیا سب کے سب عالی نسبی کے شرف سے مشرف اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ ایک بھی انمیں بہ اعتبار نسب کے ناقص دکھائی نہیں دیتا۔ محکمۂ جسمانی یعنی دنیاوی عہدیداروں میں تو اکثر ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اس شرف سے عاری ہوں کیونکہ یہ محکمۂ عام ہے۔ اسمیں ہر شخص کو اپنی قابلیت دکھا کر حسب لیافت عہدہ و رتبہ پانے کی اجازت ہے یا شاید بندگان مقبول و مخصوص کے کسی اضطرار بشریت کو رفع کرنے اور اطمینان قلب کے لئے کسی ادنٰی ترین شخص کو اس محکمہ کے اعلٰی ترین عہدہ پر مامور کر دیا جاتا ہو تاکہ[1] وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ۔ الآیہ کا راز ہویدا ہو جائے

---

[1] حضور سرور عالم کے ہاں ایک مرتبہ چند مہمان آگئے۔ دولتسرا میں مہمان نوازی کا سامان مہیا نہ تھا۔ ایک یہودی سے کچھ اناج ادھار قرض منگوایا اسنے بلا کفالت قرض دینے سے انکار کر دیا۔ آپنے اپنی زرہ گروی رکھ کر سب سامان اس سے منگوایا۔ اور مہمان نوازی کا اہتمام فرمایا۔ لیکن خاطر عاطر پر اس خیال سے ملال گذرا۔ کہ خدا کی شان جو لوگ کافر اور اللہ کے نافرمان ہیں۔ انہیں کو دنیا کا آرام اور آسائش میسر ہے۔ فرمانبرداروں اور مومنوں کو دنیا تلاش طلب ہے۔ اسوقت یہ آیتہ نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب تم ان کافروں کی دنیاوی فراغت اور آسودگی کیطرف دھیان مت کرو۔ یہ کوئی کار آمد شے نہیں۔ بلکہ موجب وبال اور باعث ہلاکت ہے۔ اور ہمنے صرف آزمائش کیخاطر انکو دے رکھی ہے۔ ورنہ قدر و قیمت کے لائق تو وہی فقر و فاقہ کی حالت ہے جو ہمنے تمکو اور تمہارے متبعین کو دے رکھی ہے اور انہی لوگوں کا انجام بخیر ہے گا۔

یا ممکن ہے کہ کسی قوم و جماعت کی نخوت اور غرور توڑنا اور انکو ہوش میں لانا مقصود ہوتا ہو۔ جو دنیاوی وجاہت پر پھولکر خالق اور مخلوق کے حقوق کو بھول گئے ہوں۔ پس کسی کم حیثیت اور ذلیل ترین انسان کو اُن پر حاکم بنا دیا جاتا ہو۔ تا کہ انکو معلوم ہو جائے کہ ہم جس جاہ و جلال پر نازاں ہیں۔ وہ ایسے ادنیٰ اور ذلیل آدمیوں کو بھی ملجایا کرتا ہے۔ دنیاوی جاہ و جلال بارگاہِ صمدی میں مقبول و محبوب نہیں کیا عجب ہے اگر نادرشاہ اور حجاج بن یوسف وغیرہ اسی قبیل سے ہوں مگر دینی اور روحانی محکموں کے کارکن اور عہدیداروں میں کوئی ایسا نہ ملیگا جسکی نسبتی حالت کمزور ہو۔ کیونکہ یہ محکمہ ہے **اصل الاصول** اور یہ سلسلہ ہے **غایت و مقصود** اگر اسکی خدمات کے لئے کسی غیر صحیح النسب اور معمولی حیثیت کے شخص کو منتخب کر لیا جائے۔ تو اس سے تبلیغ و ہدایت اور اصلاح و ارشاد کا کام کما حقہ سر انجام ہونا دشوار ہے۔ ورنہ اور کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم جو ہر طرح خاندانی وجاہت اور نسبی شرافت سے ممتاز تھے۔ قریشی۔ ہاشمی اور مطلبی ہونیکے علاوہ ذاتی مکارم و اوصاف سے بھی بہمہ وجوہ متصف اور اہل مکہ اُس سے بخوبی واقف تھے۔ پھر بھی انکو یہی کہا جاتا تھا کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو۔ پیغمبر بنا کر کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ پیغمبری کا کام نہایت ہی اعلیٰ اور اشرف ہے۔ پس اس کا حامل بھی اشرف مخلوق میں سے ہونا چاہئے۔ اور سب سے اشرف اور اعلیٰ مخلوق وہ اپنے ذہن میں فرشتوں کو سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ یہ انکی غلطی تھی۔ کیونکہ انسان خود اپنے کرتوت اور افعال کی بدولت مقام ملائکہ سے گر پڑا ہے۔ ورنہ بذاتہٖ فرشتوں سے بدرجہا افضل و اشرف ہے۔ اور اب بھی اس میں مقام ملائکہ بلکہ اس سے بھی کچھ آگے تک رسائی کی قابلیت موجود ہے۔ اسی کی بدولت آجتک نوع انسان ہی نبوت کے عہدہ پر ممتاز ہوتی آرہی ہے۔ فرشتوں کو یہ عہدہ کبھی نہیں ملا آئندہ تو کیا ملیگا۔

بعض اہل مکہ جو شاید اس بھید سے واقف تھے۔ انکو آپکے نبی ہونے میں تو کلام نہ تھا

شجرۂ نسب حضرت شاہ محمد رمضان شہید صدیقی قادری مہمی رحمۃ اللہ علیہ

۱ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲ حضرت عبد الرحمن رضؓ
۳ جناب عبد اللہ حاکم یمن
۴ شیخ اسمٰعیل
۵ شیخ ابراہیم
۶ شیخ ابوبکر ثانی
۷ شیخ محمود
۸ شیخ احمد حاکم یمن
۹ شیخ حسام الدین
۱۰ شیخ شمس الدین حاکم یمن
۱۱ شیخ امام الدین

۱۲ جناب شیخ کمال الدین یمنی مدنی
۱۳ شیخ معین الدین
۱۴ شیخ علاء الدین
۱۵ شیخ فخر الدین
۱۶ شیخ نظام الدین
۱۷ شیخ حسام الدین
۱۸ قاضی قوام الدین خلیفہ حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ
۱۹ مولوی کبیر الدین متولی و خطیب میرعدل قصبہ مہم
۲۰ مولانا ظہیر الدین میرعدل و خطیب متولی قصبہ مہم

۲۱ مولانا غیاث الدین صاحب میرعدل و خطیب متولی
۲۲ مولانا کمال الدین صاحب میرعدل و خطیب شاہی
۲۳ مولانا محمد سلیمان میرعدل و حاکم شرع شریف
۲۴ مولانا شیخ مبارک صاحب عرف مولانا ماکھن میرعدل
۲۵ مولانا مولوی سیف اللہ صاحب
۲۶ شیخ عطاء اللہ

شاہ کمال اللہ مرحوم
۲۷ شاہ لطف اللہ مرحوم
عطاء محمد خان گجراتی
۲۸ مولانا عبد الحکیم مرحوم
۲۹ شاہ محمد ابو المظفر مرحوم
مجذوب سالک مہمی
مولانا محمد ابراہیم مرحوم
شاہ محمد غوث
حاجی ابو المظفر مرحوم
مصنف تحفۃ الاولیاء
مولوی سیف الرحمن
شاہ محمد اسحاق
مولوی سلام الدین
۳۰ حضرت شاہ محمد رمضان شہید صدیقی قادری مہمی
مرحوم

۳۱ حضرت مولوی شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ
سجادہ نشین و داماد حضرت شاہ محمد رمضان شہید علیہ الرحمۃ

میاں محمد سلیمان صاحب
میاں مولوی محمد شاہ صاحب
مولوی حاجی شاہ عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ
مولوی تاج الدین صاحب
میاں زین الدین صاحب
دختر

میاں محمد حنیف صاحب
جانشین حضرت علیہ الرحمۃ
میاں عبد الحمید مرحوم
میاں خورشید عالم صاحب

لیکن جب کبھی آپکے پاس آپکی تعلیمات کو سننے اور جانچنے کیلئے آتے تھے۔ اور کم حیثیت لوگونکو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع دیکھتے تو گھبراتے۔ کنیاتے اور وہاں بیٹھنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ بھلا اگر خود اس روحانی محکمہ کا افسرِ اعلیٰ یعنے پیغمبر یا اُس کے نائب یعنی ولی غوث اور قطب وغیرہ خاندانی وجاہت اور نسبی شرافت سے معرّا ہوں۔ تو انکی بات انکو کون سُننے آئے۔ اور مقصدِ الٰہی کیونکر پورا ہو۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ انبیا علیہم السّلام اور اولیائے کرام کیلئے عالی نسب ہونا بھی ضروری ہے۔ تو جان لیجئے کہ ہریانہ جیسے علاقہ کیلئے جو جہالت اور سیہ کاری کا منبع نیز بداعمالی اور وحشی پن میں ملک عرب سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ایسے ہی ریفارمر (مصلح) کی ضرورت تھی جو ملک عرب کے ریفارمر یعنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نسبی شرافت سے مفتخر ہو۔ چونکہ اس علاقہ کی اصلاح اور ہدایت کا کام حضرتِ **شاہ محمّد رمضان** رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ اور یہ کام تھا نیابتِ نبوت کا۔ پس کارخانہ قدرت سے آپکے واسطے خاندان بھی وہی تجویز ہوا جو نبی عرب کے نائب اوّل یعنی حضرتِ **صدّیق اکبر** رضی اللہ عنہ کا تھا جسکی سبب سے آپکو **قریشی** اور **صدّیقی** کہلانے کا استحقاق حاصل ہے۔ دیکھو سلسلہ نسب بصفحہ مذا

آپکے بزرگان نسب یعنی آبا و اجداد کا مختصر تذکرہ

خدا کی قدرت کے کارخانے بھی عجیب وغریب ہیں۔ کہاں مُلک عرب اور کہاں مُلک ہند۔ کُجا حجاز کا سرسبز اور بابرکت علاقہ جہاں اولاد صدّیق امن چین کے ساتھ حکومت کے مزے لے رہی ہو۔ اور کجا ہریانہ کا ویران اور بے نور خطہ جہاں وہ آگر ارشاد و ہدایت کا چراغ روشن کرے واقعی وہ منتظم حقیقی بڑا ہی مسبّب الاسباب۔ مدّبر اور حکیم ہے۔ کہ جیسا کام اسکو لینا منظور ہوتا ہے۔ اسیکے مناسب اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اس اُجڈ۔ گنوار اور سرتاپا جہالت سے لبریز علاقہ کیلئے چونکہ نہایت ہی بُردبار۔ متین اور متحمل مزاج مصلح اور ہادی درکار تھا۔ اور

یہ اوصاف بہ احسن وجوہ اولاد صدیق ہی کے حصے میں آئے تھے۔ کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات تو مجمع اوصاف تھی ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور فرداً فرداً آپکے خصائل و اوصاف کا عکس صحابہ کرام خصوصاً اصحاب اربعہ رضؓ پر پڑا تھا یعنی جسطرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف شجاعت و شہامت پرتو افگن ہوئے تھے۔ اور جناب عثمانؓ و عمرؓ پر حیا اور رعب شاہانہ کا عکس پڑا۔ اسی طرح حضرت صدیق پر متانت۔ سنجیدگی۔ بردباری۔ اور متحمل مزاجی کا ظہور ہوا تھا۔ بس آپ ہی کی اولاد اس علاقہ کی ہدایت و اصلاح کیلئے موزون تھی۔ اور اسکے دل میں منتظم حقیقی نے سیاحتِ ہندوستان کی رغبت پیدا کردی چنانچہ سب سے پہلے **شیخ کمال الدین یمنیؒ** نے بسم اللہ کی۔ حکومت کی عیش و بہار پر لات ماری۔ یمن کی سرسبزی اور حب الوطنی کو خیرباد کہہ کر حرم نبوی میں ڈیرہ آ لگایا اور مدت دراز تک مدینہ منورہ میں مقیم رہکر روضہ اقدس سے فیوض و انوار کے پھول چنے۔ پھر جانبِ ہندوستان بعزم سیاحت روانہ ہوئے۔ مگر چونکہ اصل مقصد کا انجام آپکی اولاد و احفاد کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔ اور آپ کا کام صرف رستہ کھول دینا ہی تھا۔ پس آپ ولایتِ سیستان میں آ کر مقیم ہو گئے۔ آپکی ظاہری وجاہت اور باطنی کمالات سے واقف ہو کر حاکمِ سیستان نے ایک علاقہ کی حکومت آپکے سپرد کرنی چاہی جب شاہی فرمان آپکے پاس پہونچا۔ تو کمال سادگی سے اُسیکی پُشت پر صرف یہ شعر لکھکر ؎

گر ہوس تاج و نگیں داشتے
یمن را چہ بگذاشتے

اس بارِ گراں سے آپ سبکدوش ہو گئے اور وہیں طرح اقامت ڈالکر سیدھی سادی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ یہ پہلا قدم تھا اولاد صدیق کا۔ جو یمن سے اُٹھا اور سیستان میں پڑا مگر ایک مدت تک اس سے آگے نہ بڑھا۔ آپکی اولاد کی پانچ نسلیں گذرنیکے بعد چھٹی پُشت میں **شیخ قوام الدین** کو مشیتِ الٰہی ہندوستان میں لے آئی۔ یہ زمانہ شاہانِ تغلق کا تھا۔ اسلامی حکومت

تھی۔ دہلی اس کا پایۂ تخت۔ ہر طرح کے اہل کمال خصوصاً علما و فضلا کا مجمع۔ شیخ قوام الدین اگرچہ خاندانی وجاہت میں کسی سے کم نہ تھے۔ مگر نو وارد تھے۔ اور نو وارد کا یکایک پاؤں جمنا دشوار ہوتا ہے۔ البتہ تائیدِ ربانی شاملِ حال تھی۔ پس دہلی پہونچتے ہی بادشاہِ وقت کیطرف سے اعزاز و اکرام کا اظہار ہوا۔ اور "عالم ہر کجا کہ رود اکرام نمایند" کی تصدیق ہوئی۔ **قاضی القضاۃ** کا عہدہ ملا۔ رہتک کا علاقہ عطا ہوا۔ آپکے حقیقی برادر زادہ مولانا بندگی شیخ موسیٰ کو گڈھ مکتیسر میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز کیا گیا۔

ہندوستان میں آ کر قاضی صاحب موصوف نے محبوبِ الٰہی حضرت **سلطان نظام الدین** رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سُنا۔ آپ بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور اپنی علمی قابلیت کی بدولت بہت جلد حضرت محبوب الٰہی سے **سندِ خلافت** حاصل کی۔

آپ کے پانچ بیٹے تھے سب سے بڑے قاضی افتخار الدین۔ اُن سے چھوٹے **مولینا کبیر الدین** جو قصبہ مہم عنہ کے متولی اور خطیب و میر عدل مقرر ہوئے۔ یہی دونوں بھائی رہتک کو چھوڑ کر مہم میں اوّل اوّل سکونت پذیر ہوئے۔ دونوں کی اولاد ابتک رہتک و مہم میں موجود ہے۔ اور شیخ صدیقی کے لقب سے مشہور۔ تیسرے بیٹے کا نام رشید الدین اُن سے چھوٹے عبد الوحید اور سب سے چھوٹے شیخ سلیمان تھے۔ ان ہر سہ آخر الذکر حضرات کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ چنداں ہمارے موضوع میں داخل ہے۔ تبرکاً جتنا حال معلوم ہو سکا درج کر دیا۔

مولانا کبیر الدین کی اولاد کے لئے **خطابت** اور **عدالت** گویا میراث بنگئی۔ ہر دو معزز عہدوں پر آپکی اولاد یکے بعد دیگرے ممتاز ہوتی رہی۔ یہانتک کہ آپکے بیٹے کے پڑپوتے مولانا **شیخ محمد سلیمانؒ** میر عدل کا نمبر آیا۔ تو انہوں نے علاوہ ہر دو اعزاز مذکورہ کے ایک نیا اعزاز بنام **حاکمِ شرع** بھی حاصل کیا۔ آپکے ایک چھوٹے بھائی اور تھے شیخ بہاؤالدین خطیب متولی۔ جنکی اولاد لکھنو اور اُس کے اطراف نیز مہم میں پائی جاتی ہے۔

عنہ یہ قصبہ تقسیمِ حال کے مطابق ضلع رہتک میں شامل ہے ۱۲

مولنا محمد سلیمان کے پوتے مولنا سیف اللہ کے چار فرزند ہوئے۔سب سے بڑے شیخ
عطاء اللہ۔اُن سے چھوٹے شیخ محب اللہ میر عدل۔جنکی اولاد میمم میں مقیم تھی۔تیسرے شیخ خلیل اللہ
جنکی اولاد نواح لکھنو اور میمم میں آباد ہے۔سب سے چھوٹے شیخ شہاب الدین۔اِن میں
سے شیخ عطاء اللہ کے دو صاحبزادے ہوئے۔بڑے حضرت شاہ کمال اللہ اور چھوٹے شاہ
لطف اللہ معروف بہ **عطا محمد خاں پنجہزاری**۔

تذکرہ حضرت شاہ کمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ علوم مروجہ میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔اور کاروبار عدالت سے بخوبی واقف۔امور انتظامیہ
میں ایک خاص قابلیت آپکو حاصل تھی۔اسیواسطے حاکم وقت کے معزز اراکین میں سے آپ کا شمار
ہوتا تھا۔منصب پنجہزاری پر ممتاز تھے۔اور لاہور میں شاہی کتب خانہ کے مختار۔چونکہ آپ ایک علم دوست
خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔اور خود بھی علم کی چاشنی سے لذت گیر تھے۔پس ہر کتاب جو کتبخانہ میں آتی
اسکی تین نقلیں کرا لیا کرتے تھے۔دو تو حسب الحکم کتب خانہ شاہی میں داخل کر دیتے تھے۔اور ایک جلد
اپنے کتبخانہ میں۔اسطرح آپکے پاس دیگر کتب کے علاوہ صرف شاہی کتبخانہ کی نقول سے ایک ہزار
تین سو کتابوں کا ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا۔جس سے آپکی بیحد علمی قدر دانی کا پتہ چلتا ہے۔

انہی ایام میں ایک بزرگ **میر ایوب بدخشی** نقشبندی جو اپنے وقت کے کامل اور
مکمل اولیا میں سے تھے۔لاہور میں وارد ہوئے۔شاہ کمال اللہ صاحب ایکدن آپکی زیارت کے
واسطے تشریف لیگئے۔میر موصوف اسوقت کھانا کھا رہے تھے۔آپ ایک طرف ہو کر مؤدب بیٹھ گئے
میر صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ اُٹھا کر شاہ صاحب کو دیا۔آپنے بہ تعظیم و تکریم لیکر نوش
کر لیا۔تھوڑی دیر بعد میر موصوف نے اس لقمہ کی لذت کا حال پوچھا۔آپنے عرض کیا کہ
"لذتِ لقمہ تا بدہان۔چوں فرو رفت لذت راچہ نشان"۔میر علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔میاں کمال اللہ
یہی حالت دنیائے ناپائدار کی ہے۔کہ دم کے دم میں اسکی سب لذتیں فنا اور نابود ہو جاتی ہیں

اسیواسطے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ
یعنی دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرو۔زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔کہ یہ دائمی مقام نہیں ہے

ہنگامہ گرم ہستیِ ناپائدار کا ؎ چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

فقرا کا اسی پر عمل ہے۔اسیواسطے مَوْتُ الْفُقَرَاءِ رَاحَۃٌ مشہور ہے۔

ان خلوص بھری باتوں میں خدا جانے کیا جادو بھرا تھا۔کہ شاہ کمال اللہ صاحب کے
قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا۔کہ وہیں بیٹھے بیٹھے دنیاوی جنجال سے قطع تعلق کی ٹھان لی۔اور گھر
آکر خدمات سرکاری سے مستعفی ہو گئے۔صوبیدار نے ہر چند منع کیا۔مگر آپنے ایک نہ سنی۔آخر
اسنے کہا کہ اپنے کسی عزیز کو اپنی جگہ مقرر کر دو۔تاکہ خاندانی استحقاق کا سلسلہ قائم رہے۔آپنے
اس سے بھی انکار کر دیا کہ "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں ہم نہ پسند"۔مگر جب ہر طرف سے اس امر
میں اصرار ہوا۔تو اپنے چھوٹے بھائی **شاہ لطف اللہ** کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔اور خود منصب
پنجہزاری نیز دنیاوی جاہ و جلال کے جنجال سے آزاد ہو کر حضرت میر ایوب بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت
میں داخل ہو گئے۔اور آپکی خدمتگذاری کو اپنا شعار بنا لیا۔کیونکہ

بے تلاش لفظ معنی کا پتا ملتا نہیں ؎ بندہ کا بندہ نہ ہو جبتک خدا ملتا نہیں

اور آپکی خدمت میں رہ کر سلوک طریق نقشبندیہ مجددیہ کو طے فرمایا۔پہلے تو بادشاہ دنیوی کی
عنایات کا مورد بنکر منصب پنجہزاری حاصل کیا تھا۔اور اب مرشدِ روحانی کے الطاف سے
مستفیض ہو کر بحر عرفاں کی شناوری کا تمغہ حاصل کیا۔

۲۲ محرم ۱۱۵۵ھ کو بروز جمعہ آپنے عالمِ فانی سے کوچ کیا۔بوقت غسل آپ سے ایک
کرامت کا صدور ہوا۔یعنی غسل کیوقت تہبند ڈھیلا ہو کر زیر ناف ہوا چاہتا تھا۔کہ آپنے اپنے ہاتھ
سے اسکو تھام لیا۔حاضرین میں سے کئی ایک نے دیکھا۔حیران ہوئے۔ایک سے نہ رہا گیا۔وہ
کہنے لگا کہ لوگو زندہ کو غسل دے رہے ہو۔یا مُردے کو؟ دوسرے نے جواب دیا۔کہ خاموش
یہ لوگ مرا نہیں کرتے۔اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ۔آخر تجہیز و تکفین کے بعد تدفین کی

نوبت آئی۔ آپ کا مزار آپ ہی کی حویلی کے نیچے اپنے چھوٹے بھائی شاہ لطف اللہ کے مزار کے قریب ہے۔ آپکے بھتیجے مولانا عبدالحکیمؒ نے قطعہ تاریخ وفات منظوم کیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

گناہِ مارا بہ بخش یارب ہمہ ز سرتا بپائے عصیم	غریب و تنہا یتیم ماندم ز مکرِ شیطاں جُدا فریم
شہِ کمال اللہ قطب عالم چوں عزم دار البقا نمودند	چگونہ باشد بہ ہجر آں شہ دریں سرائے فنا شکیبم
نماند و ماند کسے دریں جا فنائے گیرد تمام عالم	نہ عیش روزم نہ شب بخوابم بسوئے جاناں بیارکیبم
بجوش دنیا بہیچ راہے نصیحتِ کس وہم بناہے	برائے یکہفتہ عمرِ دنیا عبث کسے را چرا فریبم
زِ انتقالش ہمہ بر آمد ہر آنکہ بودند پیر دانش	بغم نمانند ہمہ مانش بغورِ حالت جفا عجیبم
بہ یکہزار و صد و پنجاہ و پنج ہجری مہِ محرم	بروز جمعہ بہ بست و دویم نمود آں شہ لقا عجیبم

چو گشت عبدالحکیم حیراں برائے تاریخ وصل ایشاں

بروز جمعہ بہ بست و دویم محرم اند ندا ز غیبم

۵۵ ھ ۱

تذکرہ حضرت مولوی شاہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ رجب ۱۱۲۱ سنہ ہجری شب سہ شنبہ کو آپ بمقام لاہور پیدا ہوئے آپکے والد ماجد شاہ لطف اللہؒ اور انکے بھائی شاہ کمال اللہؒ زندہ تھے۔ جب شاہ کمال اللہ صاحب نے بھتیجے کی ولادت کا مژدہ سُنا تو باغ باغ ہوگئے۔ اور اپنے پیر مرشد میر ایوب بدخشی کی غلامی سے منسوب کرکے **غلام الایوب** نام رکھا۔ جو بحساب ابجد تاریخ تولد کا بھی مظہر تھا۔ پھر اُسے لیکر پیر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ مینے غلام الایوب اس کا نام رکھا ہے۔ فرمایا۔ خیر ہم نے تو اس کا مشہور نام **عبدالحکیم** اور تاریخی نام **فیض گوہر** رکھدیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ یہ لڑکا بظاہر میاں لطف اللہ کے ہاں پیدا ہوا ہے۔ مگر در حقیقت یعنی تعلق روحانی کے لحاظ سے یہ میرا

فرزند ہے۔ تم میری ہی طرف سے اس کی پرورش کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک تو حقیقی بھتیجا۔ دوسرے پیر مرشد کا ارشاد۔ سونے پر سہاگہ کی مثال۔ تربیت ظاہری و باطنی کا حق ادا کردیا۔ یہانتک کہ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرکے **اجازت اور خلافت** بھی عطا فرمائی۔ اور اس طرح اپنے پیر مرشد کی پیشینگوئی کو پورا کردیا۔ کہ "یہ میرا بیٹا ہے"

آپ کو منصب پنجہزاری باپ اور تایا سے میراث میں ملا تھا۔ ارکین دربار میں شمار ہوتے تھے۔ گھر میں ہر طرح کی فراغت تھی۔ دولت دنیا ضرورت سے زائد موجود تھی یہانتک کہ پلنگ کے پائے بھی چاندی اور سونے کے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ آپکے مورثِ اعلیٰ شیخ کمال الدینؒ یمنی نے سیستان میں آکر حکومت و اعزازِ دنیا سے قطعی انکار کردیا تھا اور ایک یہ زمانہ کہ قاضی قوام الدین کی بدولت اس گھرانے میں حکومت اور دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کا طرزِ عمل اپنے بزرگوں کے خلاف تھا۔ مگر قاضی صاحب جیسے مردِ خدا سے جنکو حضرت محبوب الٰہیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت کا تمغہ ملا ہوا ہو۔ یہ توقع نہیں کیجا سکتی۔ کہ نعوذ باللہ وہ دنیا پر ریجھ پڑے ہوں۔ دراصل انہوں نے عہدہ قضا کو ایک دینی عہدہ اور اس کام کو ایک دینی خدمت سمجھ کر اختیار کیا ہوگا۔ جیسا کہ آنکی اور آپکی اولاد کے تمام عہدوں کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً خطیب شاہی میر عدل۔ قاضی القضاۃ۔ اور حاکم شرع وغیرہ پس خود دنیا نے ہی دوڑ کر تبرکاً اور تعظیماً آپکے قدم چومے ہونگے۔ کیونکہ اس کی عادت ہی یہی ہے۔ کہ اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور اپنے سے بھاگنے والے کو لپٹتی ہے ؎

دولتِ دنیا سے رکھتے ہیں جو دل اپنا غنی ؎ تیور انکے دیکھتے ہی یہ بھی شرما جاتی ہے

مگر مقصدِ الٰہی کے پورا ہونے اور ہمریانہ ویس کی قسمت جاگنے کا وقت قریب آگیا تھا۔ پہلے شاہ لطف اللہ صاحب فوت ہوئے۔ بعد میں شاہ کمال اللہؒ نے بھی وفات پائی۔ میر ایوبؒ

بدخشی بھی آغوشِ لحد میں جا سوئے۔ رہ گئے شاہ عبدالحکیم۔ سو ان کا قلب بھی متاثر ہو چکا تھا ؎

عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد ؎ دیکھکر رنگِ عالمِ فانی

میر ایوب بدخشی نے ایک لقمہ طعام کھلا کر جو بات شاہ کمال اللہ صاحب کے ذہن نشین کی تھی وہ جسمانی و روحانی باپ نیز محسن و مربی تایا کی وفات سے حقیقی طور پر آپکو محسوس و معلوم ہو گئی پس دنیا کے عیش و نشاط سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور تمام نقد و جنس کو راہِ خدا میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ اور صرف کرنیکے طریقے بھی نت نئے ایجاد ہونے لگے۔ تاکہ شہرت و نمود کا شائبہ نہ رہے۔ مثلاً ایک مرتبہ جبکہ قصبہ مہم اور اس کے نواح میں قحط سالی کا ظہور ہوا۔ تو ایک مکان بنوانا شروع کر دیا۔ اس سے یہ مطلب نہ تھا۔ کہ قحط سالی کے سبب مزدور سستے ملینگے۔ اور صرف کم اُٹھیگا۔ بلکہ صرف بندگانِ خدا کیلئے محنت، و مزدوری کا دروازہ کھولنا مقصود تھا۔ تاکہ محنتی اور جفاکش لوگ جو دستِ سوال پھیلانا عار سمجھتے ہیں۔ اور صاحبِ مقدور لوگ ایسوں کو دینا گوارا نہیں کرتے۔ وہ اپنی محنت سے کما کر لیجائیں۔ کسیکے بارکشِ احسان نہ ہوں اور خود آپ نام و نمود سے بچیں۔ پس اس مقصد کو پورا کرنیکے واسطے دن میں جتنی تعمیر تیار ہوتی تھی۔ رات کو کوئی نہ کوئی نقص یا بہانہ نکال کر گرا دیا کرتے تھے۔ اس طرح ایک مدت تک آپ مخلوقِ خدا کی دستگیری فرماتے رہے۔ آخر سب نقد و جنس تمام ہوا۔ صرف جائداد غیر منقولہ رہگئی۔ اور توکل پر گذران آ لگی۔ دستِ سخا اس حالت میں بھی بند نہ ہوا۔ جو کچھ بھی میسّر آتا مساکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ اپنے لئے تو کجا بال بچوں کے ناشتہ کیلئے بھی گھر میں کچھ نہ چھوڑتے۔ اگر کوئی مسافر یا مہمان آ جاتا۔ اور گھر میں سامان مہمانداری مہیا نہ پاتے تو بیدریغ مکان کے کسی کونے کی کڑیاں ہی بیچ دیتے۔ مگر مہمان نوازی میں فرق نہ آنے دیتے

انکساری اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ قصبہ مہم جو ایک پرانا شہر تھا اور اُس کے گلی کوچے ہمیشہ خراب اور کوڑے کرکٹ سے اٹے رہتے تھے۔ آپنے بعد ادائے نمازِ اشراق

اپنے ہاتھ سے انکو صاف کرنے کا معمول کر رکھا تھا۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک مرتبہ نواب نجیب اللہ خاں جو محمد شاہی عہد میں ایک مقتدر رئیس تھا مرید ہونیکے لئے حاضر ہوا۔ آپ اسوقت گلی میں جھاڑو دے رہے تھے۔ چوبدار آگے آگے بغرض اطلاع دوڑا۔ اور آپ ہی سے دریافت کرنے لگا کہ عبدالحکیم صاحب کا مکان کونسا ہے۔ فرمایا کہ تم کیوں پوچھتے ہو اسنے کہا کہ نواب نجیب اللہ خاں صاحب انکی قدمبوسی کو آرہے ہیں۔ اور میں انکو اطلاع کرنے آیا ہوں۔ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ یہیں ملجائینگے۔ اتنے میں نواب صاحب کی سواری بھی آ پہونچی۔ چوبدار نے عرض کیا۔ کہ یہ درویش مجھے آگے نہیں جانے دیتے۔ کہتے ہیں جنکی تمہیں تلاش ہے وہ یہیں ملجائینگے۔ آپنے فرمایا۔ کہ عبدالحکیم اسی بندے کا نام ہے۔ نواب صاحب فوراً سواری سے اُتر پڑے آپ انکو مکان پر لیگئے۔ جہاں ایک بوریا بچھا ہوا تھا۔ اسی پر نواب صاحب بیٹھ گئے۔ ایک طشت میں چند گاؤں کی سند معافی اور کچھ روپے اشرفیاں رکھکر پیش کی۔ آپنے سند کو تو قطعاً نامنظور کیا۔ نقد کی نسبت فرمایا کہ اتنا ہمارے کس کام کا۔ آج کے خرچ کے قابل کہو تو لے لوں۔ عرض کیا کہ آپ مالک ہیں۔ پس قدرے اس میں سے لے لیا۔ باقی سب آپکی منشار کے مطابق غربا اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ سند کو قبول کرنے کے لئے نواب صاحب نے پھر اصرار کیا۔ تو آپنے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میری اولاد میں کیوں فساد ڈلواتے ہو۔ گویا وہ جو مثل مشہور ہے۔ کہ **زن۔ زمین۔ زر۔ تینوں جھگڑے کا گھر۔** آنجناب نے اسکی تصدیق اور توثیق فرما دی۔ اسیطرح ایک مرتبہ آپکو اور ایک کسی اور شخص کو شبِ قدر کا جلوہ ہوا۔ اسنے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دنیاوی جاہ و جلال کی دعا کی۔ اور آپنے بارگاہ الٰہی سے یہ مانگا۔ کہ مجھے اور میری اولاد کو فقر و فاقہ عنایت فرما۔

سبحان اللہ کس قدر **اتباعِ نبوی** کا خیال تھا۔ یہی کارنامے بزرگانِ سلف کے ہمارے واسطے نمونہ ہیں۔ جنکو چھوڑ کر ہم راہِ راست سے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اگر ان بزرگوں کے قدبقدم چلیں۔ اور دنیا سے بقدر ضرورت متمتع ہونا کافی سمجھ لیں۔ تو دین کی دولت بھی

ہاتھ آجائے اور دنیا کی بھی۔ ورنہ صرف دنیا ہی کو اصل مقصد سمجھکر تو دونوں جانب سے مایوسی ہے ؎

سودا پے دنیا تو بہر سو کب تک ؎ آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو کب تک

حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے ؎ بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

اس سے بھی بڑھکر موتوا قبل ان تموتوا۔ کا نقشہ دیکھئے۔ میاں مراد شاہ حضرت والد صاحب کے مرید رشید بیان کرتے تھے۔ کہ مہمانوں کی کثرت کے سبب بیت الخلا میں جب نجاست و غلاظت زیادہ رہنے لگی۔ تو خاکروب چلا اٹھا۔ کہ ہم کہاں تک صفائی کریں۔ مسافر تو بہت ہی آنے لگے ہیں۔ آپ نے جب یہ سُنا تو اُسیدن سے اس کام کو اپنے ذمے لے لیا۔ حالانکہ ابھی آنے بھی نہ پاتا تھا۔ کہ آپ صاف کر چکتے تھے۔ اور اپنے مہمانوں کی نجاست کو سر پر اُٹھا کر باہر پھینک آتے تھے۔ خاکروب نے جب متواتر کئی روز تک بیت الخلا کو خلاف معمول صاف دیکھا تو سمجھا کہ کوئی دوسرا خاکروب مقرر کر لیا ہے۔ آخر ایکروز قبل از وقت آکر اسنے چھپ کر دیکھا تو خود آپ ہی کو پیخانہ صاف کرتے پایا۔ وہیں قدموں میں آگر پڑا۔ اور کہنے لگا کہ مجھ سے بڑی خطا ہوئی۔ معاف کیجئے۔ اب کبھی شکایت نکروں گا۔ فرمایا کہ بھائی۔ مینے اپنے مہمانوں کا پیخانہ صاف کر دیا۔ تو کیا ہوا؟ اسنے کہا۔ کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپکو اپنے مہمان اتنے عزیز ہیں۔ ابتو میں سر آنکھوں سے صاف کیا کرونگا۔

غرض آپ تمام اوصاف درویشی سے متصف تھے۔ ہمیشہ یاد الہٰی میں لگے رہتے تھے اور ممنوعات شرعیہ سے قطعی بیزار حتیٰ کہ حقہ نوشی سے اس قدر متنفر تھے کہ وصیت نامہ میں اپنی اولاد کیواسطے رقم فرما گئے ہیں۔ کہ تمباکو پینے والا۔ اور کھانے والا میرے محل میں سکونت نہ کرے چنانچہ اکثر حضرات اس خاندان کے حقہ سے دور اور نفور ہی رہتے ہیں۔ آپکے فرزند رشید شاہ عبد العظیم صاحب مجذوب سالک اور حضرت نانا صاحب شاہ محمد رمضان قدس سرہ جناب والد ماجد رحمۃ اللہ علیہم ان سب کے طفیل میں فقیر مؤلف کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر

حقہ نوشی سے محفوظ رکھا ہے میں اپنے وابستگان اور منتسبین سے بھی امید کرتا ہوں کہ اس شغل بے فائدہ سے مجتنب ہی رہینگے۔ کیونکہ اسمیں عقلاً بھی اور نقلاً بھی سوائے ضرر کے فائدہ کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ بعض لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ اس سے بلغم خارج ہوتی یا قبض رفع ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ سو تجربہ کرنیوالوں کا بیان ہے کہ یہ سب غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ ورنہ دراصل جتنی بلغم خارج کرتا ہے۔ اس سے کئی حصے زائد پیدا کر دیتا ہے۔ اور رفع قبض کیلئے ایک خاص وضع اور ہیئت سے بیٹھ کر پیتے ہیں۔ پس اس خاص نشست کو رفع قبض کا موجب سمجھنا چاہئے نہ کہ حقہ کو؟ بالفرض اگر اسمیں کچھ فوائد ہوں بھی جب بھی مرد ذاکر و شاغل کو تو اس سے پرہیز لازم ہے۔ کیونکہ اسمیں ایک خاص قسم کی بدبو ہے۔ جو پینے والوں کے منہ سے آنے لگتی ہے۔ ذاکرین کے پاس چونکہ ارواح مقدسہ اور ملائکہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور انکو بدبو سے سخت نفرت ہے۔ پس سالک ذاکر کی کامیابی اور ترقی میں حرج ہوتا ہے۔ اسیواسطے اولیائے کرام اس سے الگ رہتے ہیں۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہانتک ممانعت کردی کہ کچا لہسن اور پیاز وغیرہ بودار اشیا کھا کر بھی میری مسجد کے قریب نہ آؤ۔ چونکہ آپ بھی گروہ اولیا میں سے تھے۔ اور اتباع نبوی کے دلدادہ پس آپ بھی حقہ سے نفرت فرماتے تھے یہانتک کہ اولاد کے لئے بھی ممانعت فرما گئے۔

آپکو **نسبت بیعت** تو بظاہر اپنے تایا شاہ کمال اللہ اور بباطن میر ایوب بدخشی رح سے حاصل ہو چکی تھی۔ انہی حضرات کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت کی برکت تھی۔ کہ آپ تمام اوصاف درویشی سے مزین اور متصف تھے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ سلوک نقشبندیہ کو بھی بہ احسن وجوہ طے فرما چکے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی آپکے درجات کی ترقی اور مقامات کی تکمیل اور بھی منظور تھی پس اسنے اپنی قدرت کاملہ سے قطب زماں حضرت **خواجہ عبد الواحد روسی مدنی** رح کو ۱۱۵۷ھ میں مدینہ منورہ سے قصبہ مہم میں بھیجدیا جو کہ محلہ کی مسجد میں آکر فروکش ہوئے۔ اہل محلہ نے عام مسافرانہ شانہ سمجھ کر ما حضر سے تواضع کی۔ مگر آپ سب کچھ لیکر رکھتے گئے۔ ایک لقمہ بھی

شامل نہ فرمایا۔ اتنے میں حضرت شاہ عبدالحکیم صاحب بھی باجرہ کی کھچڑی لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے بلا تامل اس کو نوش فرما لیا۔ اور کہا کہ یہ کھانا البتہ ہمارے کھانے کے قابل تھا۔ ورنہ اس سے پہلے جو طعام تمہارے محلہ سے آیا ہے۔ وہ بدستور رکھا ہے۔ ہم نے نہیں کھایا۔ آپنے عرض کیا کہ غریب خانہ پر ہی تشریف لے چلیں تو بہتر ہے۔ یہیں روکھا سوکھا طعام جناب کی خدمت میں حاضر کر دیا کروں گا۔ فرمایا بہت اچھا۔ مگر تمہارے مکان کے تو دو رستے ہیں۔ کونسے رستے سے لیچلوگے۔ اندرونی سے یا بیرونی سے۔ آپ نے عرض کیا کہ جس رستہ کو آپ پسند فرمائیں۔ اودھر ہی سے لیچلوں۔ فرمایا۔ باہر ہی کی طرف سے جانا بہتر ہے۔ پس آپ بیرونی رستہ سے تشریف لیگئے۔ اور تہ خانہ میں قیام فرمایا۔ جب لوگوں کو آپکے قیام کی اطلاع ہوئی۔ تو جوق جوق آنے شروع ہوئے۔ ایک روز محلہ کی مختلف عورتوں کا بھی تہ خانہ کے اوپر والے مکان میں مجمع ہو گیا۔ تو فرمایا کہ مجھے اس مجمع سے شرک کی بو آتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ پس فوراً آپ نے سب عورتوں کو وہاں سے رخصت کر دیا۔

خواجہ ممدوح بڑے باکمال بزرگ تھے۔ عبدالواحد آپ کا نام تھا۔ اور **قطب واحد** آپ کا مقام۔ جو اپنے زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے اثنائے قیام میں آپ سے بہت سے خوارق اور **کرامات** کا صدور ہوا۔ منجملہ ان کے ایک مرتبہ ایک نیکدل بی بی نے جسکو آپ نے زیارت نبوی کیلئے وظیفہ بتایا تھا۔ اور وہ پہلی مرتبہ حقہ نوشی کے سبب دولت دیدار سے محروم رہکر دوبارہ کامیاب ہوئی تھی۔ آپ کے واسطے کھانا بھیجا جب شاہ صاحب لیکر خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مردار ہمارے واسطے کہاں سے لے آئے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ تو کھانا ہے جو فلاں بی بی نے بھیجا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ذرا سرپوش تو اٹھا کر دیکھو۔ دیکھا تو برتن میں چاولوں کے بجائے کیڑے کلبلا رہے تھے۔ آپ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا؟ فرمایا کہ اس عورت نے اپنا

روپیہ تجارت کیلئے مہاجن کو دے رکھا ہے۔ اس کا سود اسمیں شامل ہے۔ لہذا یہ کھانا ہمارے کھانے کے قابل نہیں۔

مسئلہ جو شخص سودی لین دین کرتا ہو۔ اسکو اپنا روپیہ تجارت کیلئے دینا شرعاً جائز نہیں۔ اگر روپے کا مالک اپنے روپیہ کا سود نہ بھی لے۔ جب بھی معصیت کی اعانت تو ہوئی۔ اور جرم کی اعانت بھی جرم ہوتی ہے۔ لہذا بنکوں میں اور مہاجنوں کے پاس روپیہ جمع کرانے سے مسلمانوں کو احتیاط اور پرہیز لازم ہے۔

شاہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ اوّل اوّل کسیکو بیعت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ہر طرح اسکے اہل اور جمیع سلاسل میں مجاز و مستفاض تھے۔ چنانچہ سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ میں **سید احمدؒ** اور **سید الہ دیاؒ** صاحبان آپ کے استاد بھی تھے۔ اور پیر صحبت بھی۔ اسی طرح حضرت **جان محمدؒ** اور شیخ **الہ داد حسینؒ** قصوری سے بھی آپکو اجازۃ اور استفاضہ حاصل تھا۔ مگر جب قطب واحد کی صحبت کا رنگ چڑھا اور آپ نے بیعت کے واسطے خاص طور پر ارشاد فرمایا تو کئی طالبانِ حق کو آپنے مرید کیا اور دولتِ سرمدی سے مالا مال فرمایا۔ چنانچہ منجملہ خلفائے آنجناب ایک خلیفہ کا مرقد ابتک بمقام **جنید** زیارتگاہِ خاص و عام ہے۔ مگر آپکے سلسلہ کا اجرا آپکے پوتے شاہ محمد رمضان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ہوا۔ جن کے نامِ نامی سے کتاب ہذا معنون و موسوم کی گئی ہے۔ اور جنکو ہریانہ دیس کا مصلح اور ریفارمر کہا گیا ہے۔ یعنی جناب مولوی شاہ عبدالحکیمؒ سے سند خلافت و اجازۃ عطا ہوئی آپکے فرزند رشید شاہ عبدالعظیم مجذوب سالک کو اور اُن سے اُن کے فرزند ارجمند حضرت **شاہ محمد رمضانؒ** کو سند معہ اجازت طریق نقشبندیہ کی عنایت ہوئی اور اُن سے قاری محمد بیگ صاحبؒ دہلوی کو۔ قاری صاحب سے جناب والد بزرگوار شاہ عبدالغنیؒ سجادہ نشین کو اور اُن سے اس خاکسار **فقیر مؤلف** کو۔

علاوہ ازیں حضرت نانا صاحب شاہ محمد رمضانؒ کو جناب ممدوح سے بلاواسطہ بھی فیض

پھونچا ہے۔ جس کی کیفیت یوں ہے۔ کہ آپکی عمر چار برس کی تھی۔ جبکہ جناب ممدوح نے عین سفر آخرت کے وقت آپکو اپنے پاس بلا کر سرہانے کھڑا کر لیا۔ پانچوں کلمے پڑھائے۔ چند ابیات عقائد کی یاد کرائیں۔ پھر آنکھوں سے آنکھیں ملا کر نظروں ہی نظروں میں کچھ سے کچھ کر دیا بقول شاعر ؎

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو گئے

پھر فرمایا کہ بیٹا تم بڑے صاحبِ کمال اور صاحب رتبہ ہو گے۔ یہ لو اپنا حصہ اور اپنے باپ کا بھی حصہ۔ حضرت شاہ محمد رمضانؒ ہمیشہ اِن الفاظ کو یاد کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ دراصل سب کچھ حضرت دادا صاحب شاہ عبدالحکیمؒ کی آنکھوں کا صدقہ ہے۔ سبحان اللہ آپکی چار برس کی عمر دیکھو اور اس ذہانت اور حافظہ کو خیال کرو۔ تو آپ کی کرامت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس مثل کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ "پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں"۔ بقول سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

جب حضرت قطب واحد آپ کو جمیع سلاسل کی اجازت اور روشن حکیم کا معزز لقب عطا فرما کر مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے۔ تو اب آپ نے اولیائے کرام کے مزارات سے استفاضہ شروع کیا۔ اگرچہ یہ زمانہ بہت ہی بدامنی اور خوف کا تھا۔ رستے غیر محفوظ۔ اکیلے دکیلے کا سفر کرنا دشوار بلکہ موجب ہلاکت تھا۔ لیکن آپ کے ارادوں کو کوئی خوف و ہراس متزلزل نہ کر سکا۔ جہاں کہیں بھی کسی بزرگ کا عرس ہوتا تھا۔ خواہ دور ہو یا نزدیک برابر پھونچتے تھے۔ اور کسب انوار و فیوض سے دامنِ مقصود کو بھرتے تھے۔ ہانسی میں شاہ قطب جمالؒ۔ لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ۔ دہلی میں محبوب الٰہی سلطان نظام الدینؒ۔ اور انکے مایۂ ناز خلیفہ شاہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ۔ کلیر میں مخدوم علاؤالدینؒ احمد صابر۔ اور پاکپٹن میں بابا فریدؒ شکر گنج۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین حسنؒ ہندالولی غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی بزرگ کا عرس ہوتا ہو اور آپ اُس میں شامل و شریک نہ ہوتے ہوں

اور یہی طلب و مجاہدہ آپکی ترقی درجات اور افزونی برکات کا باعث ہوا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً صدورِ کرامات سے ہوتا رہا۔ مثلاً ایک مرتبہ قصبہ مہم میں ایک قافلہ وارد ہوا آپ تقریباً پانچ سیر پختہ بھنے ہوئے چنے لیکر قافلہ میں پھونچے۔ اور دریافت کیا کہ آپ لوگوں میں کوئی سیدزادہ بھی ہے۔ اہل قافلہ نے کہا کہ ایک لڑکا عبدالعظیم نام ہے تو سہی جو آپکو سیدزادہ بتلاتا ہے۔ پس آپ اس کے پاس پھونچے۔ اور کہا کہ میاں صاحبزادے۔ یہ بھنے ہوئے چنے ہماری طرف سے ہدیۃً قبول کیجئے۔ اس نے انکار کیا۔ کہ مجھے پکا پکایا کھانا دونوں وقت قافلہ سے ملجاتا ہے۔ اس بوجھ کو کیوں پلے باندھوں۔ آپ نے بمنت کہا۔ کہ یہ فقیرانہ ہدیہ ہے قبول کر لیجئے۔ کہیں کام آئیگا۔ آخر اس نے لے لیا جب وہاں سے کوچ کر کے قافلہ اگلی منزل کو ہانسی کی طرف جا رہا تھا۔ موضع منڈھال کے قریب قزاقوں نے لوٹ لیا۔ اہل قافلہ ایک پختہ گڑھی میں پناہ گزیں ہوئے۔ چونکہ قزاقوں کا کھٹکا ابھی باقی تھا۔ پس گڑھی کا دروازہ بند کر کے گویا قافلہ والے قلعہ نشین ہو بیٹھے۔ اب باہر کی آمد رفت اور رسد طعام وغیرہ کا کوئی انتظام نہ رہا۔ جب فاقوں کی نوبت پھونچی تو یہی سیدزادہ کے بھنے ہوئے چنے کام آئے۔ حضرت کی طرف سے گویا سارے قافلہ کی مہمانی ہو گئی۔ اور اہل قافلہ سیدزادہ کے مرہون احسان ہو گئے۔ جس سے اس کی توقیر اور عظمت سب کی نظروں میں زیادہ ہو گئی۔ چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار۔ سچ ہے ؎

ہر چہ او کرد راز مطلق دان
ہر چہ او گفت گفتۂ حق دان

کرامت۔ حضرت شاہ عبدالعظیم لاہوری ثم پانی پتی اپنی کتاب مصباح السالکین میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا شاہ عبدالحکیمؒ مہمی سے میری ملاقات اول ہانسی میں ہوئی۔ شاہ قطب جمال ہانسوی کے مزار پر آپ نے مجھے آیۃ وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ کا عمل باجازتِ خاص ارشاد فرمایا جسکی برکت سے میں نے پہلی مرتبہ زیارت و حضوری نبوی کا شرف پایا۔

کرامت مظہرِ علوِ مرتبت - آپ کا ایک مرید جو بیوپاریوں میں سے تھا جب بہ ارادۂ حج حرمین الشریفین میں پہونچا - تو ہر دو مقامات پر کئی مرتبہ ایسا ہوا - کہ جب نماز میں وہ دائیں طرف کا سلام پھیرتا - تو قریب ہی آپکو بیٹھے ہوئے دیکھتا جب وہ بائیں طرف کا سلام پھیر کر بیتابانہ آپ کی قدمبوسی کو دوڑتا - تو آپ کی جگہ خالی پاتا - حیران ہوکر اہل قافلہ سے جو بعض آپ کے مقتدی تھے - ان سے ذکر کیا - ان میں سے بعض جو آپ کے مرتبہ سے واقف تھے - کہنے لگے کہ یہ ولی اللہ ہیں - فرض نمازیں ہمیشہ حرمین الشریفین میں پڑھتے ہیں اور سنن ونوافل گھر پہ حج سے واپس آکر وہ سوداگر بمبئی میں آپ کے پاس حاضر ہوا - اور بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے - وہ اس ماجرے کا تذکرہ کرنے ہی لگا تھا کہ آپ نے فرمایا - خاموش - زبان مت کھولو - کسی کے بھیدوں کو ظاہر کرکے اس کو رسوا کرنا اچھا نہیں - اللہ رے کسرِ نفسی -

ایضاً ایک مرتبہ شاہ کمال اللہؒ کی خانقاہ کے قریب کسی جاٹ کی بھینس کھڑی تھی - وہیں اسنے گوبر کردیا - آپ کے فرزند کم عمر شاہ عبد العظیم وہاں موجود تھے - انکو اپنے بزرگوں کی یہ بے ادبی دیکھکر برداشت نہ ہوئی - طیش میں آکر کہنے لگے "کمبخت مر نہ گئی" - اللہ کی شان آپ کا یہ کہنا تھا کہ بھینس نے وہیں تڑپ کر جان دیدی ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ؎ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

بھینس والے نے آکر مولانا صاحب کی خدمت میں شکایت کی - آپ نے بیٹے کو بلاکر پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ انہوں نے بلا تامل جواب دیا - کہ اسنے بھی تو خانقاہ شریف کی بے ادبی کی تھی - وہاں گوبر کردیا تھا - اگر آپ کا ارشاد ہو تو اب اس کو کہدوں کہ کھڑی ہوجا - یہ الفاظ سنتے ہی آپ نے اپنا لعابِ دہن بیٹے کی زبان پر مل دیا - اسیوقت ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی - رال منہ سے بہنے لگی عمر بھر مجذوب ہی رہے - گویا آپ نے کبھی نہ بھرنے والے ایک خُم (مٹکے) کے منہ پر ایسی مہر لگادی - جس سے مٹکے کے اندر

تو سب کچھ جا سکے - مگر باہر کچھ نہ نکل سکے - دوہا -

دیکھیں بات اگم کی کہیں نہ منہ سے کا ؎ جو کچھ دیکھیں نین سے جیو میں لین سما

اس واقعہ سے اہل نظر آپ کے مقام و مرتبہ کا حال بخوبی معلوم کر سکتے ہیں - کہ آپ صرف اپنی ذات ہی میں کامل نہ تھے - بلکہ مکمل یعنی دوسروں کو بھی جیسا چاہیں ویسا بنادینے کی قابلیت رکھتے تھے - ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ جب ہی تو بیٹے کو آن کی آن میں مجذوب بنادیا - گو بظاہر بگاڑ دیا - مگر دراصل سنوار دیا ؎

وہ از خود رفتہ کرتے ہیں جسے جلوہ دکھاتے ہیں ؎ بگاڑا جسکو کرتے ہیں اُسے اپنا بناتے ہیں

کرامت اِن بتوں کی کیا کہوں تجھسے میں اے واعظ ؎ جسے آنکھیں دکھاتے ہیں اُسی بیخود بناتے ہیں

اگر آپ ایسا نہ کرتے تو ضرور ایک نہ ایکدن منصور اور شمس تبریز کا رنگ ظاہر ہوتا جس سے ایک طرف تو دفترِ شریعت میں تزلزل پڑتا اور دوسری طرف شاہ عبد العظیم صاحب پر کم حوصلگی اور عدم ضبط کا الزام لگتا - پس آپ نے دونوں فتنوں کا سدِّ باب کردیا -

اور بھی بے شمار کرامات آپ کی زبانِ زد خلائق ہیں - مگر چونکہ صاحب کرامت کی عظمت اور مرتبت ظاہر ہونے کے سوا طالبین و سالکین کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا - اور یہ فائدہ بفضلہ ان چند کرامات کے بیان سے ظاہر ہے - لہذا مزید کرامات کے تذکرہ کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے -

آپ کی **وفات** ماہ جمادی الثانی کی بیسویں تاریخ ۱۱۸۷ھ کو دوشنبہ کے دن بعارضہ بخار واقع ہوئی - اور مدفن پائیں مزار شاہ لطف اللہ والدِ ماجدِ خود اندرونِ مقبرہ زیر حویلی واقعہ سہم قرار پایا - آپکی کئی ایک **تصانیف** کا بھی پتہ چلتا ہے - مگر چونکہ وہ زمانہ بادشاہ گردی کا زمانہ تھا - ایک طرف سکھوں کی لوٹ کھسوٹ دوسری طرف غدر ۱۸۵۷ء کی آفت اوپر سے ایک ہولناک آتش زدگی واقع ہوئی - پس بہت سی تصانیف کا نام ہی نام رہ گیا وجود کا پتہ نہیں - منجملہ ان کے ایک نسخہ

کمالِ ایوبیؒ تھا جسمیں حضرت شاہ کمال اللہ اور میر ایوب بدخشی کے حالات و مقالات درج تھے (۲) قطعہ تاریخ وفات شاہ کمال اللہؒ جو ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے۔ (۳) رسالہ علم الفرائض فارسی (۴) خواب نامہ (۵) جہیز نامہ (۶) مدح حضرت غوث الثقلین (۷) مدح خواجہ غریب نواز وغیرہ جنکے مضامین خود اُن کے ناموں سے ظاہر ہیں۔ اور مدح خواجہ غریب نوازؒ بطور نمونہ کلام و بغرض تفریح طبع ناظرین مندرجہ ذیل ہے۔

مدح خواجہ غریب نواز از حضرت حسن سنجری اجمیریؒ

برملکِ ہند والی و در دین پروری	شد خواجہ معین الدین حسن سنجری
آں سیدِ حسینی و قطب و ولی حق	برکافرانِ ہند زدہ سیفِ حیدری
نائب جناب نسبتِ قلبیہ چشتیہ	از ادیہ و زیدیہ حسینیہ حیدری
حنفیہ ہست مذہب و حیلی توطناً	در حسب ہست چشتیہ در نسب جعفری
عالم نجات یافتہ از جذب نظر او	مسلم بسے شدند چو کفار خیبری
آں راجہ ہنود دیہورا بدشمنش	پامال در جلال قدر شد ز مدبری
آں جن نام شادی جیپال جوگیا	آں دوستش مسلم بہستند دلبری
او ہست مہر و ماہ بدینِ محمدی	خلفائے او بمثل ستارہ برہبری
چوں قطب قطب دیں فرید قطب جمال	حضرت نظام دین بدہلی بسروری
حضرت نصیر الدین کہ شدہ قطب و خضر دین	خسرو کہ بود مظہر حق در سخنوری
تا حال نائبانش در ملک حاضر اند	ہر یک کنند حکم رواں خود بداوری
اے خواجہ بزرگ بوصفِ تو عاجزم	روح تو نور مطلق در بدنِ عنصری
سلطانِ عاشقانی ز عُبّاد عارفاں	ہند الولی و نائب حضرت پیمبری
اہل سما و عرش و خلقت تمام ملک	تحسین ترا کنند ز تحسینِ تو برتری

مجرم ہنود عاصی و مسلم تمام خلق	بہرِ نجات خویش بروے تو مشتری
در ہفت بحر عشق شناور نمودہٗ	از خاصگان مخلصہ اللہ اکبری
با دولتِ وصالِ ایمان مشرف اند	از یک نگاہِ مہر تو صد ملک کافری
اندر روئے پاک بارش انوار میشود	وقتیکہ در عبادت آئی بخیمہ شتری
عبد الحکیم مہمی طاقت چہ آورد	در مدح ذات پاکِ تو گوید بہ بہتری
لیکن بدیں وسیلہ بہ ملکِ تو آمدہ ام	تا مہر و کرم کردہ بریں بندہ بنگری
بر بندہ گر توجہ نمائی عجب نیست	فیض تو عام باشد مطلق بہر سری

اولاد۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ سب سے بڑے حاجی شاہ مبارک جنکے ایک فرزند میاں غلام کھمن حج کو گئے ہوئے واپس نہیں آئے۔ مگر میاں ابراہیم بن غلام کھمن کی اولاد او راحفاد بفضلہٖ ابتک موجود ہے۔ (۲) ان سے چھوٹے شاہ عبد العظیم صاحب جن کا مجمل احوال بیان ہو چکا۔ اور مفصل حالات آئندہ تحریر ہونگے۔ (۳) شیخ نور صاحب جو شربتِ شہادت سے شیریں کام ہوئے۔ صاحبِ تاثیر اور کمال میں اپنے نظیر تھے۔ باعثِ شہادت یہ ہوا۔ کہ موضع بہلیہ سے جاٹوں کی دھاڑ قصبہ مہم پر چڑھ آئی۔ باشندگانِ قصبہ مقابلہ کیلئے میدان میں نکلے۔ آپ انکے ہمراہ بیرون قصبہ تشریف لیگئے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ حاجی نور محمد کاہنوری بروایتِ حضرت شاہ محمد رمضانؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس لڑائی میں زخم شدید آپکو پہونچے۔ جن سے بے انتہا خون جاری تھا۔ اور زبان مبارک سے کلمۂ شہادت رواں۔ اسی حالت میں مرغ روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپکی معمولہ عبادت کیلئے ایک بالاخانہ مخصوص تھا جسکو اچھوتا کوٹھا کہتے تھے۔ آپکی شہادت کے بعد بھی اس کوٹھے کی تاثیر و کرامت ظاہر تھی کہ کوئی شخص ناپاک تو کیا بے وضو بھی اس کے اندر نہ جا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ضرور

خاکروب کو اُسپر چڑھا دیا۔ جونہی وہ اوپر پہونچا۔ اس کو ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا کسی نے اس کو پکڑ کر نیچے اتار دیا۔ بظاہر بھی سب نے اسکو نیچے ہی اُترا ہوا پایا۔ آپ نے آخرِ دم تک تجرّد اور تفرّد ہی کو اختیار رکھا۔ اور اپنے خالق و مالک ہی کے ساتھ تعلق کافی سمجھا جو ہمیشہ باقی اور قائم رہنے والا ہے (۴) سب سے چھوٹے بیٹے شاہ عبدالحکیم تھے۔ جو کمسنی ہی میں وفات پا گئے۔ اور دنیاوی جھمیلوں میں اُلجھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ پاک گئے اور بے باک گئے۔

تذکرہ حضرت شاہ عبدالعظیم مجذوب سالک رحمۃ اللہ علیہ

اوپر مرقوم ہو چکا ہے کہ آپ اپنے والد ماجدؒ کے تصرف کی برکت سے مجذوب ہو گئے تھے۔ مجذوبوں کی برکات تو عالم میں ظہور کیا کرتی ہیں۔ مگر ظاہری فیض ان سے اہلِ عالم کو کم ہوتا ہے کیونکہ انکو اسرار و انوار کے دیکھ لینے اور جذب وضبط کر لینے کا حکم ہوتا ہے زبان تک لانے اور آشکارا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسیواسطے انکو مجذوب کہا جاتا ہے۔ لفظ مجذوب بمعنی جاذب ہے اپنے اصلی یعنی مفعولی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا یا یوں کہو کہ انکے حواس خمسہ کو صرف تجلیات و انوار الہیٰ کے شہود و ورود میں جذب کر لیا جاتا ہے۔ کہ ہر وقت وہ اسرار و انوار لاہوتی کے مشاہدہ و مطالعہ میں لگے رہتے ہیں۔ دنیاوی ضرورتوں کے احساس و ادراک کے قابل نہیں رہتے۔

غرض مجذوبیت بھی محکمۂ روحانی کا ایک ممتاز عہدہ ہے۔ اور اس کے بھی مدارج مختلف ہیں یعنی بعض مجذوب تو وہبیؔ ہوتے ہیں اور بعض کسبیؔ۔ ان میں سے بعضے بالکل دنیا و ما فیہا سے بے خبر۔ نہ ستر بے ستر کا خیال نہ بھوک پیاس کی پرواہ۔ یہ لوگ مرفوع القلم ہوتے ہیں حدودِ شرعی سے آزاد بعضوں پر کسی خاص وقت یا خاص حالت میں جذب کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی ہے۔ یا صرف اسرار و انوار کے بارہ میں مجذوب ہوتے ہیں

ورنہ سب حالتوں میں اکثر دنیاوی ضرورتوں اور بشری حاجتوں کا بھی احساس ان میں ہوتا ہے۔ ایسے مجذوب کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ آپ اسی قسم کے مجذوب تھے۔ یعنی بقدرِ ضرورت کھانے پینے اور پہننے کے بھی محتاج تھے۔ اور دیگر خواصِ انسانی بھی آپ میں پائے جاتے تھے۔ آپ کے ہاں اولاد بھی تھی اور احکامِ شرعیہ کے بھی پابند تھے۔ مگر نہ کسیکو آپنے مُرید کیا۔ اور نہ کسیکو اجازت و خلافت بخشی۔ مجذوبوں کا یہی وہ فیض ہے۔ جس سے اہلِ عالم اکثر محروم رہتے ہیں۔ ورنہ اور سب طرح ان کے وجود کی برکات سے دنیا فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اسیطرح آپ کے وجود باجود سے بھی دنیا مستفیض ہوئی۔ بے شمار **کرامات** آپکی زبانِ زد خلائق ہیں۔ پس آپ کے حالات و مقالات میں انہی خوارق عادات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ ان لوگوں کا وجود بھی کس قدر خیر و برکت کا باعث ہے۔

کھاری کنوئیں کا میٹھا ہونا

آپ کی منجملہ کرامات ایک بڑی کرامت یہ تھی کہ جس کھاری کنوئیں میں اپنا لعاب دہن ڈالدیتے تھے۔ اس کا پانی میٹھا اور شیریں ہو جاتا تھا۔ چنانچہ **جامع مسجد رہتک** کا کنواں ابتک اس تاثیر و کرامت کی شہادت دے رہا ہے۔ روہتک میں موضع **لہلی** کے مسلمان رانگھڑ راجپوت آپکو اپنے گاؤں میں لیگئے۔ جہاں لے دے کر صرف ایک ہی کنواں تھا۔ اور وہ بھی کھاری۔ سب نے ملکر آپ سے التجا کی۔ کہ اس کنوئیں پر اپنی کرامت کا اظہار فرمائیں۔ آپ نے ایک گڑ کی بھیلی منگوائی۔ اور اس میں سے تھوڑا سا گڑ کھا کر اپنے لعاب دہن کو میٹھا کر لیا۔ اور پھر کنوئیں کے اندر تھوک کر حکم دیا۔ کہ چھ ماہ تک اس کو بند رکھو۔ پھر کام میں لاؤ۔ حسب الارشاد جب چھ ماہ کے بعد اسکو کھولا تو پانی میٹھا پایا۔ مگر آپ کو چونکہ تمباکو سے سخت نفرت تھی بلکہ تمباکو کو نپاکو فرمایا کرتے تھے۔ لہذا یہ بھی شرط لگادی۔ کہ

اس کنوئیں کے پانی سے کبھی تمباکو کی کاشت نکرنا۔ ورنہ پھر یہ کھاری بلکہ کڑوا ہو جائیگا۔ خدا کی قدرت ایک مرتبہ اسی گاؤں کے پیرزادہ صاحب حسب معمول وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے دستور کے موافق اپنے نذرانہ میں تمباکو بھی طلب کیا۔ لوگوں نے عذر کیا۔ کہ اب تو گاؤں بھر میں تمباکو کی کاشت ہی نہیں۔ اور پھر سارا قصّہ بیان کیا۔ وہ کہنے لگے۔ اُمہم کے شیخڑے یونہی کہتے پھرا کرتے ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں تم بلا کھٹکے تمباکو کی کاشت کرو۔ لوگوں کو بھی جرأت ہو گئی۔ تمباکو کو بو دیا۔ جب پانی دینے کی نوبت آئی تو پہلے ہی ڈول کا پانی پہلے سے بھی زیادہ کھاری نکلا۔ پیرزادہ صاحب بہت نادم ہوئے۔ گاؤں والے پھر دوڑے دوڑے مہم آئے۔ آپ نے دور ہی سے انکو دیکھ کر فرمایا۔ کہ جاؤ۔ جاؤ۔ ہم تو مہم کے شیخڑے ہیں اسی کے پاس جاؤ۔ **ترک کے کو تکڑے کے پاس**۔ آخر انہوں نے آپکے بڑے صاحبزادہ شاہ محمدؒ رمضان صاحب کی خدمت میں ماجرا بیان کیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ اچھا تم چلو۔ میں حضرت کو لیکر آتا ہوں۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو آپ کے پاس جاکر عرض کیا۔ کہ سُنا ہے حضور نے موضع لاہلی میں کوئی کنواں میٹھا کیا تھا۔ مجھے بھی تو دکھایا ہوتا۔ فرمایا کہ اب کیا دکھائیں۔ گاؤں والوں نے تو تمباکو کیلئے اس کی آب کشی کر کے اس کی مٹھاس کو کھو دیا خیر اب بھی تم دیکھنا چاہتے ہو۔ تو چلو تمہیں دکھائیں۔ فوراً گاڑی منگوائی۔ اور باپ بیٹا دونوں سوار ہو گاؤں میں پہونچے۔ جب کنوئیں پر آئے تو لوگوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا۔ معافی مانگی آئندہ کیلئے تعمیل حکم کا عہد کیا۔ تو آپ نے پھر وہی عمل کیا چھ ماہ کے بعد کھولا۔ تو پانی میٹھا نکلا۔ حضرت والدؒ ماجد فرماتے تھے۔ کہ چالیس سال کے بعد کسی نے پھر وہاں تمباکو کی کاشت شروع کر دی۔ اور پانی پھر کھاری ہو گیا۔ چنانچہ ابتک ملاحت باقی ہے والد فرماتے تھے کہ اس طرح کُل تیرہ ۱۳ کنوئیں آپکی توجہ کی برکت سے شیریں ہوئے۔

قوتِ تصرفانہ جب عموی مولوی عبد السمیع صاحب تولد ہوئے۔ تو حضرت جدّ امجدؒ انکو لیکر آپ کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ آپکے ہاں پوتا ہوا ہے۔ آپ نے دہانِ مبارک کا لعاب پوتے کے مُنہ کو لگادیا۔ اور انکو بھی مجذوب بنا دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی باذن الٰہی متصرف اور مختار تھے۔

اعانتِ درویشانہ نواب فیض محمد خاں والی جھجر کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ کسی مرہٹہ سردار نے مقام رہتک پر مورچہ لگادیا۔ نواب صاحب نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ کیا حکم ہے۔ آیا مقابلہ کروں یا نہ کروں۔ فرمایا کہ میں تو سو پوتھی پڑھ کر بھول گیا۔ البتہ تیرے واسطے عالمِ غیب سے اجازت مانگتا ہوں۔ دیکھیں کیا حکم ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپنے اپنے رومال کو گرہ دیکر گوش مبارک سے لگایا۔ اور فرمایا کہ مقابلہ کرو۔ اور ہمیں بھی نوکر رکھ لو۔ اسنے پوچھا کہ آپ نوکری پیدلوں میں کرینگے یا سواروں میں۔ فرمایا کہ پیدلوں میں۔ نواب نے کہا بہت بہتر۔ جب لشکر مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ تو آپ بھی تشریف لیگئے۔ عین مقابلہ کے وقت آپ تمام لشکر کے پیچھے دونوں لشکروں کی طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ اور سامنے ایک پکّی اینٹ کھڑی کرلی۔ اُدھر طرفین میں توپیں چلنے لگیں۔ ادھر آپ نے کھڑی اینٹ پر دوسری اینٹ بطور نشانہ مارنی شروع کی۔ چند مرتبہ نشانہ کرنے کے بعد کھڑی اینٹ کو گرادیا۔ اور اس کے گرتے ہی آپ نے پُکارا **وہ مارا۔ وہ مارا**۔ ادھر آپ کا فرمانا تھا۔ اور اُدھر مرہٹہ سردار کے گولہ لگنا۔ اور اس کی فوج کا بھاگنا۔ نواب فیض محمدؐ خاں مظفرؐ و منصور واپس آیا۔ اور آپ نے اس شعر کے مضمون کو سچ کر دکھایا ؎

ہر آنکہ استعانت بدرویش بُرد ؛ اگر بر فریدون رود بیش بُرد

جب کبھی بارش کھچ جاتی تھی تو لوگ آپ کے پاس دعا کیلئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ دلیا یا کھیر پکانے کا حکم دیتے۔ مُرنڈ نام تالاب جو مہم میں واقع ہے۔ اس میں کڑھاؤ چڑھایا جاتا۔ جب وہ پکنے لگتا۔ تو آپ تالاب کے چبوترہ پر عین دھوپ میں بچّوں کو ساتھ لیکر پکارتے **دلیا پکے کھیل کھیل۔ مینہ برسے جھیل جھیل اللہ میاں**

...ے۔ بچے بھی اسی طرح آپ کے ساتھ کہتے جاتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ یا تو بادل کا کہیں نام و نشاں نہیں۔ یا آن کی آن میں کسی جانب سے ایسا بادل اُٹھا کہ جل تھل ہو گئی کڑھاؤ کا تالاب کے اندر سے نکالنا مشکل ہو گیا۔

کچھ دنوں آپ کا یہ معمول رہا۔ کہ کسی قسم کا ہدیہ کہیں سے آتا۔ تو آپ حسب معمولِ قدیم سب حاضرینِ مجلس میں اس کو تقسیم فرما کر ایک حصہ علیحدہ رکھ لیتے۔ اگر کوئی پوچھتا۔ کہ حضرت یہ کس کا حصہ ہے؟ تو فرماتے کہ "اُمیر خاں کا" امیر خاں ان دنوں ایک مسلح ڈاکو تھا جس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ بعد میں سرکار انگریزی کی عنایت سے وہ ٹونک کا نواب ہو گیا۔ جسکی اولاد ابتک وہاں حکمراں ہے۔ غرض امیر خاں کا نام سُنکر لوگ پوچھتے کہ یا حضرت۔ کیا آپ اسکو یہاں سہم میں بلائینگے۔ آپ جواب دیتے کہ ہاں وہ آئیگا تو سہی۔ چنانچہ چند روز بعد سچ مچ امیر خاں کے لشکر نے مہم کے باہر خیمے آلگائے۔ طرفہ مصیبت یہ ہوئی کہ اگلا دن تھا دسہرہ کا۔ اور اس کے لشکر کا سردار تھا ہندو مرہٹہ۔ جس کا یہ دستور تھا کہ دسہرہ کے دن جہاں کہیں وہ قیام کرتا وہاں اپنے لشکر کو لوٹ مار کی اجازت دیدیتا۔ مگر **قدمِ درویشاں ردِّ بلا** مشہور ہے۔ امیر خاں نے یہاں پہونچتے ہی سپہ سالار کو کہلا بھیجا۔ کہ اس شہر کو نہ لوٹا جائے۔ کیونکہ یہ بڑے باکمال بزرگوں کا مسکن ہے۔ یہاں حضرت شاہ محمد رمضان اور اُن کے والد بزرگوار رہتے ہیں۔ اور میں آج اُنکی قدمبوسی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ چوبدار کی معرفت خدمت بابرکت میں کہلا بھیجا۔ کہ حضور کی قدمبوسی کا اشتیاق ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اگر خود حاضر ہوتا ہوں۔ تو آپ کے شہر کے لُٹ جانیکا اندیشہ ہے۔ جو مجھے گوارا نہیں۔ پس اگر آپ ہی کیمپ تک قدم رنجہ فرمائیں تو عین مصلحت اور بندہ نوازی ہے۔ اس کے جواب میں شاہ محمد رمضان صاحب نے تو صاف ہی کہدیا۔ کہ نہ تمہارے آنیکی ضرورت ہے۔ کہ اس سے شہر کے مال و جان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ اور نہ میرے آنیکی حاجت ہے۔ کہ اس سے مجھے دین و ایمان کا نقصان نظر آتا ہے۔ چونکہ ہر دو نقصان ناقابلِ تلافی ہیں۔ لہذا ہم دونوں قابلِ معافی ہیں۔ مگر اپنے والد ماجد کو خبر کردی۔ کہ آپ امیر خاں کو بلایا کرتے تھے۔ اب وہ آگیا ہے کیا آپ ملاقات کریں گے؟ فرمایا۔ کہ ہاں بھئی۔ ہم نے تو اسکو بلایا ہے۔ ضرور ملیں گے چنانچہ کیمپ میں تشریف لیگئے۔ اور جا کر کہنے لگے۔ کہ اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ کہ بہت جلد یہاں سے کوچ کر دو۔ ورنہ سارا شہر لُٹ جائیگا اور تُم پر آفت آئیگی۔ پس وہ اُسی دم لشکر کو لیکر کوچ کر گیا۔

مقام جھجھر محلہ چودھریان میں ایک پٹھانی بیوہ نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ میرے نکاح کی رات تو آپ ہماری مسجد میں مقیم تھے۔ ہنگامۂ شادی میں آپکو کھانا کھلانا کسیکے یاد نہ رہا۔ آدھی رات کے وقت جب برات چڑھی اور باجا بجنے لگا۔ تو آپنے باجہ کی آواز سُنکر فرمایا۔ کہ یہ تو اس طرح بجتا ہے جس طرح ماتم کا ہوتا ہے۔ پس صبح ہوتے ہی میرا خاوند مر گیا۔ اور میں آجتک رانڈ بیٹھی ہوں۔ اللہ اکبر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شادی اور بربادی ہر دو میں آپ کو جنابِ الٰہی سے تصرف و اختیار حاصل تھا۔ کھانا نہ کھلانے کا سبب تو محض اس عورت کا خیال معلوم ہوتا ہے۔ اولیائے کرام کے ایسے بودے اور کچے خیال نہیں ہوتے۔ کہ روٹی کے ٹکڑے یا چاولوں کے نوالہ کی خاطر روٹھ جائیں۔ اور بددعائیں کرنے لگیں۔ دراصل آپ باجے گاجے اور خلافِ شرع رسومات کو دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے ہونگے۔ اور اولیاء اللہ کی کبیدگی خدا کا قہر ہوتی ہے۔ جتنا اس فضول لہو و لعب میں صرف کیا ہوگا۔ کارِ خیر میں اس کا عُشر عشیر بھی خرچ نہ کیا ہوگا۔ جو بمصداق ارشاد مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ کفارۂ گناہ ہوتا اور غضب الٰہی سے نجات ملتی۔

موضع کاہنور کا ایک راجپوت مویشی چرایا کرتا تھا۔ ایک بچھڑا ان میں آپ کا بھی چرنے جایا کرتا تھا۔ جو شاہ محمد رمضان صاحب کے نام سے نامزد کر رکھا تھا۔ ایک روز

اسنے ہمعمری کے بھروسہ پر صاحبزادہ صاحب موصوف سے کہا کہ میں تو تمہارا بچھڑا نہیں لیجاتا۔ تم بھی ساتھ چلوگے جب لیجاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا یہ کام نہیں ہے لکھنا پڑھنا ہمارا کام ہے وہ ہمسے کرالو۔ مگر وہ نہ مانا۔ اور آپ کے بچھڑے کو چھوڑ ہی گیا۔ صاحبزادہ صاحب روتے ہوئے آپکے پاس آئے۔ اور حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میاں اچھا ہوا۔ جو وہ تمہارا بچھڑا نہیں لے گیا چنانچہ شام کو جب وہ واپس آیا تو معلوم ہوا۔ کہ جاٹو نکی دھاڑ اس کے تمام مویشی لوٹ اور چھین کرلیگئی۔ اور وہ اپنا سا منہ لیکر رہگیا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ ایک دھرمی سب کو لے تیرے اور ایک پاپی سب کو لے ڈوبے۔ اس گنوار کو کیا خبر تھی کہ یہ بچھڑا کس قدر موجب خیر و برکت ہے۔ خیال کرنیکا مقام ہے کہ جب مقبولانِ الٰہی کے مویشیوں کا وجود خیر و برکت اور حفظ و امن کا باعث ہے تو خود ان مقبولان الٰہی کا وجود کسقدر باعث امن و رفاہ ہوگا حیف ہے اس شخص پر جو ان حضرات کا قدردان نہ ہو۔

اسی قسم کی صدہا کرامات آپکی مشہور ہیں۔ کہانتک بیان کی جائیں۔ صرف آپکی علو مرتبت دکھانیکی غرض سے ان چند کرامات کے بیان پر اکتفا کیا گیا۔ تاکہ عوام الناس مجاذیب کے وجود کو مخلوقِ معطل سمجھ کر ان سے روگردانی یا انکی شان میں گستاخی و بے ادبی نہ کر بیٹھیں۔ جہانتک ہو سکے طالبین کو ان سے بھی استفاضہ اور استفادہ کرنا چاہیے جس قسم کا فیض ان حضرات سے جاری ہوتا ہے۔ اسی سے متمتع ہونا چاہیئے۔ اور اگر کسی کو یہ لوگ اپنے جیسا بنالیں۔ جو ان کا خاصہ ہے۔ زہے نصیب اس کے۔ اس سے بڑھکر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔ یعنی محنت کرنی پڑے نہ مجاہدہ۔ ہر وقت تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ اور دفترِ اسرار کا مطالعہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ ممدوح نے اپنے پوتے کو اور مولوی شاہ عبدالحکیم نے حضرت ممدوح کو مجذوب بنادیا۔

غرض اس طرح سے حضرت شاہ عبدالعظیم مجذوب سالک رحمۃ اللہ علیہ اہل عالم کو فوائد اور فیوض سے مالامال کر کے ۷ شوال ۱۲۴۳ھ کو راہی ملکِ بقا ہوئے۔ اور اپنی اولاد میں دو بیٹیاں چھوڑیں اور دو بیٹے۔ بڑے صاحبزادہ کا نام شاہ محمد رمضان تھا۔ جن کے تفصیلی حالات میں یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اور چھوٹے بیٹے کا نام مولنا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ مولنا شاہ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

آپ بمقام کاہنور ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آغوشِ والدین میں پرورش پائی۔ ظاہری تعلیم اپنے برادرِ بزرگ شاہ محمد رمضانؒ سے حاصل کی۔ اور انہی کی توجہات سے علم باطنی کا بھی بہت کچھ اکتساب کیا۔ اپنے زمانہ میں بلحاظ علمیت و فضیلت یگانہ تھے۔ بیعت تو اپنے والد ماجد حضرت مجذوب سے تھے۔ مگر چونکہ مشائخ کرام بیعتِ مجذوب کو معتبر نہیں رکھتے۔ اس لئے آپ نے سرتاجِ زہاد حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکیؒ سے تجدید بیعت کی۔ اور انکی خدمت میں رہکر مقامات سلوک کو طے فرمایا۔ اور خلافت اور اجازت حاصل کی۔ پھر تو اور بھی جامع کمالات اور صاحب برکات ہوئے۔ طریقۂ جیلانیہ کا اجرا فرمایا۔ اور اکثر کو تعلیم باطنی سے مستفیض فرماکر معلّمی یعنی خلافت کے رتبے تک پہونچا دیا۔ منجملہ اُن کے آپ کے چند خلفا خاص شہرت رکھتے ہیں۔ مثلاً اوّل آپ کے فرزند ارجمند جناب مولوی سیف الرحمٰن صاحب شہید۔ جو یکم جمادی الثانی ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے۔ اور غدر ۱۸۵۷ء میں بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ مصلوب ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ دوم حافظ لکھا۔ ساکن موضع باہمن والا ضلع حصار بڑی خوش خصال اور پاک سیرت سالک تھے۔ سوم حافظ سراج الدین صاحب جو ایک لائق اور نیکو اعمال درویش تھے۔ چہارم میاں صاحب مدّے خاں۔ متوطن موضع سوندہ

جن سے آپ کا سلسلہ جاری ہوا۔ اِن کا مزار بھی وہیں بمقام سونده ہے۔

مولٰنا محمد اسمٰعیل رحؒ خصائلِ حمیدہ اور شمائل پسندیدہ رکھتے تھے۔ سلف صالحین کے طریقہ کی پابندی اور سنّت نبوی کے اتباع کا خاص خیال اور اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فقیر راقم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یا حضرت آپکے پیر مرشد اور برادر بزرگ تو محفل سماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مگر آپ کو ہمنے کبھی مجلسِ سماع میں شامل نہیں دیکھا۔ فرمایا۔ بیٹا۔ ان کے ہم جنس اور ہم مشرب لوگ محفل میں موجود ہوتے تھے۔ اسلئے وہ شریک محفلِ سماع ہو جاتے تھے۔ اب میرے ہم مشرب ہی نہ رہے۔ تو میں جا کر کہاں بیٹھوں پھر فرمایا۔ کہ سمجھ گئے یا اور تشریح کروں۔ مینے عرض کیا۔ کہ آپکی توجہات سے خوب سمجھ گیا۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سماع صوفیانہ کی حقیقت مختصر طور پر بیان کردی جائے۔ تاکہ ناظرین کتاب ہذا کی آگہی اور تشفی کا باعث ہو۔ کیونکہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اہل شریعت اور اہل طریقت میں اس مسئلہ پر بہت کچھ لے دے ہوتی رہتی ہے خود اہل طریقت میں بھی بعض حضرات مثلاً چشتیہ نے اسکو جائز رکھا ہے۔ اور بعض حضرات مثلاً نقشبندیہ اور قادریہ نے ناجائز۔ پس ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج آدمی خلجان میں پڑ جاتا ہے۔ کہ جب ہر دو فریق اور ہر ایک فریق کی مختلف شاخیں سب حق پر ہیں۔ تو اس اختلاف کے کیا معنی۔ لہذا میرے اس مختصر بیان سے یہ خلجان رفع ہو جائیگا۔

واضح ہو۔ کہ شریعت کا ایک مسئلہ ہے کہ جب اضطرار کی حالت ہو۔ یعنی بھوک کی شدّت سے جان پر آبنے۔ تو اس حالت میں مردار اور حرام بھی حلال اور مباح ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیت فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ۔ الآیہ اس کی شاہد ہے ظاہر ہے کہ یہ حکم نفس کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ایک حکمت پر مبنی ہے۔ اور تمام علما اس کو مانتے ہیں۔ خاصانِ الٰہی بھی ایسی ہی بھوک اور شدّت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو انکا علاج رقص۔ وجد اور سماع کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔ اگر خوش الحانی اور راگ کی آواز

اُن کے کان میں نہ پہونچے۔ تو یہ لوگ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تجلیات کے انوار اور اس کی ہیبت سے پگھل جائیں۔ اور فنا ہو جائیں۔ اسواسطے انکو سماع میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ داخلِ لہو ہے۔ مگر اس لہو کی اباحت اور اجازت حدیث سے ثابت ہے۔ اور اسی پر حضرات چشتیہ کا عمل ہے۔ حدیث حضرت عامر بن سعدؓ سے روایت ہے کہ میں ایک شادی میں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابو مسعود انصاریؓ کے پاس گیا۔ تو دیکھا کہ چند لڑکیاں گیت گا رہی ہیں۔ مینے کہا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور ہو بھی اہل بدر میں سے۔ باوجود اس کے تمہارے سامنے یہ فعل ہو رہا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ تمہارا جی چاہے بیٹھو اور جی چاہے چلے جاؤ۔ ہم کو شادی میں ایسے لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ فقط۔

باقی رہا حضرات نقشبندیہ و قادریہ وغیرہم کا اس سے پرہیز کرنا۔ سو یہ عمل انکا احتیاط میں داخل ہے۔ کیونکہ گو مباح ہے مگر آخر لہو ہے۔ جیساکہ حدیث سے معلوم ہوا۔ پس انکا احتیاط کرنا افضل و اولیٰ ہے۔ اور حدیثِ ذیل اس کی مؤیّد ہے۔ کہ حضرت محمدؐ بن المکندرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو مباح اور مزامیرِ شیطان یعنی لہو غیر مباح سے بچاتے تھے۔ انکو مشک کے باغوں میں داخل کرو۔ پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ انکو میری حمد سُناؤ۔ اور ان سے کہدو کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط یعنی نہ اِنپر کچھ خوف ہے اور نہ یہ مغموم ہونگے۔ فقط۔

پس معلوم ہوا کہ ایک گروہ پر شوق کا غلبہ ہے اور اضطرار کی حالت۔ لہذا انکو راگ معہ مزامیر بھی جائز ہے۔ جس کا لہو غیر مباح ہونا حدیثِ دوم سے ثابت ہے۔ اور دوسرے گروہ پر احتیاط غالب ہے۔ ان کے نزدیک لہو مباح یعنی راگ بلا مزامیر بھی ناجائز ہے جس کی نظیر و اجازت حدیثِ اوّل میں موجود ہے۔ پس اہل طریقت کے ہر دو فریق میں کوئی اختلاف اور نزاع نہ رہا۔ اب رہا معاملہ اہل ظاہر یعنی علمائے شریعت کا۔ سو وہ بھی سچّے ہیں۔ ان کا سماع کو حرام کہنا بھی حق ہے۔ کیونکہ راگ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سنکھیا۔

ایسا کونسا طبیب ہے جو اس کو سمیات میں نہ شمار کرے۔ اور ہر کسیکو کھانے کی عام اجازت
دیدے۔ حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ جاذب رطوبات اور انتہا درجہ کا مقوی ہے۔ مگر
جب تک کسی طبیب حاذق کی رائے کے مطابق سنکھیئے کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس کی
قوت سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ اپنی جان ہلاک کرلیں۔ اور جسکو
استعمال سم الفار کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ یا ہے تو دیگر مقویات سے کام بن
سکتا ہے۔ وہ اگر اس کو استعمال کرے خواہ اپنی رائے سے خواہ کسی اناڑی طبیب کی رائے
سے۔ پس اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ یہی حالت راگ کی ہے۔ گو کہ جسمانی اور روحانی تفریح
اور اجازت اس کی ثابت ہے۔ مگر جبتک اس کے بغیر کام چل سکے مرشدِ کامل سالک کو اس کی
اجازت نہیں دیتا۔ اور جب وہ دیکھتا ہے کہ سالک کا کوئی روحانی مرض سوائے اس علاج
کے زائل ہونا دشوار ہے تو خاص خاص آداب و شرائط کے ساتھ اجازت دیتا ہے
بھی اُسیوقت تک کہ مرض زائل نہ ہو جائے۔ جب مرض جاتا رہا اب بھی اگر سالک اسپر کاربند
رہیگا یا اس دوا کو غذا ہی بنالیگا۔ اور آداب و شرائط کا خیال نہ رکھے گا۔ تو چونکہ دفترِ
شریعت کے درہم و برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور عوام الناس کے گمراہ ہونے کا خوف
پس محکمۂ شریعت کے عہدیدار ضرور شور مچائینگے۔ اور اس خرابی کا انسداد کریں گے۔ خواہ
وہ راگ سُننے والا کیسا ہی کامل کیوں نہو۔ کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کے پاس نظیر
موجود ہے۔ کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو انجیل پڑھنے سے منع کر دیا
تھا۔ حالانکہ انجیل مسلمہ آسمانی کتاب ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے کامل ہونے میں بھی شبہ نہ تھا
جو اُن کے گمراہ ہو جانیکا اندیشہ ہوتا۔ لیکن چونکہ انکی دیکھا دیکھی دیگر لوگ جو اس درجہ کے
کامل الایمان اور سلیم الفہم نہ تھے۔ انجیل خوانی کو ضروری سمجھ لیتے۔ اور قرآن شریف اور اس کے
احکام کی طرف سے تساہل و تغافل ہونے لگتا۔ اسی مصلحت سے حضرت عمرؓ نے شجرۃ البیعت
کو کٹوا دیا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ حاجی لوگ حج کو آئے ہوئے اس درخت کی زیارت اور

طواف کو بھی فرض وواجب سمجھ لیں۔ ورنہ اس درخت کے متبرک اور قابلِ زیارت
ہونے میں کس کو کلام تھا۔ جیسا کہ آجکل حضرات چشتیہ کے ہاں سماع کا معمول ہو گیا ہے۔ گویا
اِن کی غذا بنگئی ہے۔ خواہ کسی کو اس کی ضرورت ہو۔ یا نہو۔ سلسلہ میں داخل ہوتے ہی
راگ کا سُننا اور اچھلنا کودنا شروع کر دیتے ہیں۔ نہ غلبہ شوق کا پتہ ہوتا ہے۔ نہ عالمِ اضطرار
کا۔ نہ آداب و شرائط کا لحاظ ہوتا ہے۔ نہ قواعد و ضوابط سے آگاہی۔ پس اہل شریعت
شور نہ مچائیں اور لے دے نکریں تو کیا کریں۔ حالانکہ سلف صالحین کا یہ حال نہ تھا۔ وہ
صرف ازالہ مرض کیلئے سالک کو اس طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر اسکو غذائے روح بناتے
تھے یا کسی اور مصلحت سے سماع پر مداومت کا اظہار کرتے تھے۔ تو آداب و شرائط کو ملحوظ
رکھتے تھے۔ گو اسپر بھی عام اہل شریعت معترض ہوتے تھے۔ مگر خواص زبان تعنت دراز
نہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا رومؒ پر جب علمائے کرام نے بوجہ استماع راگ
اعتراضات کرنے شروع کئے۔ کیونکہ بے انتہا مخلوق انکی طرف جھکی جا رہی تھی۔ پس
آپنے فرمایا۔ کہ دنیا کے عہدے۔ اعزاز خوشیاں۔ جو تم لوگوں کو مرغوب تھیں۔ مینے سب
چھوڑ دیں۔ راگ رباب جو تمہارے کسی کام کی چیز نہیں۔ اور جس کی ذلت و تحقیر پر
تم سارا علم خرچ کر رہے ہو۔ وہ مینے اختیار کیا ہے۔ بخدا اگر تم کو یہ بھی مرغوب اور تمہارے
کام کی چیز ہے۔ تو میں یہ بھی چھوڑ دیتا ہوں۔ اس لطیف جواب دینے کے بعد پھر فرمایا۔
کہ غافلو تمہیں کیا خبر۔ کہ اس راگ و رباب کے پیرایہ میں دین کے کیسے کیسے کام سنوارتا
ہوں۔ اور کن کن ازلی بے خبروں کو ذوق الہٰی کی نعمت سے بہرہ ور کر رہا ہوں۔ حضرت
سلطان نظام الدینؒ اگرچہ خود راگ سُنتے تھے۔ مگر ان کے مایۂ ناز خلیفہ شاہ نصیر الدین
چراغ دہلویؒ راگ کے پاس بھی نہ جاتے تھے۔ حضرت محبوب الہیٰؒ نے کبھی انکو راگ سُننے پر
مجبور نہیں کیا۔ بلکہ جب کبھی راگ ہو رہا ہو اور آپ تشریف لے آئے تو حضرت محبوب الہیٰ راگ
رنگ سب موقوف کرا دیتے اور فرماتے کہ اب مولوی آگیا ہے۔ اس شغل کو چھوڑ دو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات چشتیہ کا راگ سننا بھی کسی نہ کسی مصلحت اور معالجہ کی غرض سے تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہی راگ سننا بھی فرض ہوجائے پس صوفیائے کرام کو بھی اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی لازم ہے اور اہل شریعت کو بھی راہِ اعتدال اختیار کرنی چاہئے۔ سالکین کو دونوں گروہ کے اہل کمال کے سامنے خاموش رہنا اور دم نہ مارنا لازم ہے ع

تو گدائے گوشہ نشینی حافظا مخروش

خوارق وکرامات کا ظہور اکثر آپ سے بھی ہوتا رہا۔ آپکی دعا اور تعویذ میں اللہ تعالیٰ نے خاص تاثیر رکھی تھی۔ ایک مرتبہ ایک راجپوت کو پھانسی کا حکم ہوا۔ آپ خود بھی اسوقت نظر بند تھے۔ کیونکہ وہ زمانہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کا تھا۔ پُر از فتنہ و آشوب۔ جسکی لاٹھی اُسی کی بھینس کا نقشہ۔ نہ کسی معاملہ کی تحقیق ہوتی تھی۔ نہ سچ جھوٹ کی تفتیش۔ جسپر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا۔ محبوس و مصلوب کردیا جاتا تھا۔ گویا مارشل لا جاری تھا۔ مخالفین نے آپکی نسبت بھی باغی اور مفسد ہونیکی مخبری کردی۔ سرکار انگریزی نے آپ کو صدر ضلع حصار میں نظر بند کردیا۔ آپ کے بڑے بھائی شاہ محمد رمضانؒ نے پہلے ہی بطور پیشینگوئی اس کی خبر دے رکھی تھی۔ کہ برادر عزیز مولوی اسمٰعیل کو اخیر عمر میں کچھ واردات پیش آئینگی۔ اور آزمائے جائینگے چنانچہ وہی ہوکر رہا۔ اسی حالت میں آپ نے اس راجپوت کو ایک تعویذ لکھدیا۔ اور زبان سے بھی فرمادیا۔ کہ بعون اللہ تعالیٰ تو رہائی پائیگا۔ چنانچہ اُسنے رہائی پائی۔ داروغہ جیل کی بیوی سخت بیمار ہوگئی۔ آپ نے دعا و دوا سے معالجہ کیا۔ اُسے بھی شافیِ مطلق نے شفا عنایت فرمائی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ دوسروں کے واسطے دعا اور دوا کو کام میں لاتے ہیں۔ خود اپنی رہائی کیلئے کیوں نہیں کوشش کرتے۔ فرمایا۔ کہ ہمارا وقت آن لگا ہے لہٰذا علاج معالجہ بے سود ہے رات ہی کو ہمنے برادرِ بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ فرمارہے تھے۔ کہ بھائی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہو۔ ہمارے پاس آجاؤ نہ۔ چنانچہ پنجشنبہ کا دن آیا۔

تو آپنے حسب معمول دودھ چاول پر فاتحہ دلوائی۔ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ اگلا دن جمعہ کا تھا۔ جمادی الاخر کی ۲۸ تاریخ ۱۲۷۶ھ اور صبح کا وقت کہ آپ ہیضہ میں مبتلا ہوئے۔ اور اسی روز اسی ابتلاء میں جان شیریں جانِ آفریں کے حوالے کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

ہر کہ آمد بجہاں ز اہل فنا خواہد بود ؎ آنکہ پائندہ و باقی ست خدا خواہد بود

آپکے دو قبیلے تھے۔ اور دونوں سے **اولاد** تھی۔ ایک قبیلہ غیر کفو سے تھا۔ جس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ دوسرا قبیلہ جو خاص اپنی برادری اور کفو میں سے تھا۔ اس سے دو فرزند قابلِ ذکر ہیں۔ اول فقیر مؤلف کے والد ماجد مولوی حاجی شاہ عبدالغنیؒ صاحب جن کی شادی اپنے تایا یعنی حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی دختر بلند اختر سے ہوئی۔ اور انہی سے آپ کو بلا واسطہ نیز بالواسطہ خلافت و اجازت ملی۔ اور انہیں کے آپ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے مفصل حالات بضمن اولاد و احفاد حضرت شاہ محمد رمضانؒ مرقوم ہونگے۔ دوسرے شاہ عبدالسمیع صاحب مجذوب جن کا ذکر مجملاً مرقوم ہوچکا۔ آپ بھی بڑے باکمال اور صاحب اولاد تھے۔ بعض اولاد آپکی بفضلہ زندہ و پائندہ ہے۔ برادر عزیز مولوی **سلام الدین** صاحب آپ ہی کے فرزند ارجمند تھے۔ جن کا ذکر دیباچہ میں آیا ہے۔ تیسرے بیٹے مولوی سیف الرحمٰن صاحب شہید تھے۔ ان کا ذکر بھی مرقوم ہوچکا ہے۔ سب سے چھوٹے بیٹے آپ کے شاہ محمد غوثؒ تھے جنکے بیٹے **ڈپٹی مظفر احمد** صاحب مؤلف کتاب نقیب الاولیا ہیں۔ جو حضرت شاہ محمد رمضانؒ کے حالات میں ہے۔ فقط۔

ختم ہوا تذکرہ حضرت شاہ محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگان نسب یعنی آباؤ اجداد کا۔ اب خاص تذکرہ حضرت موصوف کا شروع ہوتا ہے۔

خاص حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات صوری و معنوی کا تذکرہ

تعلیم و تربیت اور اکل حلال کی تلاش

آپ حضرت شاہ عبد العظیمؒ مجذوب سالک کے بڑے فرزند اور مولانا شاہ محمد اسمٰعیلؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ بچپن ہی سے طبیعت ہونہار پائی تھی۔ پیشانی سے آثار رشد و صلاحیت ہویدا تھے۔ شاید انہی کو ملاحظہ فرما کر آپ کے دادا شاہ عبد الحکیمؒ نے فرمایا تھا۔ کہ بیٹا تم بڑے صاحب مرتبہ ہوگے۔ یا آپ کے اس ارشاد ہی کی برکت تھی۔ کہ بقول ”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“ ابتدا ہی سے علو مرتبت کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں۔ نہ کبھی بچوں کی سی ضد سرزد ہوئی۔ نہ کھیل کود میں مصروفیت۔ چودہ برس کی عمر تک آپ برابر لگاتار بغیر کسی تنبیہ اور تاکید کے مہم اور کاہنور وغیرہ مقامات میں فارسی اور عربی علم ادب نیز دینیات اخلاق اور دیگر علوم مروجہ کی تعلیم و تکمیل میں مصروف رہے۔ جب ظاہری علوم کے زیور سے آپ بخوبی آراستہ و پیراستہ ہو گئے تو کارخانہ قدرت نے آپ کو صفائی باطن کی طرف متوجہ کیا۔ جس کا نام عرف میں **سلوک و تصوف** ہے۔ یعنی اثنائے قیام کاہنور میں ایک مرتبہ آپ اپنے ہمسن اور ہمجولی اطفال کے ہمراہ جنگل کو تشریف لیگئے سامنے ایک بڑا بلند درخت دکھائی دیا۔ کچھ جی میں جو آئی تو ایک پتھر اٹھا کر اوپر سے پھینکنا اور گذارنا چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ دوسرا پتھر پھینکا۔ وہ بھی درخت کے اوپر سے نہ جا سکا ادھر ہی گر پڑا۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے ہمراہیوں میں سے ایک لڑکے نے پتھر پھینکا۔ وہ بھی ورے ہی رہ گیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ اگر میں اس درخت کے اوپر سے پتھر گذار دوں۔ تو فرمائیے کہ کیا انعام دیجئے گا۔ فرمایا

بھی اور تو ہمارے پاس کچھ ہے نہیں۔ تمہارے مرنے پیچھے دو رکعت نفل پڑھ کر اس کا ثواب تمہاری روح کو بخشدینگے۔ وہ اس انعام پر رضامند ہو گیا۔ اور پتھر کو درخت کے اوپر سے گذار دیا۔ بات آئی گئی ہوئی۔ خدا کی شان تھوڑے ہی دنوں بعد وہ لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ نے جو کچھ اس سے وعدہ کیا تھا پورا کر دیا۔ مگر ایک روز عالم خواب میں اسکو اپنے وعدے کا مطالبہ کرتے پایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو وعدہ پورا کر چکا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں پہونچا۔ بیدار ہو کر آپ نے پھر دوگانہ پڑھ کر ثواب اس کی روح کو بخشا۔ بعد ازاں پھر اس کو اپنے انعام کا طالب دیکھا۔ غرض آپنے کئی مرتبہ ایصال ثواب کیا۔ مگر جب اسکو خواب میں دیکھتے۔ تو ایفائے وعدہ کا مطالبہ ہی کرتے دیکھتے۔ اب آپنے ثواب کے نہ پہونچنے اور اپنی دعا کے قبول نہ ہونے کے اسباب اور وجوہات تلاش کرنے شروع کئے۔ تو اس نتیجہ پر پہونچے۔ کہ دھاڑ کی لوٹ کا مال جو چڑھاوے اور نذرانوں میں ہمارے ہاں آتا ہے۔ اور ہم اسے روزمرہ کھاتے۔ پیتے اور کام میں لاتے ہیں۔ چونکہ شرعاً وہ مال حرام ہے۔ پس وہ قلب پر زنگ لاتا ہے۔ اور وہی زنگ اس روح اور روح الارواح کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ فریادی کی فریاد اور سائل کی پکار کو فریادرس تک پہونچنے نہیں دیتا۔ پس آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ کہ اماں جان۔ جو روزی ہم کھاتے ہیں۔ وہ تو حرام ہے۔ ادھر سے جواب ملا۔ کہ بیٹا۔ یہاں تو یہی ہے تم میں ہمت ہے تو کہیں حلال روزی جا ڈھونڈو۔ والدہ ماجدہ کے اس سیدھے سادے مگر سچے ارشاد میں کچھ ایسی تاثیر بھری تھی۔ کہ اسیوقت تعمیل بجالائے۔ **اکل حلال** کی تلاش کا عزم مصمم کر لیا۔ اور نفس کے ساتھ وعدہ کر لیا۔ کہ آج سے نہ میں کسی سے سوال کروں گا۔ نہ لقمۂ حرام منہ تک آنے دونگا۔ جان جائے پر ایمان نہ جائے۔ پس تلاش معاش کا خیال تو ترک کر دیا۔ توکل اختیار کر کے جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ نہ کچھ کھایا پیا۔ نہ توشہ و سامان ہمراہ لیا۔ **دوہا** ~~~

پلّے خرچ نہ باندھیں پنچھی اور درویش | جنکو تکیہ ربدا انکو رزق ہمیش

ایک شخص اور ہمراہ ہولیا۔ دونوں نے ملکر دہلی کا رُخ کیا۔ پہلے سانپلہ پہونچے۔ ایک مسلمان
تیلی کے ہاں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا۔ جمعرات کا دن تھا۔ اس نے کہا کہ آج میرے ہاں نیاز ہے
کھانا میرے ہاں کھانا۔ فرمایا بہت اچھا۔ اسنے میٹھے چاول پکائے۔ اور ایک کورا مٹکا پانی کا بھر
کر لایا۔ آپ تو کسی کام میں لگ گیا۔ ایک کُتے نے آکر مٹکے میں مُنہ ڈال دیا۔ آپ نے تیلی کو
اس کی اطلاع کی۔ کہ کُتا اس مٹکے میں مُنہ ڈال گیا ہے۔ لہذا اب یہ برتن اور اس کا پانی پینے کے
قابل نہیں رہا۔ اسنے پوچھا۔ کہ حضرت۔ وہ کس رنگ کا تھا۔ فرمایا۔ کالا۔ یا شاید کوئی اور رنگ
کا بتایا۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ جب تو خیر۔ کچھ ڈر نہیں۔ وہ تو ہمارے گھر کا پلا ہوا کُتا ہے
آپ نے فرمایا۔ کہ تمہارا کھانا اور پانی تمہیں کو مبارک رہے۔ ہم جاتے ہیں۔ گھر سے بھی فاقہ ہی
چلے تھے۔ یہاں یہ نوبت گذری۔ نفس سے وعدہ کر چکے تھے۔ اور اکل حلال کا تہیہ تھا۔ امتحان
شروع ہو گیا کٹھن۔ بڑی مشکل ہوئی۔ تاہم آپ کے عزم و استقلال میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ اسی
حال میں دہلی پہونچے۔ اور حضرت **قطب صاحب** کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہاں کونسی
جان پہچان تھی۔ جو کوئی کھانے پینے کو پوچھتا۔ چُپ چاپ حضرت قطب صاحب اور دیگر بزرگان
کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھکر خواجہ صاحب کے مزار سے مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی
مسجد میں جا بیٹھے۔ اللہ اللہ کرنے لگے۔ آدھی رات گذر چکی کہ کسی نے آپ کا نام لیکر پکارا۔ آپ نے
خیال کیا کہ کسی اور محمدؐ رمضان کو پُکار رہا ہوگا۔ میرا تو یہاں نہ کوئی واقف ہے۔ نہ شناسا۔
جب تیسری مرتبہ اس نے پکارا۔ تو آپنے دل میں کہا۔ کہ اگر مجھی کو پُکار رہا ہوگا۔ تو جب مولوی
عبدالحکیمؒ کا پوتا کہکر پکاریگا۔ تو بولونگا۔ ابکے اُسنے اسی طرح یعنی مولوی عبدالحکیم کا پوتا کہہ کر
آواز دی۔ تو آپنے جواب دیا۔ کہ حاضر ہوتا ہوں۔ جب اُٹھکر پاس گئے۔ تو پُکارنے والے
جو بزرگ صورت شخص تھا۔ کہا۔ کہ یہ کھانا کھالو۔ آپ نے کھانا اس سے لے لیا۔ اور اپنے ہمراہی
کے پاس آکر کہنے لگے کہ آؤ بھائی کھانا کھائیں اسنے دیکھا کہ ہم کئی دن کے بھوکے ہیں اور کھانا
ہے تھوڑا۔ نہ اِن کا پیٹ بھریگا۔ نہ میرا۔ پس کہنے لگا۔ کہ آپ ہی کھا لیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ واہ

میاں۔ خواجہ صاحب کی طرف سے تو ہماری دعوت ہوئی۔ اور تم انکار کرتے ہو
آخر وہ بھی شریک ہو گیا۔ دونوں نے کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں اسی بزرگ نے
پھر پکارا۔ آپ حاضر ہوئے۔ تو اُس نے پوچھا کہ آپ کا روزانہ خرچ کس قدر ہے۔
فرمایا۔ کہ دو روپے روز۔ ارشاد ہوا۔ کہ اچھا دو روپے روز ہی ملا کریں گے۔ اس کے
بعد وہ بُزرگ تشریف لیگئے۔ اور آپ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ جب صبح ہوئی۔
نمازِ فجر کا وقت آیا۔ تو آپ ہی کو سب نے امام بنایا۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ آپ کو
کسی نے پوچھا بھی نہ تھا۔ اور آج خُدامِ درگاہ میں دعوت کا بار نہیں آتا۔ غرض اُسی دن سے
آپ کے جدِّ امجد مولوی شاہ عبدالحکیمؒ کی اولاد میں روزی کی کشایش ہو گئی۔ اور آجتک
اللہ کے فضل و کرم سے تنگی نہیں پیش آئی۔ نہ کبھی چڑھاوے اور نذرانوں کی احتیاج
پڑی۔ آپ کی ہمت اور استقلال کی بدولت سب پر کشایش کا دروازہ کُھل گیا۔
حاصل کلام یہ کہ اس طرح آپ کو طریق سلوک و تصوف کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا
اور آپ مولوی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے برادرِ خورد جناب مولٰنا
شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو اپنے زمانے کے ممتاز عالم۔
باکمال فقیہ۔ ماہر محدث۔ لائق مفسر۔ اور قرآن شریف کے اردو ترجمہ کے موجد
تھے۔ نیز جملہ سلاسلِ عالیہ خصوصاً سلسلہ نقشبندیہ کے باکمال بُزرگ تھے۔ چودہ برس
تک آپ کی خدمت میں رہکر فیوض ظاہری و باطنی سے مستفیض ہوتے رہے۔ اور ہفتہ میں
دو مرتبہ یعنی جمعہ اور منگل کو حضرت مولوی **شاہ عبدالعزیزؒ** کی توجّہ سے
بھی استفادہ فرماتے رہے۔ چنانچہ مولٰنا موصوف نے آپ کو کتاب **قول الجمیل**
سبقاً سبقاً پڑھائی۔ اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہ فرمایا۔ نیز کتاب **انتباہ**
کی اجازت بخشی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے استاد باکمال مولوی شاہ عبدالقادرؒ
کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا۔ کہ یہ حصہ تمہارا ہمارے پاس نہیں

قادری خاندان کے ایک بزرگ سے ملیگا۔ جو تم کو دادری[1] میں ملے تھے۔ اور اب غالباً پانی پت میں ملیں گے۔ اس کے بعد آپ تکمیل تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن میں آگئے۔ اور **شیخ کامل کی تلاش** میں غلطاں و پیچاں رہنے لگے۔ دن رات یہی دھیان۔ اور ہر وقت یہی تصوّر رہتا تھا۔ کہ کوئی طبیب روحانی مل جائے تو تصفیہ باطن ہو کر تعمیر الظاہر والباطن کی تکمیل ہو جائے اسی جستجو اور خیال میں آپ اپنے استاد کے فرمانیکے بموجب عازمِ پانی پت ہوئے۔ قصبہ گوہانہ میں حکیم غلام معین الدین صاحب عرف حکیم **سکھو**رح سے ملاقات ہوئی۔ جو اپنے وقت کے بزرگ کامل تھے۔ وہ آپ کو اپنے ہمراہ بمقام **سفیدوں** لیگئے چونکہ اب مولنا شاہ عبد القادرؒ کے تلمذ اور شاہ عبد العزیزرح کے فیض توجہ کی برکت سے آپ کا آئینہ قلب بخوبی صیقل ہو چکا تھا۔ اور استفاضہ اہل قبور سے بھی آپ واقف تھے پس آپ نے **صوفی سوندھا** کے مزار پر مراقبہ فرمایا۔ جو صابری خاندان کے مشہور بزرگ تھے۔ عالم معاملہ میں صوفی صاحب نے ایک پھول یا کوئی اور چیز آپ کو عطا کی۔ جب مراقبہ سے آپ نے سر اُٹھایا۔ اور باہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو حکیم صاحبؒ موصوف کو اندر آتے ہوئے دیکھا خیال کیا کہ یہی وہ پھول ہے جو صوفی صاحب کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ حکیم صاحبؒ سے استفاضہ کی طرف اشارہ تھا۔ جو بعد ازاں ظہور میں آیا۔ کہ حزب البحر کی اجازت اور مسبعات عشر وغیرہ نیز طریقہ صابریہ کی خلافت حکیم صاحبؒ سے آپ کو ملی۔ مگر آپ کو چونکہ شیخ کامل کا تصوّر بندھا ہوا تھا۔ پس فوراً حکیم صاحبؒ کی خدمت میں بیعت کیلئے ملتجی ہوئے۔ اُنہوں نے استخارہ کیا۔ اور فرمایا

[1] دادری ریاست جیند میں ایک قصبہ ہے۔ حضرت شاہ محمد رمضانؒ کو ایکمرتبہ وہاں جانیکا اتفاق ہوا۔ ایک مسجد میں آپ مقیم تھے جسکے دو حجرے تھے۔ اور دونوں میں پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ آپکو استراحت کیضرورت ہوئی۔ تو ایک حجرہ میں تشریف لیگئے تو دیکھا کہ ایک پیر مرد لیٹ رہے ہیں۔ وہاں سے ہٹ کر دوسرے حجرے میں داخل ہوئے۔ وہاں بھی وہی بزرگ لیٹے ہوئے نظر آئے۔ آپکو تعجب تو ہوا۔ مگر خاموش ہی رہے۔ شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جو آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا ہو گا یا خود حضرت علیہ الرحمہ نے اثنائے طالب علمی میں بوجہ عجیب ہونیکے یا اس کی کیفیت دریافت کرنے کی غرض سے اپنے استاد سے تذکرہ کیا ہو گا جس سے آپکے قلب مصفّٰی پر اصل معاملہ منعکس ہو گیا۔ واللہ اعلم ۱۲

کہ بیعت کا حصّہ تو تمہارا ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ تمہارے حصّہ کا ہمارے پاس ہے وہ تم کو اپنے وقت پر مل ہی رہیگا۔ بالفعل چلو۔ تم کو تمہارے پیر کے پاس لیچلتے ہیں۔ چنانچہ حکیم صاحبؒ آپ کو لیکر **حضرت سید محمد عظیم گیلانی پانی پتی** رحمۃ اللہ علیہ کیخدمت میں پھونچے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے پانی پت میں مخدوم شیخ کی درگاہ میں استخارہ کیا۔ تو مخدوم صاحب کی زیارت آپ کو حکیم سکھو کی صورت میں ہوئی۔ اس لئے آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی اور انہوں نے آپ کو منزلِ مقصود پر پہونچا دیا۔

کیفیتِ بیعت

شیخ کامل کی خدمت میں پھونچکر آنکھیں چار ہوتے ہی آپ نے پہچان لیا۔ کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنکی زیارت **دادری** کی مسجد میں ہوئی تھی۔ اور پھر جنہوں نے عالمِ رویا میں **حضرتِ پیرانِ پیر** قدس سرہ کے حکم سے میرا ہاتھ[1] پکڑا تھا۔ اور جملہ انبیا علیہم السّلام کی زیارت سے

[1] قبل بیعت ایک مرتبہ آپکو حضرت غوث الاعظم کی حضوری ہوئی۔ تو آپنے عرض کیا۔ کہ حضور میرا ہاتھ پکڑ لیں۔ حضرت غوث اعظم نے ایک مرد بزرگ صورت کو جو اسی محفل میں شریک تھے حکم دیا۔ کہ تم اسکا ہاتھ پکڑ لو۔ پس اس بزرگ نے آپکا ہاتھ پکڑ لیا۔ آپنے پھر عرض کیا کہ حضور میرا ہاتھ پکڑ لیں تو حضور علیہ السّلام نے پھر انہی کو حکم دیا۔ اور انہوں نے آپکا ہاتھ پکڑ لیا۔ تیسری مرتبہ پھر آپنے التجا کی کہ حضور خاص دست مبارک سے میری دستگیری فرمائیں۔ اس مرتبہ بھی وہی کیفیت ہوئی۔ نیز غوث الثقلین نے ایکی مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہ یہ ہاتھ بھی ہمارا ہی ہے۔ یہ خواب آپنے اپنے خلیفہ میاں عظیم الدین صدیقی ہمی سے بیان فرمایا تھا جبکہ اُنہوں نے آپ سے التجا کی کہ آپ اپنے خاص خاص حالات سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ حسب دستور سلف صالحین احاطہ تحریر میں لائے جائیں۔ آپنے یہ خواب بیان فرما کر کہا کہ ہمارا حال ابھی ناتمام ہے۔ آٹھ جگہ سے فیض پہونچ چکا ہے۔ ایک جگہ سے ابھی باقی ہے۔ نہ اُن بزرگوں سے ابھی ملاقات ہوئی ہے۔ نہ کچھ ملا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ پھر خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع میدان میں لوگ بکثرت جمع ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ یکایک چند سوار نورانی لباس پہنے دکھائی دیئے۔ جنکو دیکھکر سب لوگ ہشیار اور صف بستہ ہو گئے۔ وہ سوار آتے ہی گھوڑے سے اُترے۔ اور فوراً ہی سوار ہو کر پھر چلدیئے۔ اتنے میں وہی بزرگ جنہوں نے حضرت غوث اعظم کی مجلس میں آپکا ہاتھ پکڑا تھا۔ ظاہر ہوئے۔ اور مجھے ایک خاص جگہ پر لیکر کھڑے ہو گئے۔ جہاں سے تمام انبیا علیہم السّلام کا گذر ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی نوبت آئی۔ تو اس بزرگ نے آواز دی۔ کہ دیکھنا جگہ سے مت ہلنا۔ قدم جمائے رکھنا۔ اس سے آگے میدانِ نبوت ہے۔ چنانچہ جب حضور تشریف لائے۔ تو قدمبوسی کیلئے آپ اس طرح سے گرے۔ کہ قدم تو اپنی جگہ قائم رہے۔ اور سر حضور کے قدموں میں جا پڑا۔ مذکورہ فقرات میں انہی ہر دو واقعات کی طرف اشارہ ہے ۱۲

مشرف کرایا تھا۔ جب آپ کی یہ کیفیت تھی۔ تو شیخ کامل کیوں نہ اس سے آگاہ ہونگے

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے
دونوں جانب سے چاہ ہوتی ہے

وہ تو گویا منتظر اور مامور ہی تھے۔ آپ کی درخواست بیعت پر نہ انکار فرمایا نہ استخارہ کی حاجت سمجھی۔ طریقہ امالیہ۔ وہابیہ۔ قادریہ میں آپ کو بیعت سے مشرف فرماکر منازلِ سلوک طے کرانے شروع کرا دیے۔ اور بہت جلد عروج روحانی کے بام آل تک پہونچا دیا۔

اکتساب فیوض

لائق اور سمجھدار بیٹا ہو۔ تو ماں باپ کا دل یہی چاہا کرتا ہے۔ کہ ساری ڈھکی چھپی دولت اسی کو دیدیں۔ اور تمام جائداد کا وارث و مالک اسی کو بنا دیں۔ ذہین اور قابل شاگرد ہو۔ تو استاد کی یہی خواہش ہوتی ہے۔ کہ ساری معلومات گھول کر اسکو پلا دوں۔ اور جو کچھ مجھے آتا ہے سب اسکو بتا دوں۔ لیکن جب لینے والے ہی میں کوئی قابلیت یا جوہر نہ ہو تو اندھے کے آگے موتی بکھیرنے کو کس کا دل گوارا کرتا ہے۔ اسیواسطے مثل مشہور ہے۔ کہ "دنیا میں **شمس تبریز تو بہت ہیں۔ مگر مولوی رومی کہیں نہیں ملتا**" یعنی مرشد کامل و مکمل کی دنیا میں کمی نہیں۔ البتہ طالبِ صادق کا کال ضرور ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ دنیاوی جاہ و جلال کے طالب ہوتے ہیں۔ یا ان کا عزم و استقلال کمزور ہوتا ہے۔ یا حوصلے کے کچے اور ظرف کے اوچھے ہوتے ہیں۔ کہ ذرا سے انکشاف اور معمولی واردات کے مشاہدہ پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اسیکو منزلِ مقصود سمجھکر ترقی اور صعود سے ہمیشہ کے لئے محروم رہجاتے ہیں۔ اگر کسی کا عزم راسخ ہو۔ طلب صادق۔ ہمت بلند۔ اور ظرف عالی تو گوہرِ مقصود خود اُس کی جھولی میں آگرتا ہے۔ یعنی اہل کمال خود اُن کے حال پر متوجہ اور ملتفت ہو جاتے ہیں۔ جو ہر قابلیت کو چمکتا ہوا دیکھکر خود آرزو کرتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے۔ وہ لیلو۔ حضرت **خواجہ باقی باللہ** رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے کہ باوجود

منتہی اور پیر مرشد ہونے کے اپنے مرید حضرت **شیخ احمد مجدد** الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ توجہ میں مریدوں کی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ "میرے جیسے سینکڑوں تارے اس چاند کی روشنی میں گم ہیں۔" اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ مرید پیر سے بڑھکر تھا۔ نہیں۔ پیر پیر ہی ہے۔ اور مرید مرید ہی ہے۔ ہاں مرید کا وجود اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے پیر کیلئے باعثِ فخر تھا۔ ایسے ہی قابل مرید اور شاگرد کیلئے ہر ایک پیر اور ہر ایک استاد اپنے قلبی اور باطنی ذخیرہ برکات و معلومات کو اُگل دیتا ہے۔ بلکہ پیر اور استاد کے علاوہ دیگر اہل کمال بھی اپنے اپنے کمال میں سے اسکو حصہ دیکر اُس فخر و مباہات میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جو اُس کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے۔

یہی حالت حضرت شاہ محمد رمضان علیہ الرحمۃ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپکی طبیعت میں وہ جوہرِ قابلیت رکھدیا تھا۔ کہ ہر ایک اہل کمال جو آپ سے ملتا تھا۔ تو اس جوہر کی چمک دمک کا مشاہدہ کرکے اپنے کمالات میں سے حصہ دینا۔ اور اس نسبت سے آپکی ذات پر افتخار کرنا غنیمت جانتا تھا۔ جیسا کہ **حکیم شکھوؒ** صاحبؒ نے اگرچہ بیعت سے انکار کر دیا مگر حزب البحر اور مسبعات عشر کی اجازت نیز **طریقہ صابریہ کی خلافت** دیئے بغیر نہ رہے آپ کے دادا حضرت شاہ **عبد الحلیمؒ** اور آپ کے والد ماجد **شاہ عبد العظیمؒ مجذوب سالک** تو آپ کے مفیضوں میں سب سے اول نمبر پر ہیں۔ مگر حصۂ کامل اور فیض کلی آپ کے واسطے حضرت **سید عبد العظیم گیلانی پانی پتی** رحمۃ اللہ علیہ سے پہونچنا مقدر ہو چکا تھا پس انہیں کے واسطہ سے پہونچا۔ اور انہیں کے **سلسلۂ قادریہ** کا آپ سے اجرا ہوا۔

علاوہ ازیں چونکہ آپ طلبِ صادق اور عزم راسخ رکھتے تھے۔ اور کارخانہ قدرت سے آپ کو ظرف ایسا عالی ملا تھا۔ کہ باوجود حصول مقصد کے نہ کبھی ایک مقام پر قرار پکڑا۔ نہ ترقی و صعود سے سیری ہوئی۔ ہر وقت طلب کی پیاس اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی پکار لگی رہتی تھی۔ جس کی بدولت آپ دیگر سلاسل عالیہ کے اہل کمالات سے بھی مستفیض ہوتے رہے۔ منجملہ اُن کے

حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ممتاز نمبر آپ کے مفیضین میں ہے
یہانتک کہ بعض حضرات مثلاً حافظ انور علی مؤلف شرح چوپائی کے خیال میں تو فیض کلّی آپ کو شاہ
صاحب موصوف ہی سے ہوا ہے۔ گو مُرید آپ شاہ عبدالعظیمؒ پانی پتی کے تھے۔ مگر یہ خیال محض غلط
ہے اور صداقت اور واقعیت سے خالی۔ کیونکہ فقیر راقم نے خود اپنے والد ماجد شاہ عبدالغنیؒ
سجادہ نشین سے سُنا ہے۔ کہ حضرت علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جیسا فیض مجھکو پیرو مرشد سید
عبدالعظیم گیلانی پانی پتی سے ہوا ہے۔ ایسا اور کسی بُزرگ سے نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں شاہ صاحب
رہتکیؒ اور اُن کے سوا دیگر مفیضین سے بھی آپ کو جو فیض ہوا ہے۔ وہ سب حضرت سید عبدالعظیم
گیلانی پانی پتیؒ کی اجازت ہی سے ہوا ہے۔ شاہ صاحب رہتکی سے قبول خرقہ کی آپ نے اجازت
ہی نہیں دی۔ جیسا کہ آگے مذکور ہو گا۔ تو فیض کلّی آپ سے کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ
ضرور ہے۔ کہ شاہ غلام جیلانی صاحبؒ کو آپکے حال پر خاص عنایت و شفقت اور آپ کو شاہ
صاحبؒ کے ساتھ خاص عقیدت و ارادت تھی۔ جو آپ کے بعض معاملات اور خطوط کے مضامین
سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو ہر دو حضرات کے مابین معرض تحریر میں آئے۔

کیفیتِ استفاضہ از شاہ غلام جیلانی رہتکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو شاہ صاحب رہتکیؒ کی طرف سے حصول فیض کی نسبت جو غائبانہ سلسلہ جنبانی ہوئی
اس سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اہل کمال کی نظروں میں آپکی خداداد قابلیت
کہانتک مسلّم تھی۔ اور آپ کی ذات انکے نزدیک کس قدر قابل احترام و افتخار تھی۔ یعنی
ایک مرتبہ آپ نے عالمِ خواب میں دیکھا۔ کہ میاں فیض علی سفید باف کو شاہ صاحبؒ رہتکی
نے اپنی جریب دیکر میرے پاس بھیجا ہے اور یہ خواہش کی ہے کہ ہمارا **خرقہ یا اجازت**
ہماری طرف سے قبول کرو۔ جس وقت آپکی مرسلہ جریب میرے سامنے آئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ
میرے ہاتھ میں حضرت پیرو مرشد علیہ الرحمہ کا عصا موجود ہے۔ پس میں نے کہا کہ میرے ہاتھ میں

تو حضرت پیرو مرشد کا عصا ہے۔ میں جریب کیونکر لوں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اگلا دن
ہوا۔ تو صبح ہی میاں فیض علی صاحب جریب اور پیغام لیکر آ پہونچے۔ آپ اس وقت اپنے پیرو مرشد
کے ہمراہ دہلی میں مقیم تھے۔ تمام ماجرا پیرو مرشد کی خدمت میں عرض کیا۔ انہوں نے حصول اجازت
کی تو رخصت دیدی۔ مگر قبول خرقہ کی اجازت نہ دی۔ اور فرمایا۔ کہ خرقہ تو ہمارا ہی کافی ہے۔
اسکے بعد آپ شاہ صاحب رہتکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے **قادریہ چشتیہ**
نقشبندیہ۔ **مداریہ** اور **سہروردیہ** پانچ طریقوں کی اجازت عنایت فرمائی اور
وہب الزبیر کی تلقین میں مصروف ہوئے۔ چند سال بعد مہم میں تشریف لائے۔ تو اپنے
طریقہ کی جزو کل کی اجازت اور تمام کتابوں یعنی منتخب الاعمال۔ خلاصۃ الاعمال اور جواہر
دو جواہر۔ اسرار سالاری۔ جواہر نفیسہ۔ لطائف السلوک۔ وغیرہ کی اجازت بخشی۔ چنانچہ
وہ تمام شجرے مع اجازت نامہ عطا کردہ شاہ صاحب رہتکی کتاب "اسناد الاشجار" میں مرقوم ہیں۔

شمّہ احوال شاہ غلام جیلانی صدّیقی رہتکی مہمیؒ

آپ بڑے عابد و زاہد اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ کے مجاہدہ کی یہ کیفیت
تھی۔ کہ بارہ برس تک کھانا نہیں کھایا۔ باینہمہ جب ایک معینہ چوکی پر نشست معہودہ کے ساتھ
بیٹھکر اسم ذات کی ضرب لگاتے تھے۔ تو چوکی کے چاروں پائے ہل جاتے تھے۔ طرفہ یہ کہ اسی
حال میں زیارتِ حرمین الشریفین کیلئے پیادہ پا سفر کیا۔ اور پاپیادہ ہی وہاں سے بغداد کو
تشریف لے گئے۔ مزار پرانوار حضرت غوث اعظم سے اکتساب فیوض کرکے پاپیادہ ہی مراجعت
فرمائے وطن ہوئے۔ اور نوبت یہانتک پہونچگئی۔ کہ نہ کھڑے رہنے کی طاقت رہی نہ بیٹھے
رہنے کی قوت۔ اطبائے حاذق نے اعادۂ طاقت کیلئے یہ تجویز کی کہ آپ کو ماشوں کی مقدار
سے کھانا کھلانا شروع کیا جائے۔ پھر بتدریج ماشوں ہی کی مقدار میں بڑھایا جائے۔ آپ کے
خلیفۂ اوّل و اخص مولانا شاہ محمد اسمٰعیلؒ اس خدمت پر مامور ہوئے طبع اقدس کی صفائی کی

یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ رات کو معینہ مقدار سے ایک ماشہ کم کھانا دیا گیا۔ اور دوسری مرتبہ ایک ماشہ زائد۔ دونوں مرتبہ آپ نے بتادیا کہ آج تمنے کھانا کم دیا تھا۔ اور آج زیادہ۔ پھر فرمایا۔ کہ ایسا مت کیا کرو۔ ہماری عبادت میں فرق آتا ہے۔

ایک مرتبہ مہم میں شاہ عبدالحکیمؒ کے عُرس پر آپ تشریف لائے۔ خانقاہ کے سامنے قوالی ہورہی تھی طالبین و شائقین کا ہجوم تھا۔ شیخ کامل شاہ عبدالعظیم پانی پتیؒ قبلہ و کعبہ شاہ عبدالعظیم مجذوب سالک مولانا شاہ محمد اسمٰعیل اور خود حضرت نانا صاحب شاہ محمد رمضان نیز دیگر حضرات بزرگوار علیہ الرحمۃ رونق افروز مجلس تھے۔ سوز و گداز کا بازار گرم تھا۔ ذوق و شوق کا دریا لہرا رہا تھا۔ کہ اتنے میں آپ اُٹھے۔ اس میدان میں ایک نیم کا درخت تھا۔ اس کی ایک شاخ اپنے دست مبارک میں پکڑلی اور عجیب انداز سے فرمانے لگے۔ **دوہا**

ڈھونڈ پھرے بندرابن کاشی وہ نہ ملے جنکے ہم داسی ؎

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ساری محفل پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ کوئی دل ایسا نہ رہا جو موم کیطرح نہ پگھل گیا ہو۔ اور کوئی آنکھ ایسی نہ رہی جو اشکبار نہ ہوئی ہو۔

استفاضہ از میر فتح علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے عارف و عامل کامل تھے۔ اور نسبًا سید۔ جب حضرت شاہ محمد رمضانؒ آپکی خدمت میں پہونچے ہیں۔ تو آپنے انکی جوہرِ قابلیت کو بروئے مکاشفہ دیکھکر بکمال توجہ اپنے طریقہ کی بہمہ وجوہ اجازت اور خلافت عطا فرمائی۔ حضرت قبلہؒ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے تلقین کردہ اشغال میں سے **یامحیی** کی کشود ہمیں اٹھارہ روز میں ہو گئی۔

استفاضہ از سیّد غلام قطب الدین فرخ آبادیؒ

آپ قلندری خاندان کے باکمال بزرگ تھے۔ اور اپنے زمانہ کے جملہ مجاذیب کے شاہ ولایت

تھے۔ آپ سے **سلسلۂ قادریہ قلندریہ** کی اجازت عطا ہوئی۔ حضرت قبلہؒ فرمایا کرتے تھے کہ توحید وجودی کی عدمِ شناسی کا خار میرے دل سے حضرت سید غلام قطب الدین فرخ آبادیؒ نے نکالا۔ اور انہیں کے فیض صحبت سے مجھے تذکرہ وحدۃ الوجود پرجوش۔ رقت اور ولولہ حضرت پیر و مرشد کی طرح ہونے لگا۔ کتاب موسوم بہ **شغل مبدا و معاد** نثرِ ہندی میں مجھے اور چند دیگر مریدین کو تعلیم فرمائی۔ آپ نماز عصر اور مغرب کے درمیان ہمیشہ حالت جذب میں رہا کرتے تھے۔

جس طریق پر آپ سے استفاضہ کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ وہ بھی مفیض اور مستفاض دونوں کی قابلیت اور کمال کی بیّن دلیل ہے۔ یعنی حضرت قبلہ شاہ محمد رمضانؒ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر مراقب بیٹھے تھے۔ اسی حال میں آپنے پیر و مرشد سید عبدالعظیم گیلانی پانی پتی کو تشریف لاتے دیکھا۔ مراقبہ سے سر اٹھاکر روضہ انور کی طرف نظر کی۔ تو پھر بھی یہی معلوم ہوا۔ کہ گویا شیخ کامل تشریف لارہے ہیں۔ آپ نے فوراً مراقبہ سے اُٹھکر مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اُدھر سے آپ کو فیوض و برکات عطا ہونے شروع ہوئے حتیٰ کہ حالتِ محویت طاری ہوگئی۔ اور بدستور مراقب ہوکر کمال ذوق و شوق میں اس مقدس روح کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہے۔ اور اپنی ہستی کو بالکل بھول گئے ؎

دیا اپنی خودی کو جو ہمنے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے اب نہ وہ پردہ میں پردہ نشین کوئی دوسرا اسکے سوا نہ رہا

جب اس حالت سے افاقہ ہوا۔ تو آپنے جانا۔ کہ یہ بزرگ اور ہی تھے۔ حضرت پیر و مرشد نہ تھے بلکہ اُنکی صورت میں متمثّل ہوکر فیض بخش ہوئے تھے۔ اس کے ایک عرصہ بعد جب حضرت قبلہؒ دہلی میں رونق افروز تھے۔ تو وہیں حضرت سید غلام قطب الدین فرخ آبادیؒ نے آپ کو اسرار باطنی و ظاہری کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ اور سلسلۂ قادریہ قلندریہ کی اجازت بخشی۔ نیز [illegible]

وہی بزرگ ہیں۔ جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر بصورتِ پیر و مرشد جلوہ گر ہوکر فیض بخش ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایک روز آپ سید صاحب ممدوح کے ہمراہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی درگاہ کو بغرض زیارت جارہے تھے۔ درگاہ میں پہونچکر سید صاحب نے فرمایا۔ کہ اسوقت کہو تو تمہارے واسطے ہوشیاری ہو جائے۔ اور کہو تو جذب۔ عرض کیا کہ ہوشیاری۔ چنانچہ آخر عمر تک آپ کے حالات و مقالات سے ہوشیاری کا ہی صدور و ثبوت ہوتا رہا۔

استفاضہ از حضرت شائستہ خاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ذات بابرکات سے بھی حضرت شاہ محمد رمضانؒ مستفیض ہوئے۔ چنانچہ **طریقۂ احمد** اور **شغل آفتاب** وغیرہ کی تعلیم آپ ہی سے ہوئی۔ آپ کے اوصاف و کمال کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ کہ اُس جوہرِ قابلیت کو آپ نے بھی تاڑ لیا۔ جو خدا کی طرف سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو عطا ہوا تھا۔ جس سے آپ کا اہلِ نظر اور صاحبِ فراست ہونا اظہر من الشمس ہے۔

استفاضہ از شاہ ارادت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جو ابو العلائی سلسلہ کے ایک کامل و مکمل بزرگ اور قصبۂ بگڑ اسلام پور کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ ملک مارواڑ میں قصبۂ جھنجھنو کے متصل واقع ہے۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کو آپ سے **سلسلہ ابو العلائیہ** کی اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔ مگر کیفیتِ استفاضہ بھی عجیب ہے یعنی حضرت عبد القدوس گنگوہی کی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ نے حضرت قبلہ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ کہ مجھے بارگاہِ قدوسی سے حکم ہوا ہے۔ کہ طریقہ نقشبندیہ کا فیض شاہ محمد رمضان صدیقی مہمیؒ سے حاصل کرو۔ آپ نے فرمایا کہ سلوک نقشبندیہ کے دو طریقے ہیں۔ ایک مجددیہ دوسرا ابو العلائیہ۔ آپ کو کون سے طریقہ کی بابت ارشاد ہوا ہے۔ اسنے کہا کہ اسکی تو مجھے

خبر نہیں۔ نہ کوئی تصریح کیگئی ہے۔ فرمایا جاؤ۔ اب اس کے متعلق دریافت کرکے آؤ۔ صاحبزادہ موصوف چلے گئے۔ اور چند روز کے بعد واپس آکر عرض کیا۔ کہ سلسلہ ابو العلائیہ کا حکم ہوا ہے۔ آپ کو تعجب ہوا کہ اس سلسلہ کی تو ابھی تک مجھے بھی نسبت حاصل نہیں۔ تو اس کو کیا دوں۔ مگر خاموش رہے۔ کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ ان دنوں آپ دہلی میں مقیم تھے۔ اور وہیں حضرت شاہ ارادت اللہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ایک دن اثنائے ملاقات میں اشارتِ قدوسی کا بھی ذکر آگیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ تم ہم سے اس سلسلہ کی اجازت لیکر صاحبزادہ کو تعلیم کردو۔ یہ کہا اور فوراً بغیبتہ تمام طریقۂ مذکورہ کی تعلیم و تلقین اور اجازت و نسبت سے حضرت کو ممتاز کردیا۔ اس کے بعد آپنے صاحبزادہ موصوف کو داخل سلسلہ مذکورہ فرماکر حسب حال تعلیم اور تلقین فرمائی۔ اور مناسب شغل میں لگادیا۔ وہ اس کام میں ایسے محو ہوئے۔ کہ ہر وقت ایک حالت طاری رہنے لگی۔ جس کے وہ متحمل نہ ہوسکے۔ اور بیس روز بعد رحلت فرمائے دار البقا ہوئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بروایتِ دیگر حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے صاحبزادہ موصوف کو خلوت میں لیجاکر اور اپنے سامنے بٹھاکر اُن پر باطنی توجہ مبذول فرمائی جس سے اُن پر وفور لذت اور غلبۂ شوق کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بس یا اور؟ انہوں نے کہا کہ اور بھی۔ پس مکرر توجہ دی اور پوچھا کہ بس یا اور؟ عرض کیا کہ ہاں اور بھی۔ اسی طرح کئی مرتبہ آپ نے توجہ دی۔ اور وہ ہر مرتبہ ھَلْ مِنْ مَّزِیْد ہی پکارتے رہے۔ آخر تحمل نہ ہوا۔ اور اُسی ذوق و شوق میں عالمِ بقا کا رستہ لیا۔

کبتک رہے حباب گلا گھوٹ گھوٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو نہ ٹوٹ پھوٹ کر

الغرض جیسا کہ آپنے فرمایا تھا۔ کہ ابھی ہمارا حال ناتمام ہے۔ تو جگہ سے فیض ہونا ہماری تقدیر میں لکھا ہے۔ سو وہ اس طرح سے پورا ہوا کہ **اوّل** اپنے دادا شاہ عبد الحکیمؒ سے **دوم** اپنے

والد شاہ عبدالعظیم مجذوبؒ سالک سے۔ سوم حکیم سکھو اصاحبؒ چہارم شاہ غلام جیلانی رتبکی سے۔ پنجم میر فتح علی شاہ دہلویؒ سے ششم سید غلام قطب الدین فرخ آبادیؒ سے ہفتم حضرت شائستہ خاںؒ سے ہشتم حضرت شاہ ارادت اللہ صاحبؒ سے نہم فیض کلی حضرت سید عبدالعظیم گیلانی پانی پتیؒ سے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

استفاضہ از مجاذیبؒ

آپکی عادت تھی کہ ہر رنگ کے فقیر اور مجذوب سے ملتے تھے بقول ذوق ؎

خورشید وار دیکھتے ہیں سبکو ایک آنکھ
روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں

اور جہاں سے جو کچھ ملتا تھا۔ لینے کے واسطے لپک پڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ او مصئون ایسے تھے۔ کہ کسی فقیر اور صاحبِ کمال کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے اور گھبراتے نہ تھے۔ نہ کسی سے مرعوب ہوتے تھے۔ گروہ مجاذیب میں اگرچہ زیادہ تر کسی قسم کی شرعی پابندی نہیں ہوتی۔ مگر آپ کا کمال یہ تھا۔ کہ اُن سے ملتے۔ فیض بھی حاصل کرتے۔ اور اپنے اتباع شریعت میں سرِ مو فرق نہ آنے دیتے۔ جہاں کہیں ایسے خلاف شرع مجذوب یا فقیر سے ملنا آپکو غیر مفید اور مضر ہوتا تھا۔ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے روک دیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ وارالریاستہ الور میں ایک درویش مجذوب رسول شاہی مقیم تھے۔ بھنگ نوشی۔ شرابخوری۔ اور دیگر ممنوعاتِ شرعیہ ان کے معمولات میں داخل تھیں۔ باوجود اس کے قوت تاثیر و تایف کی یہ حالت تھی کہ ایک مولوی صاحب انکی فہمائش کیلئے گئے۔ اور جاتے ہی خود بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ آپ کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ یا اپنی قوت باطنی اور اپنے مفیضین پر ناز تھا۔ کہ اُن سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔ لوگوں سے پوچھا۔ کہ ان کے واسطے ہدیہ کیا لیجائیں۔ جو شئی انکو مرغوب ہو بتاؤ۔ سب نے عرض کیا۔ کہ انکو تو بھنگ افیون اور شراب بہت محبوب ہے۔ فرمایا کہ یہ اشیا تو شرعاً حرام ہیں۔ ہم نہ لیجائیں گے۔ بغیر ہدیہ ہی ملاقات کریں گے۔ پس تشریف لیگئے۔ درویش کے

مکان کے دروازہ پر پہونچے ہی تھے۔ کہ آپ کے جدِّ امجد شاہ عبدالحکیمؒ کی روح مبارک آپ کو دکھائی دی۔ جو کہہ رہی تھی۔ کہ فوراً اُلٹے پھر جاؤ۔ تمہارا حصّہ یہاں نہیں ہے۔ پس اُسیوقت واپس تشریف لے آئے۔

استفاضہ از مزارات

زندوں کے علاوہ آپ نے اولیائے کاملین کے مزارات سے بھی استفاضہ کیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ حضرت شاہ مبارز خاں علیہ الرحمۃ کے مزار پر بغرض استفاضہ حاضر ہوئے۔ جو مقام کلیانہ میں قصبہ مہم سے تقریباً بیس کوس جانب شمال واقع ہے پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً اور نوبت بنوبت بہ تقلید جدِّ امجد خود بارہ وفات کے موقعہ پر قدم شریف دہلی میں۔ نیز اجمیر۔ پاکپٹن پیران کلیر اور دہلی وغیرہ مقامات میں عرس کے موقعہ پر حاضر ہوتے رہے۔ اور انوار و برکات کے پھول چُنتے رہے۔ اس طرح سے آپکو چالیس اہل قبور سے استفادہ ہوا

کیفیت اشغال و مجاہدہ

علوم ظاہری کی تکمیل تو آپ فخر ہندوستان مولنٰنا شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے فیض تلمذ سے فرما چکے تھے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک بھی وہیں طے کر لیا تھا۔ بعد ازاں اور جہاں جہاں آپ کا حصّہ مقدر ہو چکا تھا۔ وہ لیا۔ نہ کوئی زندہ چھوڑا نہ اہل قبور۔ مجاذیب تک کا دروازہ بھی جا کھٹکھٹایا۔ اور ہر طرح کا فیض ہر جگہ سے پایا۔ پس سلاسل عالیہ میں سے کوئی سلسلہ باقی نہ رہا جس کے طریقہ اور شغل کی نسبت آپکو حاصل نہ ہوئی ہو۔ حتّٰی کہ مستند خاندانی اذکار و اشغال بھی مثلاً شغل آئینہ۔ شغل چراغ۔ اور شغل آفتاب۔ وغیرہ نیز دیگر اوراد و اعمال و مراقبات معہ فتوحات باطنی اربعین۔ نماز ذوق و شوق اور صلوٰۃ العاشقین آپ کی بیاض میں مندرج ہیں۔ جن سے طالبین صادقین اپنے اپنے حصّے

کرتے سے موافق وقتاً فوقتاً بہرہ یاب اور شادکام ہوتے رہتے ہیں۔

آپکے خدام خاص میں سے ایک نے رات کو چھپ کر دیکھا۔ کہ آپ ذکر جہداوی یا کوئی اور خاص ذکر جو اسوقت مجھے یاد نہیں رہا۔ کررہے ہیں۔ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی بیٹھ جاتے ہیں۔ یہانتک کہ آپکی بیٹھکوں کا شمار آٹھ سو تک پہونچا۔

ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں فرمایا۔ کہ جب ہم **ذکر ارّہ** کیا کرتے تھے۔ اور نان ونخود کھایا کرتے تھے۔ تو ڈھائی ڈھائی سیر لہو ناک کی راہ بہ جایا کرتا تھا۔

حضرت والد ماجدؒ بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ کسی مجذوب سے آپکی کچھ بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد آپ تین دن تین رات برابر اپنے پیرومرشد کے مزار پر مراقب رہے آپ کے حسب الحکم نماز کے وقت خادم مطلع کر دیا کرتا تھا۔ اور آپ ادائے نماز کے بعد پھر مراقب ہو جاتے تھے۔

ظاہری شان و صورت یعنی حلیہ

آپ کا قد درمیانہ تھا یعنی نہ اندازے زائد طویل تھا نہ پست۔ مگر کسی مجمع میں جب آپ رونق افروز ہوتے تھے۔ تو سب میں ممتاز اور سربلند آپ ہی دکھائی دیتے تھے۔ چہرہ پر ایک شان اور مردانہ ہیبت برستی تھی۔ رنگ سرخ گندم گوں۔ پیشانی چوڑی۔ ابرو کشادہ۔ ریش مقطع تھی۔ اور سینہ فراخ۔

جب آپ حج بیت اللہ کے واسطے مکہ معظمہ تشریف لیگئے ہیں۔ تو آپ کے رفقا میں سے جو صحیح و سلامت آگئے تھے۔ وہ بیان کیا کرتے تھے۔ کہ آپ کی وجاہت و شباہت کو دیکھکر بدّو اور دیگر اہل عرب آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ کہ "یہ ہندوستان کا بادشاہ ہی فقیروں کے بھیس میں یہاں آیا ہے"۔ شاہ غلام جیلانی بھی رشکیؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہزاروں کوس کا سفر کیا۔ اچھی سے اچھی مخلوق الٰہی نظر سے گذری۔ مگر شاہ محمد رمضان کی ظاہری صورت کا

بھی کوئی انسان نہ دیکھا۔ باطنی اوصاف تو کجا۔

باطنی سوز و گداز کی کیفیت اور علو مرتبت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ حالت مشہور ہے۔ کہ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت غلبۂ خشوع کی وجہ سے رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ کہ یہ شہنشاہِ حقیقی کا دربار اور اس کے ساتھ ہمکلامی کا وقت ہے۔ جب آیات مواعید پر پہونچتے۔ تو آنکھیں اشکوں سے تر ہو جاتیں۔ اور فرماتے کہ کاش میں گھاس پھوس ہوتا۔ تو ان مواعید سے بچ جاتا۔ یہی کیفیت اور یہی سوز و گداز آپ کو وراثت صدیقی میں ملا تھا۔ **قادری و دیدار** نابینا حافظ قرآن آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ جب کبھی آپ کے حسب الارشاد وہ آیات قرآنی پڑھتا۔ تو آپ پر کمال وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ اور یہی حالت سماع میں ہوتی تھی۔ آپ کے علو مرتبت کی کسی کو کیا خبر ہے

میان عاشق و معشوق رمزیست ۔۔۔ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

مگر بقول "ولی را ولی مے شناسد" آپ کے معاصرین اہل اللہ نے جو کیفیت آپکی بیان فرمائی ہے یا خود زبان مبارک سے کبھی بطور رموز تکلم نکل گیا ہے۔ صاحبان بصیرت اس سے آپکی علو مرتبت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً

اظہار حال برموز تکلم:۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے آپکے پیرومرشد سید عبدالعظیم گیلانیؒ پانی پتی کے مراتب و مدارج کا حال پوچھا۔ فرمایا کہ انکے رتبے اور درجے کی تو مجھے کیا خبر۔ کوئی انہیں کا ہمپایہ ہو تو جانے۔ مگر اتنا جانتا ہوں۔ کہ ان کا ایک ادنیٰ ترین مرید حوض کوثر سے وضو کر کے بیت المعمور پہ نماز پڑھتا ہے۔

ادنیٰ ترین کے لفظ سے جو ضمیر متکلم کیلئے موضوع اور موقعہ انکسار کے لئے مقرر ہے صاف ظاہر ہے۔ کہ اشارہ کس طرف تھا۔ سمجھنے والے سمجھ گئے۔ ان سمجھوں کو سمجھائیگی

ضرورت نہیں۔ کہ کسی غیر کو ایسے حقیر خطاب سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں ‌ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مولوی شاہ عبد القادر دہلویؒ کی نظر میں آپ کا مرتبہ

:۔ مولوی عبد الحئی صاحب مفتی بھوپال نے ایک مرتبہ حضرت والد بزرگوار سے بیان کیا۔ کہ میں ایکدن شاہ عبد القادر دہلویؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور بھی کئی شخص بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت شاہ محمد رمضانؒ تشریف لے آئے۔ مولٰنا ممدوح نے تخلیہ کا حکم دیا۔ ہم سب حاضرین باہر ہو گئے۔ اور حجرے کے کواڑ بند کر دیئے گئے۔ دونوں حضرات یعنی استاد و شاگرد کی باتیں ہونے لگیں۔ ہم نے آپکی مکالمت کو سُننے کے لئے دروازے پر کان لگا دیئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خوب آئے۔ میں تو تمہارا منتظر ہی تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ عاجز بھی کچھ عرض خدمت کرنا چاہتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ پہلے تم ہی کہو۔ آپ نے عرض کیا۔ کہ نہیں اوّل حضور ہی ارشاد فرمائیں۔ پس آپنے فرمایا۔ کہ اب کی مرتبہ ہمیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بہت دیر میں ہوئی۔ وجہ تاخیر کی بابت دربار نبوی میں عرض کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا۔ کہ ”اب ہمارا ہندوستان میں آنا کم ہوگا“۔ اس کے بعد شاہ محمد رمضان صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ یہی معاملہ اس خاکسار کے ساتھ گذرا ہے۔ اسیکی نسبت جناب سے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ بعد ازاں بہت آہستہ آہستہ باتیں ہونے لگیں جنکو ہم نہ سُن سکے۔

بارگاہ نبوی میں آپکا قُرب

:۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک مردِ بزرگ صاحب نسبت مولٰنا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پوچھنے لگے کہ شاہ محمد رمضانؒ صاحب کا مسکن اور جائے قیام کہاں ہے۔ مولٰنا صاحب نے دریافت کیا کہ تم کس غرض سے پوچھتے ہو۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ میں نے انکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں دیکھا ہے۔ کہ حضور ہلا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ کون بزرگ ہیں جنکو حضور اقدس میں یہ قُرب حاصل ہے۔ بارگاہ نبوی سے ارشاد ہوا۔ کہ

اُن کا نام شاہ محمد رمضان ہے۔ اور ابھی زندہ ہیں۔ پس میں انکی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ مولٰنا اسحٰق صاحب نے فرمایا۔ کہ وہ تو اب شہید ہو چکے۔ مگر تم نے یہ بھید اب کہا سو کہا اور کبھی سے مت کہنا۔

غوثِ اعظمؓ کی جناب میں آپ کا قُرب

:۔ شاہ غلام جیلانی رہتکی جن کا ذکر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ باوجود اسقدر صاحبِ کمال ہونیکے کسی کو اپنے حلقۂ ارادت میں نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ ساری عمر میں چند علماء کے سوا کسی کو مرید نہیں کیا۔ اسی بنا پر ایک روز حضرت قبلہ شاہ محمد رمضانؒ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ کہ ”میاں تم لوگوں کو مُرید بہت کرتے ہو۔ تمہیں کچھ عاقبت کا بھی خیال ہے۔ چاہیئے کہ مُرید کم کیا کرو“۔ آپ نے اُسی روز سے مُرید کرنا بالکل ترک کر دیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ آپ کو اجمیر جانیکا اتفاق ہوا۔ درگاہ شریف میں املی کے نیچے ایک طرف کو آپ رونق افروز تھے۔ کہ ایک مردِ بزرگ صورت آپ کے سامنے آکر مؤدّب بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ مجھے بیعت کر لیجیئے۔ آپ نے فرمایا کہ مینے مرید کرنا قطعاً چھوڑ دیا ہے۔ یہ سُنکر وہ رونے لگے۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ وہ کہنے لگے۔ کہ چالیس سال کا عرصہ ہوا۔ مولٰنا فخر الدین صاحب نظامی اورنگ آبادی دہلوی اسی مقام پر رونق بخش تھے۔ اور مینے اُن سے بیعت کی درخواست کی۔ تو فرمایا کہ میں تمہارا پیر نہیں ہوں بلکہ تمہارا پیر وہ ہے۔ جو میرے بعد اسی جگہ بیٹھا ملیگا۔ پس میں جب سے برابر دیکھتا آرہا ہوں کوئی بزرگ اس مقام پر بیٹھا نہیں پایا۔ صرف آج آپ کو اس جگہ تشریف فرما دیکھا ہے۔ میں خوش ہوا تھا۔ کہ آرزو بر آئی۔ مگر افسوس تقدیر جاگ کر پھر سو گئی۔ یہ ماجرا سُنکر آپنے اس شخص کو بیعت سے مشرّف فرمایا۔ پھر جب آپ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ کیفیت بیان کی۔ تو اُنہوں نے دریافت کیا۔ کہ تمنے مرید کرنا کیوں چھوڑ دیا۔ کیا تمکو ہماری اجازت کافی نہیں۔ جو دوسروں کے کہنے سے فیض رسانی بند کرتے ہو۔ اگر مزید تشفّی کی ضرورت ہے تو وہ بھی ہو جائیگی۔ چنانچہ اسی رات کو آپ خواب میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ گویا حضرت پیران پیر

غوثِ اعظمؒ کی مجلس اقدس میں بیٹھے ہیں۔ اور حضرت غوث الثقلین آپکو مخاطب کرکے فرما رہے ہیں۔ کہ محمد رمضان۔ تم نے مرید کرنا کیوں چھوڑ دیا۔ تمہاری پیری مریدی دوسروں کی سی نہیں ہے۔ تمہیں خاص ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہم نے تمکو اجازت دی جو کوئی تمہارے مریدوں میں سے تمہارے طریقہ پر رہیگا اور اسی پر مریگا۔ اس کے واسطے بہشت کے ہم ضامن ہیں۔ فقط۔ رات کو تو یہ خواب دیکھا۔ صبح کو حضرت پیرومرشد نے فرمایا۔ کہ کہو اب بھی تمہاری تشفی ہوئی یا نہیں عرض کیا کہ ہوگئی۔

دربارِ نبوی کی طرف سے اظہارِ شفقت:۔ حاجی نور محمد صاحب کامبوہ بیان کرتے تھے۔ کہ آپ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر آٹھ شبانہ روز مراقب رہے۔ ضروریاتِ طبعی کے وقت ایک خاص شخص آپ کو مطلع کر دیا کرتا تھا۔ اس مراقبے میں عجیب و غریب معاملات آپ پر منکشف ہوئے۔ ایک روز آپ بیہوش ہوگئے اور تڑپنے لگے۔ ہم فی الفور آپ کو وہاں سے قیامگاہ پر لے آئے۔ اور آپ ایک وقفہ کے بعد بصد مشکل ہوش میں آئے۔ تو میں نے دست بستہ عرض کی۔ کہ حضور واردات کس طرح گذری تھی۔ فرمایا کہ ایک وجیہ نورانی صورت نے روضۂ انور سے نکل کر مجھے اپنی بغل میں لے لیا۔ اور کمال شفقت سے ایسا دبایا۔ کہ میں بیہوش ہو کر بے خبر ہو گیا۔

ایک مجذوب کا قول:۔ ملا طاہر ایک مجذوب راجگڈہ متصل چھاؤنی بھوپادر میں رہتے تھے۔ ابھی آپکی شہادت کی ظاہری خبر آئی بھی نہ تھی۔ کہ ایک دن انھوں نے آپکی بنسبت فرمایا۔ کہ ایسا طالبِ حق میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ باوجودیکہ چھ ماہ سے مرتبۂ غوث پر فائز تھے۔ مگر اسرارِ الٰہی کا انکشاف بیتاب کئے دیتا تھا۔ ایک مرتبہ شہادت کا باقی رہ گیا تھا۔ سو وہ بھی جا لیا۔

آپ کے پیرومرشد کا قول:۔ ایک مرتبہ آپ میاں عبداللہ شاہ مرحوم والی مسجد شاہ گنج دہلی میں فروکش تھے۔ یکایک ایسے بیمار ہوئے۔ کہ آپکی ہائے پکار کی آواز دور

دور جانے لگی۔ حکیم اسد علی صاحب جو رشتہ میں آپکے یکجدی عزیز تھے۔ اور آپکی ایک ہمشیرہ زادی بھی اُن سے منسوب تھی۔ حاضرِ خدمت تھے۔ اور اُنکے سوائے دیگر اطباء حاذق بھی معالج تھے۔ مگر کسی کا علاج کارگر نہ ہوتا تھا۔ اور آپکی بے چینی و بیقراری میں بال برابر فرق نہ آتا تھا۔ حضرت پیرومرشد سید عبد العظیم گیلانی پانی پتیؒ بھی رونق افروز تھے۔ اُنہوں نے ظاہری معالجہ کو بے سود دیکھکر باطنی مداوا شروع کیا۔ یعنی ختمِ قادری پڑھ رہے تھے۔ اور روتے ہوئے فرما رہے تھے "بارالہا۔ اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھے گا۔ کہ اے عبد العظیم تو دنیا سے ہمارے واسطے کیا تحفہ لایا۔ تو میرے پاس تو یہی ایک محمد رمضان ہے۔ اس سے بڑھکر مجھ عاجز کے پاس تیری درگاہِ عالی کے لائق کچھ نہیں،، آخر پیرومرشد کی توجہات سے شفا پائی۔ اسی موقعہ پر حکیم اسد علی صاحب حضرت پیرومرشدؒ کی بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔

آپ کا مقام و مرتبہ آپکے پیرومرشد کی زبانی:۔ حضرت والد ماجد بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ آپ اپنے پیرومرشد کے ہمراہ موضع موٹھ لوہاری کو تشریف لیگئے جو ضلع حصار میں مہم سے جانبِ جنوب تقریباً پندرہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضرت پیرومرشد کے مرید میاں بو علی بخش اور خلیفہ نصیر الدین بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ایک روز آپ گاؤں میں بعض مستورات کی درخواست پر انکی تلقین و ہدایت کیلئے تشریف لیگئے۔ آپکی غیبت میں چند تربوز ہدیۃً آئے۔ حضرت پیرومرشد نے لیکر رکھ لئے۔ میاں بو علی بخش نے عرض کیا کہ انکو تقسیم کر دیجئے۔ فرمایا کہ محمد رمضان کو آجانے دو۔ وہی آکر تقسیم کریں گے۔ میاں بو علی بخش خاموش ہوگئے۔ مگر چپکے سے خلیفہ نصیر الدین سے کہنے لگے۔ کہ حضرت پیرومرشد شاہ محمد رمضان کی بہت خاطرداری کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ ایک خاندانی پیرزادہ ہیں۔ ورنہ پیربھائی ہونیکے لحاظ سے تو ہم سب برابر ہیں۔ آج دیکھیں گے اگر پیرزادہ ہونیکے علاوہ اُن میں کچھ اور بھی کمال ہوگا تو مجھے وہی تربوز دیں گے۔ جو میں

پسند کر لیا ہے۔ خلیفہ صاحب سُنکر خاموش رہے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت پیر و مرشد نے فرمایا۔ کہ یہ تربوز رکھے ہیں۔ حاضرین میں تقسیم کردو۔ آپ نے سب سے پہلے وہی تربوز جو میاں بو علی بخش نے پسند کیا تھا۔ اپنے زانو تلے دبا لیا۔ اور باقی سب تربوز دو دو آدمیوں میں ایک ایک کے حساب سے بانٹ دیے۔ صرف آپ اور میاں بو علی بخش رہگئے۔ تو آپنے وہی تربوز اُٹھا کر انکو فرمایا۔ کہ آؤ۔ بھائی یہ تمہارا اور ہمارا حصّہ ہے۔ حضرت پیر و مرشد کو جب میاں بو علی بخش کے خطرہ اور خام خیالی کا علم ہوا۔ تو آپنے انکو تنبیہ فرمائی۔ کہ خبردار آئندہ ایسا خیال مت کرنا۔ تمنے کیا محمد رمضان کو نرا پیرزادہ ہی سمجھ رکھا ہے۔ ابھی ان کے مرتبہ و مقام سے تم واقف نہیں ہوئے ع

قدرِ زر زرگر بداند یا بداند جوہری

اخوند عبد الغفور صاحب سواتؒ بنیری کا آپکے حق میں رطب اللسان ہونا

آپ قادری رزاقی سلسلہ کے ایک باکمال بزرگ تھے۔ باشندگانِ ہریانہ میں سے بعض لوگ جو انگریزی رسالوں میں نوکر تھے۔ اور حسب قاعدہ رسالوں کی تبدیلی کے وقت انکو اخوند صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ تو وہ لوگ بیان کرتے تھے۔ کہ اخوند صاحب ممدوح آپ کا نام نامی اور اسم گرامی سُنکر بیحد تعریف فرمایا کرتے تھے۔

آپکی نسبت مولوی شاہ عبد العزیز دہلویؒ کا خیال: حضرت والد ماجد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خود حضرت قبلہ شاہ محمد رمضانؒ نے فرمایا۔ کہ ایک روز میں مولٰنا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ بعض حالات اور واردات کی نسبت میں اُن سے پوچھنے لگا۔ وہ میرے سوالات کا جواب تسلی بخش دیتے رہے۔ پھر فرمایا۔ کہ بس اب تم دریافت کر چکے۔ میری بھی سنو۔ کچھ ماہ سے برابر میں تم پر ...... کا انکشاف دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ مینے جو اسرار اور سوالات مولٰنا علیہ الرحمۃ سے دریافت کئے۔ تو امتحان مقصود نہ تھا۔ نہ اس سے پہلے مجھے معلوم ہی تھا کہ آپ اس مرتبہ پر فائز ہیں۔ پس اسی روز سے باہم رازداری ہو گئی۔ یہانتک کہ ایک روز حضرت سیّد غلام قطب الدین فرخ آبادی نے فرمایا۔ کہ میاں محمد رمضان آج حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین کی درگاہ میں ایک ابدال تشریف لائینگے۔ اگر زیارت کا شوق ہو۔ تو ہمارے ساتھ چلو۔ پس آپ اُسیوقت اُٹھکر ہمراہ ہو لئے۔

ایک شخص جو کوچۂ اہل اللہ سے محض نابلد تھا۔ مولٰنا شاہ عبد العزیز کے پاس جاکر کہنے لگا کہ تعجب ہے کہ شاہ محمد رمضانؒ جیسے بزرگ باوجود اس شانِ تقدس کے جو انکو حاصل ہے۔ بسنتوں میں جانے لگے۔ تو عوام الناس کا کیا حال۔ مولٰنا صاحب نے سُنکر بجز سکوت کے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز جب آپ مولٰنا ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اتفاق سے معترض صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ کہ مولٰنا ممدوح نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ یہ تو کہو۔ کل جس کام کیواسطے تم حضرت سلطانؒ کے بھانجے کے مزار پر بسنت میں گئے تھے وہ کام ہوا بھی یا نہیں۔ آپنے عرض کیا کہ ہو گیا۔ فرمایا کہ الحمد للہ علی ذالک۔

ایضًا سرکار انگریزی کی اوائل عملداری میں دو انگریز مسٹر لونی اختر اور مسٹر فریڈ صاحب بڑے شریف اور خاندانی حاکم تھے۔ دہلی ان کا صدر مقام تھا۔ دونوں صاحبان اکثر مولٰنا شاہ عبد العزیز کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک روز مولٰنا ممدوح نے وعظ میں صحابہ کرام خصوصًا خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب بیان فرمائے۔ اختتام وعظ پر مسٹر اختر لونی نے خدمتِ عالی میں عرض کیا کہ اب بھی کوئی شخص امتِ محمدیہ میں ایسا ہے۔ جو **اصحابِ رسول اللہ** کے مشابہ ہو۔ فرمایا کہ ہاں ہے۔ عرض کیا۔ کہ ہمیں بھی انکی زیارت کراؤ۔ آپ نے ایک تاریخ مقرر کرکے وعدہ کر لیا اور حضرت قبلہ شاہ محمد رمضان کو مہم سے بلوالیا۔ جب آپ حاضرِ خدمت ہوئے۔ تو زنانہ مکان میں پردہ کراکر وہیں آپ کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور آپکو بلوانیکی وجہ اور سبب

کچھ نہ ظاہر کیا۔ یہانتک کہ مدرسہ جو مولانا صاحب ہی کے نام سے مشہور تھا۔ نیز مسجد تمام علماء صلحا۔ فقرا۔ امرا۔ شرفا اور خاص وعام اشخاص سے بھرپور ہو گئی۔ کیونکہ مثلِ صحابہ کرام کی زیارت کے لئے بے شمار مخلوق اُمڈ آئی تھی۔ انہیں میں مسٹر اختر لونی بہادر بھی شامل وشریک تھے۔ اتنے میں جناب مولانا صاحب حضرت قبلہ شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر سے نکلے۔ اور مجمع میں تشریف لاکر سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ "صاحبو۔ فقیر نے جو وعدہ کیا تھا۔ کہ آج کی تاریخ ایک بزرگ کی زیارت کراؤنگا جو **اصحاب رسول اللہ کے مشابہ** ہوگا۔ سو وہ وعدہ پورا کرتا ہوں۔ وہ مثل اصحابِ کرام یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی مہی ہیں"۔ مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثلِ اصحاب درسیرت یا درصورت۔ فرمایا کہ "ہم درصورت وہم درسیرت"۔ جو اصحاب سید المرسلین کی زیارت کا ثواب لینا چاہے۔ وہ انکی زیارت کرلے"۔ اسوقت حضرت قبلہ پر رقت طاری ہو گئی۔ اور ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ بڑے خوش نصیب ہو۔ بشارتِ عظمیٰ پائی ہے۔ خوش ہونا چاہئے نہ کہ رونا۔ فرمایا کہ یہ صرف حضرت مولانا صاحب کا حسن ظن ہے اگر بالفرض یوں ہی ہے۔ جب بھی ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھ دیا جائے۔ تو وہ روئے نہیں تو کیا کرے۔

مضمونِ مذکورہ بہت کچھ تشریح طلب ہے۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا۔ تو میں اس کی تشریح کرتا۔ لیکن عقلمند آدمی اب بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ ہر دو حضرات میں کس قدر رازداری تھی۔ اور دونوں حضرات کس قدر ایک دوسرے کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے۔ ایک نے دوسرے کو اصحابِ رسول اللہ کا مشابہ بتایا۔ اور دوسرے نے گھوڑے اور ہاتھی کی مثال بیان کر کے اپنے اور اسکے مدارج کا فرق بتادیا۔ مطلب یہ کہ دونوں حضرات اصحابِ کرام کا نمونہ تھے۔ اور ایک سے ایک بڑھکر۔ یہی شان تھی صحابہ کرام کی

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی دہلوی ؒ سے جب آپکی ملاقات ہوئی تو

وہ بکمال احترام پیش آئے۔ اثنائے گفتگو میں مسئلہ وحدۃ الوجود کا ذکر آگیا۔ تو انہوں نے آپ کے ساتھ کامل اتفاق کیا۔ اور آپ کے قول کی تصدیق فرمائی۔

حضرت شاہ عبدالکریم صابری چشتی گنگوہی ؒ جو اکملِ ترین زمانہ تھے۔ جب اپنے بیٹے مولانا مولوی محمد غوث صاحب ؒ کو خود اجازت وخلافت جمیع سلاسل سے مشرف وممتاز فرما چکے۔ تو فرمایا۔ کہ تم کو سلسلۂ قادریہ کا فیض خاندانِ قادری کے باکمال بزرگ شاہ محمد رمضان صدیقی نامی سے ہوگا۔ منتظر رہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی مولوی محمد غوث صاحب ؒ اعظم ترین خلفائے آنجناب ہوئے۔

حضرت شاہ سلیمان تونسوی ؒ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کے باکمال بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ کے عُرس پر دونوں حضرات کی ملاقات ہو گئی۔ صوفیائے خلوت میں رازدارانہ مسائل خوب زیرِ بحث رہے۔ بعدازاں حضرت تونسوی ؒ نے آپ کی نسبت فرمایا۔ کہ "ہندوستان میں یہ ایک ہی شخص ہے"۔

رموزِ عاشقاں عاشق بداند:۔ دہلی میں ایک درویش کمبل پوش مستانہ اور آزادانہ حالت میں رہنے والے بزرگ تھے۔ ایکدن حضرت قبلہ شاہ محمد رمضان ؒ جبکہ فقیر راقم کے والد ماجد بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ بہلی میں سوار ہو کر قلعہ میں ایک ضیافت کی تقریب میں جارہے تھے۔ اور لاہوری دروازے سے داخل ہونیکا ارادہ تھا۔ چاندنی چوک کے قریب درویش موصوف نے آکر آپکی بہلی پر ہاتھ رکھدیا۔ آپ نے گاڑی بان کو ٹھیرانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر تک درویش موصوف نگاہ سے نگاہ ملاکر فتحپوری کو چلدیئے۔ زبانی مکالمت کی نوبت ہی نہ آئی۔ جب قلعہ کے قریب پہونچے تو آپنے گاڑیبان کو فرمایا۔ کہ دہلی دروازہ سے اندر چلو۔ پس وہ دہلی دروازہ کی طرف گاڑی لیچلا۔ جب قلعہ میں داخل ہو کر منزلِ مقصود پر پہونچے۔ تو میزبان عذر کرنے لگا۔ کہ جناب کو بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ کیونکہ میں لاہوری دروازہ سے داخل ہونیکو عرض کر آیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ چونکہ صاحب چیف کمشنر بہادر

بادشاہ سلامت کی ملاقات کیلئے اسی دروازہ سے آنے والے ہیں۔ لہذا عام آمد و رفت کی
اس دروازہ سے قطعی ممانعت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ ہمیں بھی خبر لگ گئی
تھی۔ اس لئے ہم سیدھے دہلی دروازہ کو آگئے۔ اُدھر گئے ہی نہیں۔ والد بزرگوار فرماتے تھے
کہ سوائے کمبل پوش درویش کے ہمیں رستہ بھر کسی سے ملنے اور بات چیت کرنے کا اتفاق
ہی نہیں ہوا۔ بس وہ ضرور آپ کے مقام و مرتبہ سے واقف اور حضرات اولیاء اللہ
کے خدام میں سے ہونگے جو ؎

آنکھوں آنکھوں میں کہہ گئے سب کچھ
کانوں کانوں کسیکو خبر نہ ہوئی۔

آپکی نسبت مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی رح کا قول:۔ جو مخدوم زادگانِ قصبہ
کیرانہ کے شریف خاندان کے ممبر اور نسباً شیخ عثمانی تھے۔ جامع منقول و معقول اور واقفِ
فروع و اصول۔ ماہر جمیع علوم خصوصاً فن مناظرہ کے اکمل ترین بزرگ تھے۔ عرفان۔ ورع
تقوی۔ اور توکل۔ و تجرّد میں جو رتبہ آپ کو حاصل تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ ہر شخص اس سے
واقف ہے یہاں تک کہ بقول ثقات آپ کو روح مبارک علیہ الصلوۃ والتسلیم سے نسبتِ اویسیت کا
بھی فیض حاصل تھا۔ **فقیر مؤلف** ایام غدر سے پہلے دہلی میں علوم دینیات کی تحصیل کیلئے آپکے
تلمذ کے شرف سعادت بخش سے مشرف و ممتاز رہ چکا ہے۔ اسی اثنا میں آپکو میں نے حضرت قبلہ
شاہ محمد رمضان رح کی مدح و ثنا فرماتے ہوئے بارہا سُنا ہے۔ ایک مرتبہ ایک پیرزادہ صاحب نے
آپ سے دریافت کیا کہ میں کونسی کتاب دیکھا کروں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کون کونسی
کتابیں ہیں۔ اُنھوں نے چند کتابوں کے نام لئے جن میں سے ایک **آخرگت** بھی تھی۔
جو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے۔ پس مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ "آخرگت دیکھا
کرو۔ اس وقت ایسی کتاب کوئی اور تالیف نہیں ہوئی۔ اور شاہ محمد رمضان رح ایسے صاحب
فیض تھے۔ کہ متاخرین میں سے کسی سے ایسا فیض جاری نہیں ہوا۔ چنانچہ ہریانہ جیسے
دار الشرک اور کفرستان سے شرک و کفر کو جڑ بنیاد سے اُکھیڑ پھینکنا انہی کا کام تھا۔"

جناب مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی اور انکے شاگرد رشید
مولوی **لطف اللہ** صاحب حال مقیم علی گڈھ ہر دو حضرات اعلیٰ پایہ کے فضلائے عظام میں
سے ہیں۔ مدرسۂ فیض عام کانپور اور ندوۃ العلما آپکی توجہات برکات بخش کے نتائج ہیں
فقیر مؤلف کو ہر دو حضرات سے شرف تلمذ ہے۔ جب میں مفتی صاحب کی خدمت میں بغرض
تحصیل علم حاضر ہوا۔ تو حضرت قبلہ کے ساتھ میرے انتساب کا حال سُنکر فرمایا کہ بلا شبہ
وہ اس زمانہ کے ولی اللہ تھے۔ پھر میرے متعلق مولانا صاحب کو تاکید اکید فرمائی
مولانا صاحب بھی آپکو **با کمال اہل اللہ** جانتے تھے۔

فاضلِ اجل۔ عالمِ بے بدل جناب مولوی **فیض الحسن صاحب** سہارنپوری جو اپنے
زمانہ کے مسلم الثبوت فقیہ اور محدث نیز اعلی درجہ کے استاد تھے۔ اس خاکسار کو آپ سے
بھی نسبت شاگردانہ حاصل ہے۔ آپ حضرت قبلہ شاہ صاحب رح کو ظاہراً **عالم اجل** اور باطناً
صاحب فیض سمجھا کرتے تھے۔ اور آپ کے نسب و طریقہ نیز آپ کے ساتھ نسبت رکھنے والوں
کو اچھی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

جناب اخوند صاحب جو بڑے زاہد و عابد اور ایک مشہور صاحبِ نسبت بزرگ
تھے۔ نسبتاً اخوند عبد الغفور قادری سوات بُنیری کے خلیفہ تھے۔ جب موضع گوندنی ضلع علی گڈھ
میں آپکا قیام تھا۔ تو ہمراہی مولانا فیض الحسن صاحب ممدوح الصدر آپکی خدمت میں مجھے حاضر
ہونیکا اتفاق ہوا۔ آپنے مولانا ممدوح سے میری بابت پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے مولانا صاحب نے
جواب دیا۔ کہ شاہ محمد رمضان رح کا حقیقی نواسہ ہے۔ حضرت قبلہ کا نام سُنتے ہی اخوند صاحب نے
فرمایا۔ **اللہ اکبر۔ وہ تو ہمارے زمانہ کے صحابی تھے۔**

علاوہ ازیں آپکے جد امجد شاہ عبد الحکیم مجذوب کا آپکی خبر وفات سُنکر یہ فرمانا کہ "افسوس
آج ہمارے گھر کا دروازہ بند ہو گیا۔" جو آگے بعض احوال شہادت مذکور ہوگا۔ یہ سب مذکورہ بالا
فضلائے دہر و صوفیائے عصر کے خیالات و مقالات اس مطلب کیلئے کافی ہیں۔ کہ صاحبانِ بصیرت

آپ کے علوِ مرتبت کا پتہ لگا سکیں۔ میں صرف ایک واقعہ اور درج کرکے جس سے آپکے علوِّ
مرتبت اور کامل ومکمل ہونیکا بخوبی پتہ لگ جائیگا۔ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔
حاجی محمدؒ شاہ ولایتی کو جو آپ کے مخلص مُرید اور خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ آپنے ایک ایسا شغل تعلیم
فرمادیا۔ جسکے سبب انکا نفس ناطقہ اُن سے مجادلہ کرنے لگا۔ یہانتک کہ اسکے بولنے کی آواز
سُنائی دینے لگی۔ آپ انکو معالجہ کیواسطے پہلے شاہ غلام جیلانی ممی رہتکیؒ کے پاس لیگئے۔
اور پھر شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ ہر دو صاحبان نے فرمایا۔ کہ ایسے
اشغال مت بتایا کرو۔ اگر بتاؤ تو خود ہی علاج بھی کرو۔ ہمسے نہیں ہوسکتا۔ آخر آپ نے
ہی اس نفس کے مجادلہ اور مکابرہ کا علاج کیا۔

خوارقِ عادات یعنی آپکے کشف وکرامات کا مختصر تذکرہ اور مرتبہ ومقام کا تعیّن

پہلے لکھا جاچکا ہے کہ کشف وکرامت خود اہل طریقت کے نزدیک بھی کوئی محمود حالت
اور مستحسن مقام نہیں۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے اس حالت کو **حیض الرجال** سے موسوم
کیا ہے۔ یعنی جس طرح عورت حالتِ حیض میں نجاست کے سبب نماز روزہ وغیرہ اذکار اور
برکاتِ اذکار سے محروم رہجاتی ہیں۔ اسی طرح صدور کرامت کے مقام پر پہونچکر سالک
ترقی مدارج سے ناکام رہ جاتا ہے۔ اور اسی کو منزل مقصود سمجھکر راہ راست سے بھٹک جاتا
ہے۔ مرشدِ کامل کی دستگیری یا انتہا درجہ کی خوش نصیبی کے سوا اس منزل سے نکلنا آسان
نہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں فرماتے ہیں کہ کشف وکرامت کا وجود سالک کیلئے ایسا ہی
جیسا کہ مسافر کے رستہ میں ہر رنگ اور ہر انداز کے دلچسپ اور خوشنما کنکر پتھر وغیرہ پڑے
ہوں۔ پس اگر مسافر انہی کے اُٹھانے اور پھینکنے میں لگا رہے۔ یا اُنکی خوشنمائی پر فریفتہ ہوکر
بڑا بھاری گٹھڑ باندھ لے تو دونوں صورتوں میں نقصان اور تکلیف یقینی ہے۔ اور منزلِ
مقصود پر پہونچنا دشوار۔ ہاں اگر بوقت ضرورت انکو کام میں لائے۔ مثلاً کوئی درندہ یا

موذی جانور (نفس وشیطان) سامنے آجائے۔ یا کسی ظالم وجابر انسان سے پالا پڑ جائے
یا خود اپنا دینی یا دوسرے کا دنیاوی نقصان ہوتا ہو۔ تو جوشِ حقانی کا دکھانا اور ان کنکر
پتھر یعنی کشف وکرامات کو کام میں لانا مضائقہ نہیں۔ بلکہ ان کا مصرف یہی ہے۔ انہی موقعوں
پر اہل طریقت نے انکو استعمال کیا ہے۔ ورنہ کوئی اور فائدہ اس سے مقصود نہیں اور نہ
کسی اہل کمال نے اس حالت کو پسند فرمایا۔ البتہ عوام الناس کو ایک فائدہ ضرور ہوتا
ہے۔ کہ صدورِ کرامات سے صاحب کرامت کی علومرتبت اور وقعت ورفعت کا پتہ
لگ جاتا ہے۔ اور اس ذریعہ سے گروہِ عوام اہل اللہ سے مستفید ومستفیض ہوسکتا ہے۔
اولیاء اللہ دو قسم کے ہوتے ہیں اہل تکوین اور اہل ارشاد۔ اہل تکوین
کے ذمہ عام خدمات ہوتی ہیں۔ مثلاً اپنی ہمتِ باطنی سے باذن الہیٰ خلق اللہ کی حاجت
برآری کرنا۔ آفاتِ ارضی وسماوی کا دفعیہ۔ بارانِ رحمت کا نزول اور رزق کی کشائش
وغیرہ۔ چونکہ یہ عام نفع کی باتیں ہیں۔ اسلئے عوام الناس انکو محسوس کرسکتے ہیں۔ اور
انہی کو خوارق وکرامات جانتے ہیں۔ اہل ارشاد کے ذمہ قلوب کی اصلاح ہوتی ہے۔
یعنی وہ ایسے طریقونکی طالبین کو تعلیم دیتے ہیں۔ جن سے وہ بارگاہ صمدی میں مقبول ومقرب
ہوسکیں۔ اہل تکوین کی سی کرامات کا ظہور۔ ان حضرات سے ضروری نہیں۔ انکی خوارق
وکرامات ذوقی اور وجدانی ہوتی ہیں۔ جنکو عوام الناس نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے وہ اہل
تکوین کو اعلیٰ وافضل جانتے ہیں۔ ورنہ دراصل اہل ارشاد کا مرتبہ اعلیٰ وافضل ہے۔ جیسا کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ اگرچہ انکی سی کرامات
کا اُن سے صدور نہ ہوا۔ پھر اہل ارشاد کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ منجملہ اُن کے جو اپنے زمانہ
میں اکمل وافضل ہوتا ہے اسکو قطب الارشاد کہتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مراتب کے نام ہیں۔
حضرت شاہ محمدؒ رمضانؒ بھی اہل ارشاد میں سے تھے۔ اور بقول ملا طاہر مجذوب **غوث
الارشاد** کے مرتبہ پر فائز۔ پس آپکی کرامات تو درحقیقت وہی ہیں جو علومرتبت کے ضمن ہیں

مرقوم ہو چکیں۔ مگر چونکہ وہ صرف اہل نظر اور صاحبانِ بصیرت کیلئے مخصوص ہیں۔ عوام الناس کے فہم کی وہاں تک رسائی نہیں۔ علاوہ ازیں آپکی بعض کرامات میں تکوینی رنگ بھی پایا جاتا ہے پس مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپکی ایسی کرامات و خوارق بھی درج کر دی جائیں۔ تاکہ عوام الناس بھی تشنۂ مذاق نہ رہیں۔ لیکن ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں جنکو تسلیم کرنے کیواسطے آجکل کا زمانہ خصوصًا انگریزی خوان طبقہ جلد تیار نہ ہوگا۔ اسلئے پہلے **کشف و کرامت کی حقیقت** بیان کردیجاتی ہے۔

واضح ہو کہ **کشف** ایک حالت کا نام ہے جسمیں بعض باتیں قبل از ظہور یا دوسروں کی علم و ادراک سے پہلے کسیکو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس کی **مثال** سمجھو۔ جیسے کسی مقام پر ایک آئینہ رکھا ہو اور اسمیں سامنے آنیوالی ہر شی کا عکس پڑتا ہو۔ بس ۔ اس آئینہ کا مالک واقف ہے۔ آئینہ اگر مصفّا اور مجلّی ہوگا۔ تو عکس بھی صاف پڑے گا۔ ورنہ خراب۔ اور غیر معتبر۔ قلب کی حالت بھی آئینہ کی سی ہے۔ اسیواسطے اسمیں آنکھ ناک۔ کان اور ذائقہ و لامسہ وغیرہ قوتوں کا احساس پایا جاتا ہے۔ ورنہ کیا وجہ کہ میٹھی چیز ڈالی تو جائے مُنہ میں اور خوش ہو دل، یا بدبو پھونچے تو دماغ میں اور تکلیف محسوس ہو دل کو۔ پھر دل کی حالت بھی مثل آئینہ کے مختلف ہوتی ہے۔ یعنی کسی کا قلب مصفّا اور مجلّا ہوتا ہے۔ اور کسی کا تیرہ و تار۔

حالتِ تیرہ و تار میں تو عکس پڑ ہی نہیں سکتا۔ حالتِ اوسط میں قابلِ اعتبار و تمیز نہیں ہوتا۔ البتہ قلب مصفّا اس قابل ہوتا ہے۔ کہ ہر قسم کے عکس کو ظاہر کرسکے۔ پس جو کوئی بھی اپنے قلب کو مصفّا کرلیگا۔ (خواہ وہ کسی طریق سے بھی کرے۔ یعنی قاعدۂ مسمریزم سے یا جوگابھیاس سے) وہ صاحبِ کشف ہو جائیگا۔ اہل طریقت کے ہاں چونکہ تصفیہ قلب ایک نہایت ہی ضروری اور سب سے پہلا کام ہے بلکہ تصوّف نام ہی تصفیہ قلب اور اصلاح باطن کا ہے پس جوں جوں سالک کا قلب مصفّا ہوتا جاتا ہے اسی رفتار سے ممکنات کا عکس اسپر پڑتا جاتا ہے۔ اور وہ آئندہ کی خبریں دینے لگتا ہے۔ پس اس مختصر تقریر سے ظاہر ہے کہ حالتِ کشف

کوئی فرضی اور من گھڑت ڈھکوسلا نہیں۔ جسکے وجود سے انکار کرنے کی ضرورت ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حالتِ سلوک میں محبوب و مقصود بھی نہیں۔ کیونکہ سالک اسکے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ بلکہ خود بخود ہی یہ حالت قلب کے مصفّا ہونے پر پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکو حسب ضرورت استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ بیکار محض ہے۔

کرامت کے معنی ہیں بزرگی۔ یعنی کوئی ایسا فعل کسی سے سرزد ہونا۔ جس سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ فاعل خدا کے نزدیک بزرگ اور صاحب امتیاز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ جب کوئی بندہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ہاتھ۔ پاؤں اور آنکھ۔ کان وغیرہ بن جاتا ہے۔ کہ انہیں سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اور انہیں سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ یعنی اسکے اعضاء و جوارح ایسے محفوظ و مصئون ہو جاتے ہیں۔ کہ منشا الٰہی کے خلاف کوئی فعل اُن سے سرزد نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے یا کہتا ہے۔ عین وہی منشائے الٰہی ہوتا ہے۔ اور ایسا ہونا کوئی خلافِ عقل اور تعجب کی بات نہیں کیونکہ دنیاوی بادشاہوں کے ہاں بارہا دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ جو شخص ان کا منظورِ نظر اور مقرّب خاص ہو جاتا ہے۔ اسکو ہر طرح کے اختیارات مل جاتے ہیں۔ یہانتک کہ اس کا ساختہ پرداختہ خود بادشاہ کا ساختہ اور پرداختہ سمجھا جاتا ہے۔ جس سے بڑھکر اس شخص کیلئے کوئی بزرگی اور عظمت نہیں ہو سکتی۔ پس یہ بزرگی جس صورت میں بھی ظاہر ہو خواہ بربادی میں خواہ آبادی میں۔ خواہ کسی ایسے افعال میں جو انسانی طاقت سے بعید یا عادتًا محال ہوں۔ کرامت کہلائیگی۔ اسیکو مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ

اب رہی یہ بات کہ جو کام عادتًا محال اور قانونِ قدرت کے خلاف ہوں۔ یا خود بادشاہ کی طاقت و قدرت سے خارج ہوں۔ وہ اس کے منظورِ نظر یا مقبول و محبوب شخص کے تصرف سے کیونکر ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ اولیائے کرام جس بادشاہِ عالیجاہ کے

مقبول ومحبوب ہوتے ہیں۔ اسکی طاقت وقدرت تو مسلم ہے۔ کہ وہ ہر شئ پر قادر ہے حتیٰ کہ حیات وممات بلکہ نیست سے ہست اور حیات بعد از ممات بھی اسکے قبضہ اور اقتدار میں ہے۔ پس اگر ایسے ہی افعال جو اسکے قبضہ واقتدار میں ہیں۔ اس کے کسی بندۂ مقبول ومحبوب سے بھی صادر ہوں تو کیا بعید ہے۔ اور انکار کی گنجائش کہاں ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

باقی رہے ایسے امور جنکو عادۃً محال یا قانون قدرت کے خلاف کہا جاتا ہے۔ مثلاً آگ کے اندر جلنے سے محفوظ رہنا۔ مردہ کا زندہ ہوجانا۔ حیوانات یا جمادات کا باتیں کرنا۔ وغیرہ وغیرہ سو اسکی نسبت پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے۔ کہ ہمکو تمام اشیاء کی عادت اور قانونِ قدرت کا پورا پورا علم کہانتک حاصل ہے۔ اور اسکی معلومات کے اسباب اور وسائل کیا ہیں۔ مثلاً آگ کی نسبت ہمارے پاس کیا ثبوت ہے۔ کہ اس کی عادت ہمیشہ ہر شئ کو جلانے ہی کی ہے۔ اور کبھی یہ حالت بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح حیوانات یا جمادات کا عدمِ تکلم گو ہمیشہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ لیکن اس کا ثبوت ہمارے پاس کیا ہے۔ کہ کسی وقت بھی اِن میں قوتِ ناطقہ پیدا نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر مردہ کا زندہ ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ تو اس کا انحصار اور انتہا بھی تو واضع قوانین کی طرف سے ہونا چاہیے۔ جسکی بنا پر کہا جاسکے۔ کہ مردہ کبھی زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یا بغیر بادلوں کے مینہ کبھی برس ہی نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب قانونِ قدرت کا محدود ومحصور ہونا ہی غیر ثابت اور نامعلوم ہے۔ اور اس کے بالمقابل واضع قانون کا قادر اور محیط ہونا ثابت ومسلم ہے۔ تو اسی قدرت اور اقتدار کا اظہار جب واضع قوانین یعنی قادر ومختار کی طرف سے اسکے کسی مقبول اور برگزیدہ شخص کے ذریعہ اور واسطہ سے ہو۔ تو انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ **اولیاء اللہ تقدیر کو پلٹ دیتے ہیں**۔ نہیں تقدیر کا لکھا تو اٹل ہے۔ ہاں اولیائے کرام کے افعال واقوال بھی نوشتہ تقدیر کے مطابق واقع ہوجاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تقدیر معلق کے اسباب میں اولیائے کرام کے

اقوال وافعال بھی مقدر ہوتے ہیں۔ مثلاً تقدیر میں اگر یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ کسی کو بیماری کی حالت میں فلاں بزرگ دعا یا دوا دیگا۔ تو وہ اچھا ہوجائیگا۔ تو اس بزرگ کا قول وفعل تقدیر کے خلاف نہ ہوا۔ بلکہ عین مطابق ہوا۔ اور یہی قول وفعل کا منشا اور تقدیر الٰہی کے مطابق واقع ہونا بزرگی کی علامت ہے۔ اور اسی کا نام **کرامت** ہے۔

پس جب کشف وکرامت کا برحق ہونا سمجھ میں آگیا۔ تو اب حضرت قبلہ شاہ محمد رمضان علیہ الرحمۃ کی کرامات کا مطالعہ کیجئے۔ اور قلب میں کسی قسم کے خطرے کو نہ آنے دیجئے۔ کیونکہ اولیا اللہ کے ساتھ سوئے ظنی موجب ہلاکت اور باعثِ آفت ہے۔

کرامتِ تسخیر:۔ باشندگانِ موضع دانگ ضلع حصار کا بیان ہے۔ کہ ہمارے جنگل میں ایک خونخوار چیتیا رہتا تھا۔ جو بیسیوں آنے جانے والوں کو اپنا لقمہ بنا چکا تھا۔ لوگ ہر وقت اُس موذی سے خائف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ موضع مذکور میں تشریف لیگئے۔ اور پھر وہاں سے کسی اور جگہ کو جانیکا عزم کیا۔ اتفاق سے رستہ وہی تھا۔ جو زیادہ تر اس موذی کی شکارگاہ اور اس کے مسکن کے قریب تھا۔ اور اسی راستہ کو آپ نے اختیار فرمایا۔ لوگوں نے عرض بھی کیا کہ رستہ پُرخطر ہے۔ مگر آپنے کچھ خیال نہ فرمایا۔ اور روانہ ہوگئے تھوڑی دور جاکر گاڑیبان نے دور سے چیتے کو آتے دیکھا۔ اور گھبراکر عرض کیا۔ کہ یا حضرت چیتیا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آنے دو۔ جب وہ بہت ہی قریب آگیا۔ تو آپنے اسکی طرف متصرفانہ نگاہ سے دیکھکر فرمایا کہ کیا تو حکمِ الٰہی سے آیا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ ہمارا تمہارا سب کا خالق ورازق وہی ایک خدا ہے، چیتے نے آپکے قدموں پر گردن جھکادی۔ آپنے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا۔ کہ جا یہ رستہ چھوڑ دے باشندگانِ دیہہ مذکور کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی چیتیا وہاں دکھائی نہیں دیا۔ اور آپکی قدموں کی برکت سے سبکو بلائے عظیم سے نجات ملگئی۔ سچ ہے ؎

توہم گردن از حکمِ داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

ہمتِ باطنی:۔ جرنیل عبدالصمد خاں افسرِ اعلیٰ افواج ریاست ججھر حضرت علیہ الرحمۃ کے

خاص مریدوں میں سے تھے۔ باوجود اس سرداری وعظمت کے آپکی خدمت میں درویشانہ عجز و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت کی شہادت کے بعد بھی بموقعہ عُرس ہاتھیوں کا جلوس اور ایک مکمل دستہ فوج کا لیکر آتے تھے۔ اور آپ کی خانقاہ کو دور ہی سے دیکھکر سواری سے اُتر جاتے اور پیادہ پا خانقاہ تک آتے۔ حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ جب بعض لوگوں نے اس غیر معمولی عجز و نیاز کا سبب پوچھا۔ تو جرنیل صاحب نے جواب دیا۔ کہ یہ سب جاہ وجلال انجناب کی دعا کا صدقہ ہے۔ ورنہ جس دن میں مُرید ہوا تھا۔ تو پانی کے پیالہ کے سوا مجھے اور کچھ میسر نہ تھا۔ پس میں اپنے مربّی ومحسن کی خدمت میں متکبرانہ کیونکر آؤں۔ اور اپنی اس حالت کو کیونکر بھول جاؤں ؎

از نگاہِ کیمیا خاصیت تو مفلسے   باغنا دو چار شد در حال بے رنج ومحن

کرامتِ کشف:۔ آپکا معمول تھا۔ کہ بارہ وفات کے موقعہ پر درگاہ قدم شریف میں ضرور تشریف فرما ہوتے تھے۔ جہاں قرآن خوانی اور نعت خوانی کی مجلسیں۔ حال وقال کے جلسے مراقبوں کی بہار اور ذکر الٰہی کی پکار ہوتی تھی۔ ساتویں اور گیارہویں تاریخوں پر تو ہجوم بہت ہی بڑھ جایا کرتا تھا۔ آپ بھی وہاں جاکر سرگرم مراقبہ ومجاہدہ ہوتے۔ ایک مرتبہ حسب معمول ساتویں شب کو قدم شریف جاتے جاتے سواری کو لوٹا لیا اور واپسی کا حکم دیا۔ رازداروں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ کہ آج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خفگی معلوم ہوتی ہے۔ خدا کی شان اُسی رات کو اس مجمع میں ہل چل در گڑبڑ ہوئی کہ اٹھارہ آدمی مرگئے۔ سچ ہے ؎

مردانِ خدا خدا نباشند   لیکن ز خدا جدا نباشند

نمونہ عذاب الٰہی:۔ والد بزرگوار بیان کرتے تھے۔ کہ ایک شخص نے استنجے کیلئے مٹی کا ایک ڈھیلا توڑا۔ اُس میں سے ایک بچھو ایک ہڈی پر چمٹا ہوا ملا۔ اس شخص نے اسکو مارنیکے واسطے جوتا۔ اینٹ۔ پتھر اور لکڑی وغیرہ سب کچھ استعمال کیا۔ مگر نہ وہ بچھو مرا۔ نہ ہڈی کو اسنے چھوڑا۔ آخر وہ شخص ہڈی سمیت بچھو کو آپکی خدمت میں لے آیا۔ اور کیفیت عرض کی۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہ

ہڈی مُردہ کی ہے۔ جسپر عذاب الٰہی ہو رہا ہے۔ اور یہ بچھو معمولی بچھو نہیں جو اینٹ پتھر سے مرجاوے یہ نمونہ عذاب الٰہی ہے۔ قرآن پاک کا ورد البتہ اس کے واسطے مفید ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے کچھ پڑھکر اس پر پھونکا۔ تو وہ بچھو مرگیا۔ اور ہڈی کو آپ نے دفن کرادیا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

برکت فی الطعام:۔ آپ کو اگر کہیں دعوت ہوتی تھی۔ تو اکثر مساکین ناخواندہ مہمانوں کی جماعت بھی ہمراہ ہولیا کرتی تھی۔ لوگ چونکہ واقف ہو گئے تھے۔ اسلئے وہ پہلے ہی کافی انتظام کرکے آپکی دعوت کا نام لیتے تھے۔ آپ بھی ان مساکین کو منع نہ فرماتے تھے۔ کہ جنکو اللہ تعالیٰ نے آپ بھیجا ہے۔ کیا انکے کھانیکا بندوبست نہ کیا ہوگا۔ میں کون کہ منع کروں؟ ایک مرتبہ دہلی میں آپکی ضیافت معہ چالیس درویشوں کے ایک جگہ ہوئی۔ رستہ میں طفیلی مساکین کی جمعیت ملکر تعداد نوّے سے زائد ہوگئی۔ جنکو دیکھکر غریب میزبان گھبرا گیا۔ آپ نے قرائن سے اسکی گھبراہٹ کا حال معلوم کرکے اسکو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا۔ کہ گھبراؤ مت۔ خدا کارساز ہے۔ لو۔ یہ میرا رومال لیجاؤ۔ اور دیگ کے مُنہ پر باندھ دو۔ جبتک سبکو کھلانہ چکو اسکو مت کھولنا۔ اسنے ایسا ہی کیا۔ خدا کے فضل سے سب سیر ہوگئے۔ جب میزبان کی زبانی آپ نے سب کی سیری اور کھانیکی کفایت کا حال سُن لیا۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ پر بھروسہ کرنا سیکھو۔ اور اپنا رومال واپس منگالیا۔

کرامت ہمدریں معنی:۔ میاں عمر خاں سوار قوم راجپوت ساکن موضع بانس بیان کرتے تھے۔ کہ میں اور میرے چند ہموطن کرنل الگزینڈر کی رجمنٹ میں ہانسی میں مقیم تھے۔ انہی ایام میں آپ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ ہم کو جب خبر لگی تو خوشی خوشی ہم نے آپکی ضیافت کا سامان کیا۔ جب آپکو کھانا کھانیکے واسطے اپنے ڈیرے پر لیچلے۔ تو راستہ میں مشتاقانِ زیارت کا اتنا ہجوم ہوا۔ کہ اسکے مقابلہ میں ہم اپنے سامانِ ضیافت کی قلت کو دیکھ کر بہت گھبرائے۔ آپ ڈیرہ پر پہونچکر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ اور گندھے ہوئے آٹے نیز دیگر سامانِ طعام پر آبیٹھے۔

آٹے میں انگلیاں مارنے لگے۔ اور فرمایا۔ کہ خوب اطمینان سے کہلا دو۔ اللہ کے فضل سے سامان بہت ہے۔ جبتک تمام حاضرین پیٹ بھر کر نہ کھا چکے۔ آپ برابر کھانیکے پاس بیٹھے رہے۔ سب کے بعد آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ اور کسی طرح کی کمی واقع نہ ہوئی۔

سلب امراض ۔ جناب والد بزرگوار فرماتے تھے۔ کہ آپ ایک مرتبہ موضع کاہنور سے قصبہ بیری کے راستہ دوجانہ کو تشریف لیجا رہے تھے۔ رستہ میں ایک ہندو جاٹ نارو ے کے درد سے چلا رہا تھا۔ آپنے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ "تو رام تو ہے ہی نہیں۔ جو پوچھ کر مجھے چنگا کر دے گا۔ پھر تبلا کر کیا کروں"، آپنے گاڑی سے اُتر کر دیکھا تو اسکو نارو ے کے مرض میں مبتلا پایا۔ جھٹ آپنے کلام ربّانی پڑھ کر دم کیا۔ اسیوقت درد جاتا رہا۔ اور وہ تندرست ہو گیا۔ اب وہ دعائیں دیتا ہوا گاؤں کو بھاگا جا رہا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا "لوگو جسے رام دیکھنا ہو۔ دیکھ لو۔ یہ جا رہا ہے"، گاؤں کے سب چھوٹے بڑے **رام کے درشن** کیلئے گھروں سے نکل آئے۔ اور آپکی بہلی کو گھیر لیا۔ آپنے فرمایا کہ میں رام نہیں ہوں۔ اور یہ طاقت رام میں ہے نہ مجھ میں۔ فقط اللہ میاں کا فضل ہے۔ جاؤ میرا راستہ چھوڑ دو۔ باشندگانِ دیہہ آپکی وجیہ اور نورانی صورت دیکھ کر کہہ رہے تھے "کہ رام اس سے اچھا تو نہ ہو گا"،

کرامت :۔ پیرجی شہاب الدین صاحب جو آپکے مخلص مُرید اور ممتاز خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ آپکو قائم خانیوں کے ایک گاؤں میں لیگئے۔ جہاں دختر کشی کی مذموم رسم کا عام رواج تھا۔ آپنے وہاں وعظ فرمایا۔ اور دختر کشی کی سزا و نتائج وغیرہ بیان کر کے اس سے ممانعت کی۔ ہر چند عقاب و عذاب الہیٰ سے ڈرایا۔ اور توبہ کرنے والوں کو بہشت اور مغفرت کا مژدہ سُنایا۔ مگر ان کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور تمام افعال بد سے تائب ہو گئے۔ مگر اس رسم قبیح کے ارتکاب سے توبہ نہ کی۔ آپنے انکے ہاں کے کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ کہ تم اللہ اور رسول کا حکم نہیں مانتے تو میں تمہارا کھانا بھی نہیں کھاتا۔ جب لوگوں نے بہت سی خوشامد کی اور آپ نہ مانے تو گاؤں والوں نے کہا کہ اچھا خیر آپکی سواری کے جانوروں کو تو چارہ گھاس وغیرہ

کھلا دو۔ آپنے فرمایا کہ یہ جانور اگر ہمارے ہونگے تو یہ بھی نہیں کھائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کسی جانور نے اس گاؤں کے پانی تک کو نہ چھوا۔ اتنے میں غیرتِ الہیٰ کا جوش ظاہر ہوا۔ یکایک ایک ایسی آندھی اُٹھی۔ جسنے قائم خانیوں کے مکانات پر آگ برسانی شروع کی۔ دم کے دم میں سینکڑوں گھر بار جل جلا کر راکھ کا ڈھیر بنگئے۔ ابتو انکی آنکھیں کھلیں۔ فوراً سب نے جمع ہو کر دختر کشی سے توبہ کی۔ یہانتک کہ انکی اولاد آج تک اس توبہ پر کاربند ہے۔

آپکے اخلاق و عادات اور فضائل و کرامات

آپ شریعت و طریقت کے جامع اور عالم باعمل تھے۔ دنیاوی رسم و رواج کی پابندی کو ضروری نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ ہر حال میں دینی اور شرعی پابندی کو مقدم رکھتے تھے۔ بزرگوں کے آثار اور سلف صالحین کی روایات و معمولات کا احترام فرمایا کرتے تھے۔ سلام مسنون میں آپ سبقت کیا کرتے تھے۔ بہت کم موقعہ دوسرونکو دیتے تھے۔ کہ وہ آپکو پہلے سلام کریں۔ جہاں تشریف لیجاتے وہاں ضرورت و موقعہ کے مناسب پند و نصیحت ضرور فرماتے۔ اور خاص مجالس میں تو سوائے قال اللہ و قال الرسول یا دینی و روحانی تصانیف اور اذکار کے اور کچھ مذکور ہی ہوتا تھا۔ **دن رات میں آپ کے مشاغل** کیلئے اوقات مقرر تھے۔ نماز پنجگانہ نیز اوراد و وظائف معمولات خاندان سب اپنے اپنے وقت پر ادا فرمایا کرتے تھے۔ تہجد۔ چاشت اور اشراق کو بھی فوت نہ ہونے دیتے تھے۔ غسل جمعہ و عیدین اور حجامت وغیرہ کا خاص اہتمام اور التزام فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں مہمانوں کی تواضع۔ والدین کی خدمت۔ مشتاقانِ زیارت۔ اور تشنگانِ مذاق کلام کیلئے مسائل توحید و نصائح کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ فضول گوئی کی نہ آپ کو عادت تھی۔ اور نہ اپنے سامنے کسی کو فضول گوئی کا موقعہ دیتے تھے۔ بقول اپنے پیر و مرشد کے اتباع نبوی کا پورا نمونہ تھے۔ حاضرین پر اسقدر تلطف کا اظہار فرماتے کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا۔ کہ آپ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ حقہ اور اسی قسم کے دیگر فضول اور غیر ضروری مشاغل سے قطعاً متنفر تھے۔ اور

دوسرونکو بھی ایسی فضولیات سے منع فرمایا کرتے تھے۔ **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** میں تو آپکی خداداد جرأت اسقدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ کبھی کسی امیر اور رئیس کی پرواہ کی نہ کسی مرید اور عزیز کی خلاف شرع جو بات بھی کسی میں دیکھتے۔ اس کو ایسے پہلو سے ظاہر فرماتے جو بالکل اس موقعہ اور وقت کے مناسب اور موزوں ہوتا۔ اسیواسطے فوراً اس کا اثر بھی ظاہر ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ نواب فیض محمد خاں والی ریاست جھجر آپکی زیارت کو آئے۔ اثنائے گفتگو میں اُنہوں نے دریافت کیا کہ حضرت۔ دنیا میں **دوزخی کی علامت** کیا ہے؟ آپنے معاً جواب دیا کہ جیسے تم ہو۔ نواب صاحب بہت سٹ پٹائے۔ مگر آدمی چونکہ صاحبِ اخلاص اور سمجھدار تھے۔ کہنے لگے۔ کہ حضرت مجھ میں دوزخی ہونے کی کونسی نشانی ہے۔ ظاہر فرمایا جائے۔ تو اس سے احتراز کروں۔ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ دنیا میں دوزخی کو دیکھنا ہو۔ تو سونے کا زیور پہننے والے مرد کو دیکھ لو۔ نواب صاحب اس وقت سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ فوراً اتار دی۔ اور دیگر تحائف کے ہمراہ آپکی نذر میں پیش کی۔ آپ نے اور تو سب کچھ قبول فرمالیا۔ مگر انگشتری کو واپس کرتے ہوئے فرمایا۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

کیا تم لوگوں کو تو حکم کرتے ہو نیکی کا اور اپنے واسطے بھول جاتے ہو (حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

مگر نواب صاحب نے بھی نہیں لی۔ اور عرض کیا کہ کسی غریب محتاج کو دیدیجئے۔ چنانچہ ایک حاجتمند کو دیدی گئی۔ اسی طرح ایک مرتبہ نواب صاحب کے پائینچے جو ٹخنوں سے نیچے تھے۔ آپنے قینچی سے کاٹ دیے اور فرمایا۔ کہ آپ کو اس گناہ کی خبر نہیں۔ یہ بھی دوزخی کی نشانی ہے۔ نواب نے وہاں تو دم نہ مارا۔ آپ کے والد ماجد کے پاس جاکر شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ نیچے پائینچے عورتوں کے ہوتے ہیں۔ نواب صاحب تم مرد ہو یا عورت؟ نواب صاحب چپ ہوگئے۔

استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک گاؤں موضع بھینی نواب دوجانہ کی طرف سے جاگیر میں ملا ہوا تھا۔ آپ ہمیشہ یہی دعا کیا کرتے تھے۔ کہ یا اللہ اس جنجال سے آزاد کر۔ میری جمعیتِ خاطر میں اس سے فرق آتا ہے۔ آخر آپ کی دعا قبول ہوئی۔ ہریانہ کے چیف کمشنر کرنل فریڈر صاحب نے آپ سے ملنا چاہا۔ آپنے انکار کر دیا۔ اسنے ناراض ہو کر گاؤں ضبط کر لیا۔ نواب دوجانہ ساعی ہوئے۔ اور آپکی خدمت میں عرض کیا۔ کہ ملاقات میں کیا حرج ہے۔ گاؤں ضبطی سے نکل آئیگا۔ آپنے فرمایا کہ خدا خدا کر کے تو میری آرزو پوری ہوئی۔ اور گاؤں سے پیچھا چھوٹا ہے۔ ورنہ مجھ میں اور میری نسل میں توکل اور استغنا کا نام و نشان ہی اُٹھ جاتا تھا۔ اسوقت ہریانہ کے قرب و جوار میں دوجانہ۔ جھجر۔ پاٹودی۔ اور بہادر گڈھ کے چار مقتدر رئیس تھے۔ سب نے زور لگایا۔ انتہائی کوششیں کیں۔ مگر آپ ملاقات کے لئے رضامند نہ ہوئے۔ اگر کوئی ناواقف اس کا سبب پوچھتا۔ تو آپ خاموش ہو رہتے۔ اور کچھ جواب نہ دیتے۔ جب کوئی واقف حال اور مخلص دریافت کرتا۔ تو فرماتے۔ کہ اہل دنیا کو دیکھنے اور انکے ساتھ ملنے جُلنے سے خواہ مخواہ لالچ پیدا ہوتا ہے۔ جو تجرد اور توکل کا جانی دشمن ہے۔ پھر میں بیٹھے بٹھائے نفس کو کیوں خواہ مخواہ جگاؤں ع

ذکر دنیا نفسِ مُردہ کو ہے جوں آبِ حیات — مر کے یہ سیماب اس سے زندہ ہوجاتا ہے پھر

اسی طرح بوقت روانگی سفر حج جب سُنا کہ نواب امیر خاں والیِ ٹونک کا ارادہ ہے۔ کہ رستہ میں اپنے علاقہ کے اندر سے گذرنے اور قیام کرنے پر اصرار کرے۔ تو آپنے وہ رستہ ہی تبدیل کر دیا۔

ایک مرتبہ آپ بمقام باول شیخ سالاربخش کی مسجد میں فروکش تھے۔ ایک کیمیا گر نے آکر آپسے بیعت کی اور اکسیر کامل کا ایک تیار ناریل آپ کے نذر کیا۔ اور منتظر رہا۔ کہ آپ اس کے متعلق مجھ سے کچھ دریافت کریں۔ تو اس کی حقیقت بیان کروں۔ مگر آپنے لیکر مسجد کے ایک طاق میں رکھدیا۔ اور پھر اس طرف دھیان بھی نہ فرمایا۔ آخر اسنے خود ہی عرض کیا کہ حضرت یہ اکسیر اعظم ہے۔ اسمیں سے دو چاول وزن باون تولہ مس کو زرِ خالص بنانیکے لئے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی ہمارے واسطے تو اللہ ہی کافی ہے۔ تم اپنا ناریل لیجاؤ۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ

الموْلیٰ وَنِعمَ النَّصِیرُ۔ وہ کیمیا گر آپ کا فرمان سُنکر کچھ ایسا متأثر ہوا کہ ناریل اُٹھا کر اس نے زمین پر دے پھینکا۔ اور تعلیم روحانی و اصلاح باطنی کا خواستگار ہوا۔

مہمانداری اور مسافرنوازی کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک ایک وقت میں سو سو درویش اور مسافر مقامی مسافرخانہ سے طعام پایا کرتے تھے۔ آپ اُن سبکو دیکھ کر خوش ہوتے۔ ذکر الٰہی میں اپنے ساتھ شامل کرتے۔ اور مناسب تلقین و تعلیم سے بہرور فرمایا کرتے تھے۔ محل خاص کے اندرونی تہ خانے ہروقت خدا کی تحمید اور تقدیس سے گونجا کرتے تھے۔ جو درویش ہروقت آپکی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ وہ تو آپکے ساتھ انہی تہ خانوں میں حلقہ نشین ہوتے۔ اور باقی درویش محلہ اور شہر کی مساجد میں ذکر الٰہی سے در و دیوار کو مست بنا دیتے تھے۔ انہی درویشوں کی ایک خاص جماعت تھی۔ جو خود بخود کھیتی کیاری کرکے غریب مسافرین اور دیگر مستحقین کیلئے غلہ مہیا کرتی۔ اِن میں **میاں ظہوری شاہ اور میاں محمدی شاہ** ممتاز درویش تھے۔ جو باوضو کھیتی بویا کرتے تھے۔ مجاہدہ و ریاضت کے چلہ گاہ اور روحانی تجلیات کے مخزن یعنی محل خاص کے تہ خانوں کی نسبت **میاں مراد شاہ** خلیفۂ آنجناب فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے۔ کہ ان تہ خانوں میں ہم نے وہ کمائی کی ہے۔ کہ ہماری اولاد اسکو ڈھنگ سے اُٹھائے۔ تو سات پُشت تک بھی ختم نہ ہو۔

صبر و شکر آپ کا اس درجہ کو پہونچ گیا تھا۔ کہ کبھی کسی واقعہ یا حادثہ سے متأثر نہ ہوتے تھے دہلی میں ایک مرتبہ عین اس حالت میں جبکہ آپ مجمع کثیر میں سرگرم وعظ و نصیحت تھے۔ ایک قاصد نے آپکے بیٹے کی وفات کی خبر سُنائی۔ جسکو سُنکر آپ نے فرمایا۔ کہ "الحمد للہ حضرت کی یہ سنت بھی پوری ہو گئی۔" اور پھر بدستور وعظ میں مصروف ہو گئے۔

بے نفسی کی یہ حالت کہ ایکدفعہ رہتک کی مسجد قصابان میں آپ وعظ فرما رہے تھے۔ تشنگی محسوس ہوئی۔ پانی مانگا۔ ایک شخص نے غالباً ناواقفیت کے سبب کھاری پانی کے مٹکے میں سے گلاس بھر کر حاضر کر دیا۔ آپ بے تکلف پی گئے۔ اس کے بعد سامعین میں سے کسی نے

پانی مانگا۔ تو اسی شخص نے اس مٹکے میں سے اسکو بھی لا دیا۔ وہ تو منہ لگاتے ہی چلا اُٹھا۔ کہ ارے کمبخت۔ کیا حضرت کو بھی تم نے یہی پانی پلایا ہے۔ یہ تو کڑوا ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت نے تو کچھ نہیں فرمایا۔ لوگ اسکو لعنت ملامت کرنے لگے۔ آپنے فرمایا کہ جانے دو۔ اسکو کچھ مت کہو۔ سچ ہے ؎

برڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا　　نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپکو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا　　اگر پارہ کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

آپکے **حلم** کی یہ کیفیت تھی۔ کہ ہریانہ کے مسلمان راجپوت جو نہتا کے اُجڈ۔ جاہل۔ رسم و رواج کے پابند۔ اور صرف نام کے مسلمان تھے۔ دور دور سے چل کر اور اپنے اپنے کاروبار کو چھوڑ کر آپکی خدمت میں آتے تھے۔ اور سیدھے سادے مسلمان۔ پکّے دیندار اور شریعت کے پابند ہو کر جاتے تھے۔ بعضے تو گھر بار چھوڑ کر آپ ہی کے دروازے پر ڈھیر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ **نقل** ہے کہ ایک مرتبہ آپ بسواری بہلی ہانسی کو تشریف لیجا رہے تھے۔ اسی بہلی میں آپ کے پیر و مرشد حضرت سیّد عبدالعظیم پانی پتی بھی سوار تھے۔ اثنائے راہ میں آپ قضائے حاجت کیلئے اتر پڑے۔ احمد شاہ نام گاڑیبان جو ہندو جوگی سے مسلمان ہو کر آپ ہی کی خدمت میں رہ پڑا تھا۔ برابر گاڑی کو ہانکے چلا گیا۔ حضرت پیر و مرشد نے دو ایک مرتبہ کہا بھی۔ کہ گاڑی کو روک لو۔ اور آپ کا انتظار کر لو۔ ورنہ انکو تکلیف ہو گی۔ مگر اُسنے ایک نہ سُنی۔ بلکہ کہنے لگا۔ کہ وہ تو ہمیشہ اسی طرح چلے آیا کرتے ہیں۔ نہ انہوں نے کبھی آجتک مجھے ٹوکا۔ نہ مینے کبھی گاڑی کو روکا۔ حضرت پیر و مرشد بھی چُپکے ہو رہے۔ جب بہت دور نکل گئے۔ اور آپ کہیں آتے دکھائی نہ دیے۔ تو پیر و مرشد نے خفا ہو کر گاڑیبان کو کہا۔ کہ تو بڑا نالائق ہے۔ تجھے انکی تکلیف کا ذرا بھی خیال نہیں۔ روک لے گاڑی کو۔ بس آگے مت ہانکنا۔ اب وہ رُک گیا۔ اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے۔ اور گاڑی میں سوار ہو کر حسب عادت فرمایا۔ کہ ہاں احمد شاہ چلو۔ پیر و مرشد کو تو خیال تھا کہ آپ گاڑیبان کو تنبیہ فرمائینگے۔ یا مجھ پر کچھ گلہ کرینگے۔ مگر جب کچھ بھی نہ بولے۔ تو فرمایا۔ کہ "محمد رمضان مینے بارہا سوچا۔ کہ تمہارے پاس سینکڑوں آدمی کیونکر کھچے چلے آتے ہیں۔ جو پھر آکر جانے کا نام بھی نہیں لیتے۔

جلتے بھی ہیں تو روتے ہوئے جاتے ہیں۔ آج معلوم ہوا۔ کہ تمہارا حلم سبکو کھینچ لیتا ہے۔ اور حسنِ اخلاق گرویدہ بنا لیتا ہے۔ الحمدللہ کہ معاملاتِ نبویہ اور تعلیماتِ مصطفویہ پر تمہارا پورا پورا عمل ہے آج تم زمانہ میں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ کے بہترین نمونہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اور بھی ترقی اتباع نصیب کرے۔ کیونکہ اتباع کی انتہا ہے عشق فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اور عشق کا پھل ہے وصل محبوب اور اس سے آگے ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری ،،

تصفیہ تنازعات میں بھی آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ ہریانہ دیس کے تمام مقدمات کو آپ ہی فیصل فرمایا کرتے تھے۔ اگر کبھی کبھار کوئی مقدمہ عدالت انگریزی میں دائر ہو بھی جاتا تو حاکم عدالت خواہ انگریز ہو یا دیسی۔ فریقین کو یہی رائے دیتا۔ کہ تم اپنے مفتی شاہ محمد رمضان ؒ کے پاس جاؤ بلکہ جہانتک ممکن ہوتا آپ کے پاس بھیج ہی دیتا۔ علاقہ ہریانہ کے علاوہ بھی اکثر مقدمات آپکے پیش ہوتے تھے۔ اور آپ ایسا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ فریقین خوش اور رضامند ہو جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی اِن میں سے آپ کے فیصلہ کو نہ مانتا۔ یا ماننے کے بعد اس کے خلاف کرتا۔ تو اکثر وہ نقصان اٹھاتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے **دہلی کے نوربافان** کے ایک تنازعہ کا تصفیہ فرمایا۔ قوم کے چودھری نے آپ کے فیصلہ کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کی عہد شکنی کی۔ قوم نے پھر آپکے پاس آکر فریاد کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہمنے تو شریعت کے موافق فیصلہ کر دیا تھا اب جو نہ مانے تو کنوئیں میں پڑے۔ خدا کی قدرت چند ہی روز گذرے تھے۔ کہ سچ مچ وہ کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ کہیں کو جا رہا تھا۔ رستہ میں تانی تن رہی تھی۔ وہ اس سے بچکر دوسری طرف کو ہوا۔ وہاں کنواں اس کی تاک میں منہ پھیلائے ہوئے تھا۔ گرتے ہی مُلکِ عدم کو پہونچا اور نظیر کا قول سچا ہوا ؎

ہے دنیا جس کا نام میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
یہ مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یہاں سودا دست بدستی ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یہاں دنکو دی اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

سادات کی تعظیم و تکریم اور اُن کے ساتھ ہمدردی کرنے میں بیحد مبالغہ فرمایا کرتے تھے۔ بیسیوں مرتبہ انکے لئے جان کو جوکھوں میں ڈال ڈال دیا ہے۔ کئی واقعات اسکی تمثیل میں مشہور ہیں۔ مگر بخوفِ طوالت نظرانداز کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ سادات کی تعظیم و تکریم اور انکی محبت تو ہر مسلمان کا فرض اور جزو ایمان ہے۔ پھر آپ جیسے عالم۔ فاضل۔ اور درویش کامل کے لئے اس بارہ میں کسی تمثیل اور دلیل کی کیا حاجت ہے۔ جو سادات کے علاوہ ہر شریف سے بتواضع پیش آئے اور ایسے طور پر ان کے ساتھ سلوک کر جائے۔ کہ کسیکو خبر بھی نہ ہو۔ اور حدیث نبوی کی تعمیل بھی ہو جائے۔ کہ صدقہ ایک ہاتھ سے دو اور دوسرے کو خبر نہ ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک مخدوم زادہ آپ سے ملنے کے لئے آئے۔ آپنے از روئے قیافہ یا مکاشفہ انکو حاجتمند پایا۔ مگر چونکہ وہ سوال کرتے ہوئے شرمائے۔ لہذا آپ نے خود ہی فرمایا۔ کہ میاں صاحبزادے۔ اپنی کتاب تو مجھے دو تاکہ میں اسمیں ایک وظیفہ لکھدوں۔ جب انہوں نے اپنی کتاب پیش کی۔ تو اندر لیجا کر اس میں وظیفہ لکھنے کے علاوہ اس کے پٹھے چیر کر دس روپیہ بھی رکھدیے۔ اور کتاب واپس دیتے وقت فرمایا۔ کہ اس کو آپ کے سوا کوئی اور نہ کھولے۔

غرض آپ ہمہ صفت موصوف تھے۔ نہ صرف ہر اعلیٰ صفت سے متصف بلکہ کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ نہایت ہی اختصار کے ساتھ آپکی چند خصائص کا تذکرہ درج کیا گیا ہے۔ ورنہ بے شمار معنوی اور صوری خصوصیات قدرت کی طرف سے آپ کی ذات بابرکات میں مجتمع اور ودیعت تھیں۔ مجھے طوالت مضمون سے ناظرین کے ملال کا خیال مانع آجاتا ہے۔ ورنہ آپ کے خصائل و اوصاف کے تذکرہ سے جی بھرتا نہیں لہذا۔ اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ پر عمل کرتا ہوں۔

مولوی نور محمدؒ مصنفؒ شہباز کی مخالفت و معاندت

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل کمال کے ساتھ جہاں سینکڑوں ہزاروں بندگانِ خدا محبت۔ عظمت اور جان نثاری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ وہاں بیسیوں خدا کے بندے حاسدانہ اور معاندانہ رنگ بھی ضرور دکھاتے ہیں۔ خدا جانے اس میں کوئی مصلحت مستور ہوتی ہے۔ یا وہ لوگ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کے مصداق ہوتے ہیں۔ کہ راہِ حق اُنہیں سوجھتا ہی نہیں۔ حق و باطل میں تمیز ہی نہیں کر سکتے۔ یا وہ قصداً مخالفت کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ شہرت اور ناموری یا کوئی اور دنیاوی فائدہ اٹھائیں بقول شاعر ؎

جو طالبِ شہرت ہیں اُنہیں ننگ سے کیا کام | بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا

بہر حال "چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر" نتیجہ ایک ہے۔ یعنی تحقیق حق کی تمیز ہی ازل سے نہ ملی ہو۔ یا دیکر پھر سلب کر لی گئی ہو۔ دونوں حالتیں غضب الٰہیؔ کی مظہر ہیں۔ جو کوئی بھی اِن دونوں یا اِن میں سے کسی ایک حالت کا مورد و مظہر ہو۔ وہ پرلے درجے کا بدنصیب ہے۔

کلامِ ربانی یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ سے ظاہر ہے۔ کہ اہل کتاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے۔ کہ یہ وہی نبی ہیں جنکی خبریں آسمانی کتابیں۔ یعنی توریت۔ انجیل اور زبور دیتی آرہی ہیں۔ مگر مانتے نہیں تھے۔ عظمت و معاونت کے بجائے عداوت اور مخالفت کا اظہار کرتے تھے۔ کیونکہ جانتے تھے۔ کہ آپکی نبوّت کو مانکر ہمارا بازار سرد پڑ جائیگا۔ اب کہلاتے ہیں مخدوم اور پیشوا پھر بننا پڑیگا خادم اور امّتی۔ جب دیگر بندگانِ خدا کو دولتِ ایمان سے مالامال اور حُبِّ نبی میں سرشار دیکھتے تھے۔ تو اور بھی اُن کے جگر پر چھریاں چلتی تھیں۔ کہ یہ سب ہماری ہوا و حرص کے جال کے اسیر اب محمدؐ کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ پس سوائے مخالفت اور عناد کے اُنہیں اور کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ یہی واقعات دیگر انبیا علیہم السلام کے ساتھ گذرے۔ اور یہی کیفیتیں اُنکے نائبانِ کرام کو دیکھنی پڑیں۔

شریعت اور طریقت پر ایک نظر

اولیائے کرام اور علمائے عظام ہر دو گروہ انبیا علیہم السّلام کے نائب ہیں۔ دونوں کا مدعا و مقصود ایک ہے۔ البتہ طرزِ عمل اور طریق ارشاد مختلف ہے۔ اسیواسطے تمیز کیلئے ایک گروہ کو **اہلِ طریقت** کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو **اہلِ شریعت**۔ گویا طریقت اور شریعت ایک کتاب کے دو باب ہیں۔ یا ایک محکمہ کے دو صیغے۔ ہر گروہ میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں ایک تو اصلی یا حقیقی دوسرے نقلی یا جعلی۔ یا یوں کہو کہ ایک **کامل** اور دوسرے **ناقص** کاملینِ طریقت پر اکثر وجد و حال کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور کاملینِ شریعت پر قال اللہ قال الرسوؐل کا۔ گروہِ ناقصین کو ان حضرات کی نقل اُتارنے اور مُنہ چڑانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کاملین طریقت سے غلبۂ حال کے باعث بعض اوقات ایسے افعال و اقوال سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں۔ پس کاملینِ شریعت غلبۂ قال کے سبب اُن پر معترض ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ طرفین کو احقاقِ حق منظور ہوتا ہے۔ نفسانیت کو دخل نہیں ہوتا۔ پس معاملہ طول نہیں پکڑتا۔ بقول سعدی شیرازیؒ ؎

دو عاقل را نباشد کین و پیکار | نہ دانائے ستیزد با سبکسار

نقل حضرت سلطان نظام الدینؒ اور دہلی کے قاضی القضاۃ کا قصّہ اس کا شاہد ہے۔ کہ بوجہ راگ سُننے کے حضرت محبوب الٰہیؒ کو قاضی صاحب بدعتی فرمایا کرتے تھے۔ یہانتک کہ جب مرض الموت میں آپ قاضی صاحب کی عیادت کو تشریف لیگئے۔ تو اُنہوں نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اور صاف کہلا بھیجا کہ میں ایسے وقت میں بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ آپ نے وہیں کھڑے کھڑے کہلا بھیجا۔ کہ میں بدعت سے توبہ کرتا ہوں۔ قاضی صاحب نے جب یہ سُنا تو کہا کہ میرا عمامہ آپ کے رستہ میں بچھا دو۔ تاکہ اِسپر سے قدم رکھتے ہوئے میرے پاس آویں۔ کیونکہ اب آپ اسی احترام کے مستحق اور قابل ہیں۔ اسی طرح دوسرے کامل شریعت یعنی

پانی پت کے قاضی صاحب نے کاملِ طریقت حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ کے دونوں ہاتھ مضبوط پکڑ کر قینچی سے آپ کی لبوں کو کتر دیا۔ جو حدِّ شریعت سے بڑھ گئی تھیں۔ ہر ایک بال میں سے خون کا فوّارہ چھُٹ رہا تھا۔ اور آپ فرما رہے تھے۔ کہ او قاضی۔ تو نے میرے بچّوں کو ذبح کر ڈالا لوگوں نے جب عرض کیا۔ کہ یا حضرت آپ نے قاضی صاحب پر تو کچھ نہ تصرّف دکھلایا۔ اور وں کو تو سامنے آتے ہی مُرغ بسمل بنا دیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ قاضی شریعت کا جامہ پہن کر آیا تھا جب یہی معاملہ اور معارضہ ہر دو فریق کے نقالوں اور ناقصوں میں واقع ہوتا ہے تو ارکانِ شریعت وطریقت متزلزل ہو جاتے ہیں۔ بقول سعدیؒ ؎

دو صاحبدل نگہدارند موئے	ہمیدون سرکش و آزرم جوئے
و اگر از ہر دو جانب جاہلانند	اگر زنجیر باشد بگسلانند

اگر طرفین سے ایک جانب کامل ہو اور دوسری جانب ناقص۔ جب بھی اگرچہ عالم تہ و بالا تو ہو جاتا ہے۔ مگر ارکانِ شریعت وطریقت کو کچھ ضعف نہیں پھونچتا۔ کیونکہ کامل اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ اور شریعت وطریقت کی لاج رکھدیتا ہے۔ چنانچہ منصورؒ اور شمس تبریزؒ کے واقعات اس کی شہادت کے لئے کافی ہیں۔ چونکہ یہ معرکے ہر دو فریق میں ہوتے آئے ہیں۔ اسی واسطے عوام النّاس نے سمجھ لیا ہے۔ کہ شریعت اور شئ ہے اور طریقت اور شئ ہے حالانکہ یہ خیال سراسر غلط اور ایک شیطانی دھوکہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْوَسْوَاسْ

حضرتِ شاہ محمد رمضانؒ کے کمال اور عظمت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔ شاہ عبد القادرؒ اور شاہ عبد العزیزؒ جیسے بزرگوار کو آپ کے علم وکمال کا اعتراف تھا۔ ہریانہ اور میوات کے علاقوں میں جہاں کی حالت عرب کے زمانہ جاہلیت کی حالت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ آپ کے برکاتِ ارشاد کا یہاں تک ظہور ہوا کہ راجپوت جیسی نومسلم اور بندۂ رسم و رواج قوم کے زن و مرد آپ کے ہاتھ پر کفر۔ شرک۔ بدعات۔ اور دختر کشی۔ وغیرہ رسومات سے تائب ہونے لگے۔ نواح دہلی تک رسوم مذہبی کی بیخ کنی ہونے لگی۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے

طالب فیضِ طریقت و شریعت کے عاشق۔ گروہا گروہ دور و نزدیک سے آپکی خدمت میں اُمڈ پڑے۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن تھا۔ کہ آپ حسد و مخالفت اور عناد و عداوت سے محفوظ و مصئون رہ سکتے۔ پس اس کام کو مولوی نور محمدؒ نے اپنے ذمّہ لیا۔

مولوی صاحب موصوف قریبی سرزمین موضع بیگھڑ کے رہنے والے اور علم شریعت کے دعویدار تھے۔ یہ تو ناظرینِ کرام آئندہ کے حالات سے خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ آپ گروہِ کاملین [illegible] سے تھے۔ یا ناقصین میں۔ البتہ اتنا ہم بتائے دیتے ہیں۔ کہ میدانِ طریقت میں بھی سمندِ ہمّت کو جولان دینا چاہتے تھے۔ اس غرض سے پہلے حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں پھونچے مگر وہاں سے سبھ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کیونکہ آپ شاید میدانِ طریقت کو خالہ کا گھر سمجھے تھے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ ع

خانۂ ہر مور اینجا مثل چاہِ بابل ست

پس بے نیل و مرام واپس آئے۔ یہاں آ کر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا دریائے فیض لہراتا دیکھا۔ جسمیں مخلوقِ الٰہی خوب سیراب ہو ہو کر جاتی تھی۔ آپنے خیال کیا کہ گھر کی مُرغی دال برابر یہاں ہلدی لگیگی نہ پھٹکری رنگ چوکھا آجائیگا۔ پس کمال عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ درویشوں کی جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور مسافروں کو پانی پلانیکی خدمت اپنے ذمّہ لے لی۔ واللہ اعلم درحقیقت انکی نیت ہی فاسد تھی۔ یا قلب پر ازلی مہر لگی ہوئی تھی۔ یا اپنے علم کا گھمنڈ اور ناز تھا۔ کہ اکثر موقعوں پر ان سے جادۂ اعتدال اور ادب سے متجاوز حرکات و افعال صادر ہونے لگے۔ جسپر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو اوّل اوّل اشارۃً۔ پھر علانیۃً تنبیہ کی ضرورت پڑی۔ مگر ایک تو کریلا اور پھر نیم چڑھا۔ تنبیہ کا اثر الٹا ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نقائص اور عیوب کی ٹوہ میں رہنے لگا۔ تاکہ اس بہانہ سے مخالفت کا سلسلہ شروع ہو کر علم مخالفت بلند ہو جائے۔ انہی ایّام میں حضرتؒ شاہ صاحب کو علاقۂ سوتر اور بیگھڑ میں وہاں کے لوگوں کی استدعا پر وعظ و تلقین کیلئے جانا پڑا۔ مولوی صاحب

کا یہ علاقہ زاد بوم اور وطن تھا۔ یہاں آپ کے جوہر کھلنے شروع ہوئے۔ بھلا جبکہ اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔ تو اپنے وطن میں مولوی صاحب جلے پھپولے کیوں نہ پھوڑتے۔ کئی ایک کم ظرف اور شریر طبع اشخاص کو آپکے درپے کر دیا۔ جنہوں نے طرح طرح کے ناکردہ اور ناگفتہ بہ الزام حضرت اقدس کے ذمہ لگا لگا کر لوگوں کو آپ سے بدظن کرنا شروع کیا۔ نیز خود بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک تصنیف موسومہ **بلبل باغ نبی** کے بعض اشعار پہ معترض ہوئے۔ اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو بنیاد قرار دیکر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اور یہاں تک پاؤں پھیلائے۔ کہ مولنا جامیؒ، شیخ عربیؒ۔ اور حضرت عطارؒ رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگانِ دین کی نام بنام تکفیر کرنے لگے۔ سچ کہا ہے مولانا رومؒ نے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد | میلش اندر طعنہ پاکاں زند

مگر باوجود اس شور اشوری کے حضرت شاہ صاحب کے سامنے ایک دن بھی نہ آیا۔ نہ اپنے شکوک اور اشتباہ پیش کئے۔ نہ شفاء و اطمینان کی درخواست کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی صاحب راہِ حق کے جویا نہ تھے صرف قوم ہی کے جویا تھے۔ کرنل فریڈر صاحب کو اس مسئلہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُنہوں نے اصرار کیا۔ کہ ضرور ایک خاص جلسۂ مناظرہ میں اس مسئلہ کے رموز اور نکات کی تشریح نیز مولوی نور محمد کے خیالاتِ باطلہ کی تردید ہونی چاہیئے۔ لہٰذا حضرتِ شاہ صاحبؒ نے اپنے ایک قابل درویش مولوی صوفی **احمد یار خاں صاحب** فتح آبادی کو مناظرہ کی اجازت دی۔ مگر مولوی نور محمد کی کیا بساط تھی۔ جو جلسۂ مناظرہ میں آکر حق کی تحقیق کر لیتے۔ وہ اپنے مبلغ علم سے خوب واقف تھے۔ پس دوڑے دوڑے اپنے اُستاد **مولوی محمد بخش صاحب فاضل سنامی** کے پاس گئے۔ اور انکو مناظرہ کیلئے آمادہ کیا۔

عمو یحیم مولوی سیف الرحمٰن صاحب بیان کرتے تھے کہ مولوی محمد بخش صاحب سنامی جب مناظرہ کیلئے تیار ہوئے۔ تو اُن کے ایک بزرگ نے انکو روکا۔ اور حضرت شاہ صاحب کے فضائل و علمیت کا حال بیان کر کے انکو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا۔ جب وہ نہ مانے تو کہا۔ کہ اچھا

تم جانو۔ جانتے تو ہو۔ مگر اُن سے عہدہ برآ ہونیکی اُمید نہ رکھنا۔ کیونکہ تمہارے پاس صرف کتابیں ہی ہیں۔ اور وہاں کتابوں کے علاوہ امدادِ غیبی بھی شاملِ حال ہے۔ نیز وہ نرے پیرزادہ ہی نہیں۔ مولوی بھی ہیں۔

جلسہ مناظرہ واقع فتح آباد

الغرض فاضلِ سنامی بہت سی کتابیں ہمراہ لئے ہوئے ضلع حصار فیروزہ میں تشریف لائے۔ مولوی احمد یار خاں صاحب انکے مد مقابل قرار پائے اور خاص خاص ... پتائید و تردید کیلئے خود حضرت شاہ صاحبؒ بھی جلسۂ مناظرہ میں رونق افروز تھے صرف دو کتابیں آپکے ہمراہ تھیں ایک قرآن پاک کی تفسیر۔ اور ایک رسولِ خدا کی حدیث۔ انکو بھی کھولنے کی نوبت نہیں آئی۔ آپ مراقب ہو بیٹھے۔ پہلے سوال کا موقعہ فاضلِ سنامی کو دیا گیا۔ اُنہوں نے تنازعہ فیہ امور کے متعلق امکانی پہلوؤں سے اپنے حسب منشا مسائل کو اُٹھایا۔ مگر مولوی احمد یار خاں صاحب کی زبردست جرح و تعدیل کے روبرو ایک پیش نہ گئی۔ فاضلِ سنامی کے بعض نکات پر مولوی احمد یار خاں صاحب کو اگر قدرے توقف و تامل ہوتا تھا۔ تو آپ اُسیوقت مراقبہ سے سر اُٹھا کر مسائل زیر بحث پر زور دار تقریر فرمانے لگتے۔ یا مولوی صاحب کو تشریح طلب امور کی طرف توجہ دلاتے یہاں تک کہ حق غالب ہو جاتا۔ اور فاضلِ سنامی کو سوائے سکوت اور تسلیم کے کوئی رستہ نہ ملتا۔ کئی دن تک مناظرہ ہوتا رہا۔ آخر سب امور مابہ النزاع فریقین کے طے ہو گئے۔ فاضلِ سنامی نے حاضرین جلسہ کے روبرو جس میں سینکڑوں علمائے دین حکام۔ رؤساء۔ اور اس دیس کے پنچائتی پنچ۔ غرض ہر قسم کے لوگ بہ تعداد کثیرہ شامل تھے۔ سب کو مخاطب کر کے حضرت شاہ صاحب کی علمی اور روحانی برگزیدگی کا اعتراف نیز فضل و کمال کا اقرار کیا۔ اور اپنے دعاوی سے دست برداری کا اعلان کیا۔ علانیہ حق کا اعتراف کرتے ہوئے جو درحقیقت فاضل سنامی کے کمال کی علامت تھی۔ اپنے اس بزرگ کا بھی تذکرہ کیا جسنے آپکے فضائل و محامد بیان کر کے روانگی مناظرہ سے منع کیا تھا۔ اور فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو جیسا مینے سنا تھا اس

سے بدرجہا افضل و اکمل پایا۔

مناظرہ ختم ہوا۔ مولوی نور محمدؒ صاحب اس مناظرہ میں نہ شریک تھے نہ شامل۔ اِنکی وہی مثال تھی کہ کُبھس میں جنگی ڈال جمالو دور کھڑی۔ جب انکو خاص اپنے استاد فاضلِ سنامی سے مناظرہ کا نتیجہ معلوم ہوا۔ تو بہت تلملائے۔ اور بدستور اپنی ضد پر اڑ کر پیچ و تاب کھانے لگے۔ فاضلِ سنامی کو انکی اس کج فہمی پر ایسا غصہ آیا۔ کہ اسوقت آپکے ہاتھ میں جو کتاب تھی وہی انکے مُنہ پر دے ماری اور کہا کہ تمکو حق کی تلاش ہی نہ تھی۔ تو میرا بھی وقت کیوں ضائع کیا۔ اور اتنا انتظام کیوں کرایا تھا۔ مگر انکو اسپر بھی تنبیہ نہ ہوئی۔ **حافظ مصری** نام ایک بزرگ تھے۔ اب انکو حکم بنایا۔ وہ نقشبندی مجدّدی تھے۔ شاید مولوی صاحب سمجھے ہونگے کہ وہ نقشبندی ہونیکے سبب وحدۃ الوجود کے بُطلان کا فتوی دیدیں گے لیکن اُن سے بھی حسب دلخواہ مطلب برآری نہ ہوئی۔ آخر حافظ مصری نے یہ معاملہ حضرت مولوی شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی خدمت میں پیش کردیا۔ مولٰنا ممدوحؒ نے مولوی نور محمد کی زبانی توبیخ و تفہیم کے بعد جو فیصلہ تحریر فرمایا وہ بجنسہٖ ہم درج کردیتے ہیں۔ اربابِ فہم خود سمجھ لینگے۔ فائدہ عوام کے لئے بعد میں کسی قدر تشریح بھی کردیجائیگی۔ وھو ھذا۔

نقل محاکمہ حضرت مولوی شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دربارہ فیصلہ تنازعہ مسئلہ وحدۃ الوجود فیما بین مولٰنا شاہ محمّد رمضان صدّیقی مہمی و مولوی نور محمّد جوڑا سکنہ بیگھڑ مصنّف شہباز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

ذکریست درمیان آنکہ حاضر آمد شاہ محمّد رمضان ابن شاہ عبد العظیم ابن مولوی شاہ عبد الحکیم صدّیقی مخبر بہ اسم و نسب و خود بر شریعتِ غرّا و ملّتِ بیضا۔ نزد

خادم الشّرع عبد العزیز بتاریخ بست و چہارم ذیقعدہ ۱۲۳۵ھ و حاضر آوردہ میاں مولوی نور محمّد ابن ملّا..... راکہ قوم جویا ست۔ آن ہم مخبر بہ اسم و نسبِ خود بود۔ بتاریخ بست و نہم شہر مذکور۔ و دعاوی طرفین بدستخط حافظ مصری کہ خود حکم مقرّر کردہ بودند قبل ازیں۔ و نشان ہر دو صاحباں برآں ثبت بودند۔

قول محمّد رمضان این ست کہ اہل اللہ دربارۂ وحدۃ الوجود و برحق ہستند و نیز قائلین [illegible] شنیدہ من مظہر نیز وحدۃ الوجود درواست در نفس الامر۔ فقط و دعوی دیگر۔ ابیات بلبلِ باغ نبی موافق ترجمہ رواست۔ ہمیں معنی دارد کہ نوشتہ ام۔ و قولِ دیگر آنکہ وجودِ مطلق حقیقۃ الحقائق ست۔ انتہیٰ۔

و قولِ نور محمّد آن ست کہ عقیدۂ وحدۃ وجود در شریعتِ غرّا روانیست۔ و قائلینِ وحدۃ الوجود در شریعت غیر مقبول ہستند۔ فقط۔ و دیگر آنکہ ابیات بلبلِ باغ نبی در شریعت کفر ہستند۔ انتہیٰ۔ تمّ دعوہما۔ نیز ہر دو صاحبان بموافق دعاوی مذکورہ زبانی اقرار و اظہار کردند۔ من بعد آن شاہ محمّد رمضان عقیدۂ خود موافق اہل سنّت والجماعت متکلمین اظہار کردہ و گفتہ کہ ہرچہ در قصیدہ امالی ست۔ برآن اعتقاد دارم و مریدانِ خود را ہم ترجمہٗ او ہندی زبان نمودہ آموختم۔ و تاکید نمودم کہ برآن عقیدہ باشند علی الدّوام۔ و نیز بریں طریق اولیاء اللہ را منقاد و مطیعم۔ و ہر حالتِ اوشان را معترفم و امیدوارم کہ بہ برکات اوشان علیہ الرحمۃ والغفران مستفید فیضانِ الٰہی شوم۔ پس خادم الشّرع را معلوم گشت۔ کہ شاہ محمّد رمضان را عقیدہ جامع ست۔ کہ مشتمل بر عقائد سنّت و جماعتِ متکلمین و بر مصطلحاتِ صوفیہ صافیہ متحققین اہل اللہ۔ و میاں نور محمّد را عقیدہ بر شریعتِ ظاہر ست۔ و انکار بر کمال اہل اللہ و حالات و اصطلاحات آنہا نیز منکر۔ و ہم فہمیدہ است کہ اوشان بزرگواراں از جادۂ شریعت

پا بیروں سہادہ۔ معاذ اللہ۔ بمیدا ندکہ اوشان متصف بہ اوصاف شرائع
گشتہ اند۔ لہذا میاں نور محمد را از عقیدۂ فاسدہ بیروں کردہ شد۔ تا درتحت
غضبِ الٰہی نیاید۔ چراکہ مُبغضِ اولیأ اللہ مُبغضِ خدا و رسول ست۔ بہ بیان
کردۂ مراتب اولیاء اللہ کہ حضرت سیّد المرسلین فرمودہ۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ
کانبیاء بنی اسرائیل ونیز العلماء ورثۃ الانبیاء والذین اوتوا
العلم درجٰت۔ ونیز بہ آیات وحدیث دالّ ست بر اثبات وحدۃ وجود
برمذہبِ محققین صوفیہ وہم خصوص اہل السُّنّۃ والجماعۃ۔ جاھدوا فشاھدوا
قالوا ان اللہ سبحانہ واحداً بسیط انبسط علی اشیاء کُلِّ
الموجوداتِ بمعیۃ الذاتیۃ وتمثیل ذٰلک بالجھرِ والظھورِ
فی صورۃ الامواج المتکثرۃ مع انہ لیس ھُناک الا حقیقۃ
البحر فایجاد الحق عبارۃ من نور الحقیقۃ المطلقۃ بالصُّوَرِ المختلفۃِ
والمتعددۃ المشاھدۃ قال اللہ تعالیٰ نور السّمٰوات والارض
وھو الذی فی السَّماء الہ وفی الارض وقال اللہ تعالیٰ اینما تولوا
فثم وجہ اللہ وقال تعالیٰ جعتُ فلم تطعمنی الحدیث۔ وقال فی
جامع الاصول فی اخرحروف الصّاد فی الکتب العاشر فی صفات
عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقرأ ھذہ الاٰیۃ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات
الی اھلھا الی قولہ تعالیٰ ان اللہ کان سمیعًا بصیراً۔ ورائیت
رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع ابھامہ علی اذنیہ والتی
قبلھا علی عینیہ۔ اخرجہ ابوداؤد۔ فیہ اشعار بانہ السّمیعُ
بالاذن والبصیر بالعین فی تجلیۃ الظّلّ فذوات الممکنات

وصفاتھم وافعالھم عاریۃ وامانۃ وھو سبحانہٗ یسمع بسمعہ
الذاتی ویبصر ببصرہ الذّاتی فی مرتبۃ الالوھیۃ۔ انتھیٰ عن کتاب
معیار الموحدین۔ ودیگر آیات ہم خواندہ شدہ۔ چنانچہ۔ سنریھم ایاتنا فی
الافاق وفی انفسھم حتی یتبیّن لھم انہ الحق۔ اولم یکف بربّک
انہ علی کل شئ شھید۔ الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم۔ الا انہ
بکل شئ محیط۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ وان الذین
یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ ودیگر احادیث
لو انکم دلیتم بحبل علی الارض السُّفْلیٰ یھبط علی اللہِ۔ ایں ہمہ دلالت
میکند بر اثبات وحدۃ وجود۔ وحقیقۃ الحقائق کہ مصطلح اہل حقائق صوفیہ اند و ایشاں
اہل اللہ کامل در شرائع واکمل الایمان اند چنانچہ امام محمد غزالی شیخ الاسلام در کیمیائے
سعادت آوردہ۔ وصاحب لمتقط در ملتقط ہم نوشتہ۔ اعلم ان التوحید علی
اربع مراتب الاولیٰ ان یقول لا الہ الا اللہ باللسان وقلبہ غافل
عنہ ھو منکر التوحید والمنافق۔ الثانیۃ ان یصدق بمعنی اللفظ
قلبہ کما یصدق بعموم المسلمین وھو اعتقاد۔ والثالثۃ ان
یشاھد ان یشاھد ذلک الطّریق الکشف بواسطہ نور الحق و
ھو مقام المقربین وان یرہ اشیاء کثیرۃ لکن یراہ صادرۃ من
الوحدۃ وھو مشاھدۃ الصدّیقین۔ پس مولوی نور محمد چوں ایں کلام
کہ منجی ست از غیاہبِ شکوک وظلمات اوہام بشنید۔ یکبارگی بے قیل وقال و بے شبہ
توبۃ النصوح کرد ودر محفل جمہور عوام وخواص از علمائے کرام وفضلائے عظام
از انکار آوردن بر بزرگانِ اہل اللہ وحدۃ وجود وہم از بدگفتنِ ایشاں کہ بسبب
شقاوت ازلی ست۔ ونیز استغفر اللہ واتوب الیہ بخواند۔ از دل وجان اقرار واعتراف

نمود۔ کہ اوشاں اولیاء اللہ اند۔ وصاحبِ کرامت اند۔ ودیگر آنچہ درحق
معتقدین اہل اللہ ناشائستہ گفتہ بودم ونماز وروزہ وجماعت وذبیحہ ونکاح وجواب
سلام وجواب عطسہ ودیگر امور شرعیہ ناجائز ونادرست پنداشتہ بودم۔ توبہ کردم
ودیگر کتاب بلبل باغ نبی بعض ابیات اوراکہ نور محمدؐ حمل بر کفر کردہ محض غلط وخطا
کردہ۔ کہ ترجمۂ اوشان درست۔ امّا بعضے ازآنہا مشابہت بہ ابیاتِ مثنوی مولوی
جلال الدین رومی وتحفۂ مولوی جامی وغیرہ وکتاب فخرالدین عراقی دارند پس
میاں نور محمد تائب شدہ بقصور فہمیدہ نمودہ نصیحت نامہ برائے تابعین خود و
دیگر جمیع مسلمین نگارش کنانیدہ بردہ بمضمون آنکہ ہریک مسلمان بر مسلمانی خود باشند
ویکدیگر را تکفیر وبدنہ گویند۔ ونماز پسِ یکدیگر خوانند۔ اگر مولوی نور محمدؐ بر توبۃ النصوح
علی الدوام بماند بہتر والّا بازا نکار اہل اللہ موصوف وجودی باشند یا شہودی
ودیگر مردم مسلمان را تکفیر وتفسیق وتذلیل وجوابِ سلام ندہد۔ واجب التعزیر
دانند۔ کہ ہر کہ مسلمان را کافر گوید مستحق تعزیر ست درفتاوی عالمگیری من
قذف مسلما بیا فاسق وھو لیس بفاسق او ابن کافر او نصرانی
الی ان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث فی اصل الایمان
الکف عن من قال لا الہ الا اللہ لا نکفرہ بذنب ولا نخرجہ من
الاسلام بعمل الی اٰخرہ۔ رواہ ابوداؤد فقط کتب حکماً محکماً مرضیاً بتاریخ
ہفتم ماہ ذی الحجۃ ۱۲۳۵ھ

نشان مہر حضرت شاہ عبدالعزیز معہ ایں عبارۃ ونشان مہر عبداللہ بن امۃ اللہ

(ھوالعزیز الولی الرحیم) ۱۲۲۲

اس فیصلہ کے بعد یقینی ثابت ہوگیا۔ کہ مولوی نور محمدؐ کو تحقیقِ حق سے کچھ غرض نہ تھی۔ بلکہ اس کا مدعا
کچھ اور ہی تھا۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز کے سامنے توبہ کرلی اور وہاں سے واپس آکر انکو بھی کافر کہنے

لگے۔ حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی شہادت کے بعد تو میدان خالی پاکر بہت ہی سر اُٹھایا۔ اور
عقیدہ وحدۃ الوجود کے بُطلان اور اُس کے قائلین کی تکفیر پر اتنا زور دیا۔ کہ آخر پھر شرعی
فیصلہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب کے برادر خورد مولوی شاہ محمد اسمٰعیل اور
مولوی نور محمدؐ کے درمیان پھر مناظرہ قرار پایا۔ شاہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں معہ دوسو (۲۰۰)
اڑھائی سو (۲۵۰) ہمراہیوں کے فیصلہ کے لئے گئے۔ انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے محاکمہ
کو ملاحظہ فرماکر اس سے بکلّی اتفاق کیا۔ اور نور محمدؐ سے توبہ کراکر خود ایک محاکمہ لکھا۔ جو بخوفِ
طوالت حذف کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب وہاں سے آکر شاہ سلیمان تونسویؒ کو بھی کافر
کہنے لگ گئے۔ آخر کار علمائے کرام نے انکے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور وہ بغیر توبہ کئے ہی مر گئے۔
اس طرح حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی وہ **پیشینگوئی** پوری ہوئی جو دلّی میں بروز محاکمہ آپنے
بایں الفاظ کی تھی۔ کہ ”اولیاء اللہ کی جسکو پھٹکار ہوجائے اسکو توبہ نصیب نہ ہوگی“۔

مسئلہ وحدۃ الوجود کی تشریح و تفہیم

مسئلہ وحدۃ الوجود جس کی بناپر مولوی نور محمدؐ نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی مخالفت پر اتنا
غوغا مچایا ایک قدیم اور معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ اور ہمیشہ سے صوفیائے کرام وعلمائے عظام میں
موجبِ تکرار ونزاع رہا ہے۔ صوفیائے کرام اسکی بدولت جان پر کھیلتے اور کفر کے فتوے سر
پر جھیلتے چلے آئے ہیں۔ مگر اس عقیدہ سے کبھی اُنہوں نے انکار وانحراف نہیں کیا۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ ضرور اس میں کچھ مٹھاس اور لذّت ہے۔ ورنہ صریح تلخی اور نرے زہر کی جان اور
ایمان کے مقابل میں کیا حقیقت ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف علمائے کرام بھی پنجہ جھاڑ کر اس
مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حربۂ **تکفیر** انکے ہاتھ میں ہے جہاں کسی کے منہ سے اس
عقیدہ کا اظہار سُنا۔ اور یہ حربہ اس کے جگر میں گھونپ دیا۔ پھر نہ ان کے مارے کی فریاد
نہ فیصلہ کی اپیل ہے

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست
وگر خون بفتویٰ بریزی رواست

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہر دو گروہ کا مقصد و مطلب واحد ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک محکمہ روحانی کے دو صیغوں کا عہدیدار یا ایک کتاب کے دو بابوں کا مدرس و معلم ہے۔ تو پھر باہم اتنی کٹا چھنی کیوں ہے۔ البتہ جب اسی گروہ یعنی علمائے کرام میں مولانا رومؒ شیخ عربیؒ۔ امام غزالیؒ اور محدثِ ہند مولوی شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی جیسے ممتاز علما کو اس عقیدہ کی تصدیق و تصویب کرتے بلکہ خود اپنا بھی یہی عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اتنی بات تو ضرور سمجھ میں آتی ہے۔ کہ یہ عقیدہ بلا شک و شبہ درست اور جائز ہے۔ مگر ہے ٹیڑھی کھیر۔ یعنی جلد ہر کسی کے سمجھ میں آنے والی نہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

شرع کے معنی ہیں راستہ چلنا۔ اور **شریعت** کے معنی ہیں راستہ بتانا رہنمائی کرنا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ رہنمائی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ رہنما سالک کے ساتھ ساتھ بھی چلے۔ بغیر اس کے بھی وہ رہنمائی کر سکتا ہے۔ اور رستہ کے نشیب و فراز اونچ نیچ اور دیگر پیش آنے والے واقعات جو اسکو معلوم ہیں بغیر ہمراہ چلے بھی بتا سکتا ہے۔ اور چلنے والا اُن نشانات و علامات کے مطابق رستہ چل سکتا ہے۔ اس کا نام ہے **طریقت**۔ ظاہر ہے کہ رستہ چلنے والے یعنی سالکِ طریقت کو مقررہ اور صریح مقامات اور واقعات کے علاوہ کچھ اور واردات اگر پیش آئیں۔ تو اس شخص کو انکی کیا خبر ہے۔ جو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا رستہ بتلا رہا ہے۔ پس سالکانِ طریقت جب ایسے عجیب واردات اور واقعات زبان حال یا قال سے بیان کرتے ہیں۔ تو مقامی رہنما یعنی علمائے شریعت اپنی مقررہ واقفیت اور معینہ معلومات کی بنا پر اِن کا انکار اور خلاف کرتے ہیں۔ اگر اس انکار و خلاف میں **نفسانیت** مستور ہوتی ہے۔ تو وہ اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ اسی کو حضرت شاہ محمد رمضانؒ نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ کہ "جسکو اولیاء اللہ کی پھٹکار ہو جاتی ہے اسکو توبہ نصیب نہیں ہوتی"۔ اور مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں خبر دی ہے۔ من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ لی بالحرب یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

جسنے میرے ولی کے ساتھ عداوت کی۔ وہ میرے ساتھ لڑنے کو تیار ہو جائے۔

اور اگر اس انکار و خلاف کا باعث **نقصِ کمال** ہوتا ہے یعنی عالمِ معترض بسبب ناقص ہونے کے اِن واردات اور مقامات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تو وہ معذور ہے۔ نہ اسپر اولیاء اللہ کی پھٹکار ہوتی ہے۔ نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ بشرطیکہ حدّ ادب سے تجاوز نہ کرے۔ اور حدِّ ادب کے اندر رہکر بھی اتنا نقصان تو اسکو ضرور ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کہ تمام عمر اولیائے کرام کے فیوض سے محروم اور ترقی درجات سے بے نصیب رہ جاتا ہے بقول کسے ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدہر بماند

اور اگر کوئی **رہنمائے کامل** انکار و خلاف کرے۔ جیسا کہ **منصورؒ** کے فتویٰ تکفیر و قتل پر خود ان کے پیر و مرشد حضرت **جنیدؒ** نے دستخط کر دیے تھے۔ تو اسمیں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ عوام الناس نہ گمراہ ہو جائیں۔ کیونکہ اِن واردات عجیبہ و مقاماتِ غریبہ کو جن میں **عقیدہ وحدۃ الوجود** بھی ہے۔ ہر شخص سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ پس وہ کاملین و عارفین ایک آدھ کی جان و ایمان کی پرواہ نہ کر کے لاکھوں بندگانِ خدا کے ایمان کی حفاظت کا سامان کر دیتے ہیں۔ یہی مقصد ہوتا ہے اہل طریقت کا۔ اور یہی اہل شریعت کا۔ سو حاصل ہو جاتا ہے۔ گو بظاہر شریعت و طریقت میں مغائرت نظر آنے لگتی ہے۔ مگر درحقیقت مغائرت کا وجود ہوتا ہے نہ شائبہ۔ رہی یہ بات کہ

عوام النّاس کے ساتھ کیوں بخل برتا جاتا ہے؟

ان کو ان واردات و مقامات کے سمجھنے کے قابل کیوں نہیں بنایا جاتا۔ نورِ حقیقت پر پردہ کیوں ڈالا جاتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر موقعہ اور مصلحت اسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ ورنہ کاملینِ شریعت نے اِن واردات و مقامات کو عام فہم بنانے اور عوام الناس کے ذہن نشین کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ کیونکہ اصلی مقصد تو عوام الناس ہی کی اصلاح اور ہدایت ہے۔ خواص تو خواص ہی ہیں۔ اِن کے واسطے کسی جدّ و جہد کی ضرورت نہیں۔ پس اگر عوام النّاس

طالب وشائق ہوں۔ تو ان واردات اور مقامات کا سمجھ لینا کچھ دشوار نہیں۔ **مثلاً** اسی عقیدۂ وحدۃ الوجود کو دیکھئے۔ کہ علمائے کرام نے کیا اچھی **تشریح** کی ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ انسان یہ عقیدہ رکھے۔ کہ اصل وجود یا حقیقی وجود یا یوں کہو کہ وجود کہلانے کا مستحق صرف ایک وجود ہے۔ یعنی **اللہ بس باقی ہوس** اب اس میں عوام الناس کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ صرف ایک وجود کو مانکر باقی تمام وجود یعنی زمین۔ آسمان۔ عرش۔ کرسی۔ مکانات اور حویلیاں جنکا وجود صاف نظر آرہا ہے۔ یا معتبر ذریعہ سے پتہ لگتا ہے۔ ان سے کیونکر انکار کیا جائے۔ آنکھوں دیکھتے مکھی کیونکر نگلی جائے۔ **بندۂ نفس** کیلئے تو یہ مغالطہ بہکنے اور خواہشاتِ نفسانی کا آلہ بنانے لئے کافی ہے۔ مگر **جوئندۂ حق** سمجھ لیتا ہے کہ اس عقیدہ میں حقیقت کی نفی کیگئی ہے نہ کہ مجاز کی۔ جیسا کہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

پناہ بلندی و پستی توئی ۔ ہمہ نیستند ہر چہ ہستی توئی

یعنی اگرچہ بلندی و پستی وغیرہ کا بھی وجود تو ہے۔ لیکن فانی اور غیر حقیقی وجود ہے۔ اور حقیقی وابدی وجود سوائے ذات واحد کے اور کسی کا نہیں۔ یہ ہے عین توحید اور راس الطاعات اسی کا نام ہے عقیدۂ وحدۃ الوجود۔ اور اسی کو **ہمہ اوست** کے نام سے بھی موسوم کر دیتے ہیں۔ یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ خدا ہی خدا ہے۔ یہاں بھی عوام الناس کو ایک **بڑا مغالطہ** لگتا ہے کہ جب سب کچھ خدا ہی خدا ہے۔ تو ماں بہن اور بیوی میں کیا فرق رہا منصور نے انا الحق کہدیا۔ تو اس کو سولی کیوں دی گئی۔ مگر طالبِ حق کیلئے یہاں بھی رہنمائی کا سامان مہیا ہے۔ یعنی وہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ ہر چیز میں وہی جلوہ افگن ہے۔ اور ہر جگہ اسی کا پرتو ہے جیسا کہ مختلف رنگ اور مختلف وضع کے چند آئینے رکھکر انکے بیچ میں ایک شمع روشن کر دیں تو ہر ایک آئینہ میں ایک ایک بلکہ کئی کئی شمعیں روشن نظر آئینگی۔ ظاہر ہے کہ اصل میں شمع ایک ہی ہے جس کا عکس ہر ایک آئینہ میں نظر آرہا ہے۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ ہر آئینہ میں ہمہ اوست یعنی وہی شمع ہے۔ کیونکہ خود آئینہ کا وجود تو بوجہ فانی و مجازی ہونیکے قابلِ شمار نہیں۔ اور شمع کا وجود

حقیقی ہے۔ پس وہی شمار میں آئیگا۔ جیسا کہ کسی گاؤں میں قرآن شریف کے دو حافظ رہتے ہوں۔ جن میں سے ایک تو پورے قرآن کا حافظ ہو اور دوسرے کو صرف چند پارے حفظ یاد ہوں مگر حافظ وہ بھی کہلاتا ہو۔ اب اگر کوئی غیر شخص وہاں آکر پوچھے۔ کہ اس گاؤں میں کتنے حافظ ہیں۔ اور جواب میں کوئی کہے کہ ایک دوسرا وہیں کا رہنے والا کہے کہ ایک اور بھی تو ہے۔ دو ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ مجیب اوّل یہی کہیگا۔ کہ حافظ تو دراصل ایک ہی ہے۔ یعنی گو باعتبار وجود کے ایک حافظ اور بھی ہے۔ مگر درحقیقت قابلِ شمار اور حافظ کہلانیکا مستحق تو ایک ہی ہے علیٰ ہذا القیاس ایک ماتحت افسر جو ہر طرح با اختیار ہوتا ہے اپنے افسرِ اعلیٰ کے سامنے ہیچ ہو جاتا ہے یعنی گو وجود اس کا بھی مسلم ہوتا ہے۔ لیکن اعلیٰ کے مقابل میں شمار میں نہیں آتا۔ افسرِ اعلیٰ ہی کا وجود گنا جاتا ہے۔ پس جبکی رسائی افسرِ اعلیٰ تک ہوگی اور وہی اُس کی نظروں میں بس رہا ہوگا۔ وہ کسی ماتحت افسر کو کب شمار میں لائیگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بوستاں میں لکھتے ہیں ؎

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید ۔ خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم ۔ گر او ہست حقا کہ من نیستم

یعنی ایک ننھا سا قطرہ بادل سے ٹپکا جب اسنے زمین پر بے انتہا پانی کا دریا بہتے دیکھا۔ تو دل میں کہنے لگا کہ بھلا جہاں پانی کا اتنا بڑا وجود موجود ہے میں اسکے سامنے کیا چیز ہوں ظاہر ہے کہ گو وجود قطرہ کا بھی ہے مگر دریا کے مقابلہ میں ہیچ۔ دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ مشرح فرماتے ہیں کہ جگنو سے کسی نے پوچھا کہ رات کو تم خوب چمکتے ہو۔ دن میں کہاں غائب ہو جایا کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ ؎

شب و روز من جز بصحرا نیم ۔ ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

یعنی ہوتا تو دن میں بھی اسی جنگل میں ہوں۔ لیکن سورج کے سامنے میری ہستی حقیر۔ اور میرا وجود ناقابل شمار ہوتا ہے۔ پس مجھے کوئی تمیز نہیں کر سکتا۔ غرض یہ ہے حقیقت ہمہ اوست یا وحدۃ وجود کی۔ جو کاملینِ شریعت نے عوام الناس کے فہم اور استفادہ کیواسطے بیان فرمائی ہے۔

مگر پھر بھی چونکہ بے سوچے سمجھے اس راستہ پر قدم رکھنا موجب ہلاکت ہے۔ اور خاصکر اس عقیدہ کا وہ مفہوم جو گروہِ خواص یعنی کاملین طریقت کے نزدیک معتبر اور مسلّم ہے۔ وہ تو بغیر رہبر کامل کے عوام الناس کے واسطے بالکل ہی باعثِ ضلالت و آفت ہے۔ لہٰذا سلاسل عالیہ میں سے بعض مثلاً حضرات نقشبندیہؒ نے اس عقیدہ کی آسان صورت کو اختیار فرمایا ہے۔ جو ہمہ اوست کے ذیل میں اوّل ہی بیان ہو چکی ہے۔ یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ ہر شی میں اسی کا ظہور ہے۔ نہ کہ ہر شی وہی ہے۔ اس کا نام انہوں نے **ہمہ از وست** یا **وحدۃ الشہود** رکھا ہے۔ اور اس تفریق کا مدعا آسانی تفہیم ہے۔ ورنہ دراصل ایک ہی بات ہے۔ اور افضل و اعلیٰ وہی عقیدہ وحدۃ الوجود ہے۔ امید ہے کہ ناظرینِ کرام کو اب اس مسئلہ اور عقیدہ کی حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی ہوگی۔ پس وہ ہمیشہ ہر دو فریق یعنی اہل شریعت اور اہل طریقت کو عزت و احترام سے دیکھیں گے۔ اور کسی کے حق میں اپنی زبان سے سب وشتم اور کفر وفسق کے الفاظ نہ نکالیں گے یہی ما حصل ہے شاہ عبدالعزیزؒ کے محاکمہ اور فیصلہ کا۔ کیونکہ اوّل تو کلمہ گو اور مسلمان کو کافر و فاسق وغیرہ کہنا جائز ہی نہیں۔ اور اگر کہیں تو کاملانِ شریعت کہیں۔ ہم کون بچارے ۵

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند   تو گدائے گوشہ نشینی حافظا مخروش

سفرِ حج اور واقعۂ شہادت

آپکی فیوض و برکات کا باغ آپکی نظروں کے سامنے ہریانہ دیس اور میواڑ وغیرہ میں بلکہ ایک طرف پنجاب اور دوسری طرف نواح دہلی تک پھولا پھلا لہرا رہا تھا۔ طالبانِ فیض آپکی صحبت و بیعت سے مشرف اور رنگ عرفاں سے گلرنگ ہو ہو کر جا رہے تھے۔ جہالت کی تاریکی مٹتے مٹتے قریب مفقود اور نابود ہو چکی تھی علم کے انوار ہر طرف پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے احیائے سنّت کی بہار اور نعرۂ توحید کی پکار عاشقانِ رسول اور رہندگانِ مقبول کے آنکھوں ٹھنڈک اور کلیجے سکھ پہونچا رہی تھی۔ مولوی نور محمدؒ اور اس کے ہم مشرب و ہم خیال اس خدائی جاہ جلال کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کو دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ اور اپنی ریشہ دوانیوں میں بدستور مصروف تھے۔ مگر آپ کو اس کی کچھ پرواہ تھی نہ ملال۔ فقط خدا کی عبادت کا دھیان تھا۔ اور مخلوق خدا کی ہدایت کا خیال۔ یا اگر کوئی اور خیال اندر ہی اندر چٹکیاں لے رہا تھا تو وہ **زیارتِ حرمین الشریفین** کا خیال تھا۔ اور روضۂ انور پر جبہہ سائی کا اشتیاق۔ کئی مرتبہ آپ اپنے اس اشتیاق کا اظہار فرما چکے تھے۔ مگر چونکہ والدین بفضلہ زندہ و سلامت تھے پس بوانکو اس لعل بے بہا کی فرقت گوارا ہوتی تھی نہ آپکی دلی آرزو بر آنیکی نوبت آتی تھی۔ مگر **دل کی لگی بُری ہوتی ہے**۔ جسکے دل کو لگتی ہے اس کا تو کیا ہی کہنا ہے دوسروں کے قلب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ کیسا ہی سنگدل یا ضابطہ کیوں نہ ہو کسی دل کی لگی والے کی لگن کو ذرا محسوس کرلے پھر کیا مجال جو پگھل کر موم نہ بنجائے۔ آخر یہی تاثیر آپ کے بھی کام آئی۔ یعنی آپکے اشتیاق اور طلب کو آپکے والدین نے محسوس فرما کر سفرِ حج کی اجازت دیدی۔ اور آپ تمام خانگی ضروریات سے فارغ ہو اور اپنے داماد اور بھتیجے مولوی **شاہ عبدالغنیؒ** پر بار خلافت کا معنوی بوجھ ڈالکر عازم مصمم ہو گئے۔ ارادتمند خاص نواب عبدالصمد خاں والی دوجانہ کو جب آپکے عزم کی اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے نیز دیگر تمام با اخلاص مریدوں نے چندے توقف اور تاخیر کی درخواست کی۔ مگر بے سود۔ آپ کا اشتیاق ناصیہ فرسائی سب پر غالب آیا۔ آخر نواب صاحب موصوف نے مبلغ آٹھ سو روپے نقد نذر کئے اور آپ معہ آٹھ مخلصین کے روانہ منزل حبیب ہوئے۔

اُس زمانہ میں آجکل کی طرح اسباب سفر میں آسانیاں کہاں میسر تھیں۔ نہ ریل تھی نہ تار برقی۔ نہ سمندروں میں دخانی جہازوں کا نام و نشاں تھا۔ خشکی میں سڑکوں اور شاہراہوں کا پتہ۔ کہیں پیادہ پا کہیں بہلی میں سوار۔ ہریانہ۔ راجپوتانہ۔ میواڑ اور مالوہ وغیرہ کے راستہ میں آنے والے مقامات کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے فیضیاب فرماتے اور وہاں کے باشندوں کو وعظ و تلقین سے سیراب بناتے۔ ہندوستان کے ساحلی مقام

مندسور میں پہونچے۔ آپ چونکہ بارگاہ رب العزت سے ایک **روحانی طبیب** بنکر آئے تھے۔ پس جہاں جب مرض کا زور اور غلبہ دیکھتے تھے اسی کا مداوا اور معالجہ فرماتے تھے۔ یہی آپ کے فیض کی دلیل اور آپکی تعلیم کے مؤثر ہونے کی وجہ تھی۔ اس سفر میں بھی آپ اپنی اس بے نظیر روش پر قائم رہے۔ یعنی جہاں بدعات کا چرچا دیکھا وہاں انکی تردید اور احیائے سنت کی تاکید فرمائی۔ جہاں جہالت اور ضلالت کے آثار پائے۔ وہاں علم کے انوار تعلیم و تدریس کے برکات پھیلائے۔ اوہام پرستی کا غلبہ دیکھا تو اس کا قلع قمع کیا۔ رسوم مذموم کا شیوع پایا تو انکو محو و نابود کیا۔ مندسور میں اور اس کے قرب وجوار میں قوم بوہرہ کا زور تھا اور وہ سب کے سب مذہب کے رافضی تھے۔ جنکے مذہب کی بنیاد ہی ہوا و ہوس اور خواہشات نفسانی پر قائم ہے۔ نہ انکو خدا کا خوف نہ رسول کا ڈر۔ یہ دوست نما دشمن نام کو تو دعوی کرتے ہیں محبت اہل بیت کا۔ مگر درحقیقت ہیں محب ابن سبا یہودی کے۔ اور دشمن اہل بیت کے کیونکہ نہ اُن کے سے افعال ہیں نہ اقوال۔ علی رض اور اولادِ علی کی سی انکی صورتیں ہیں نہ خاندانِ نبوت کی سی سیرتیں۔

مندسور میں آپ نے اپنی روش قدیم کے مطابق بے کھٹکے اس مرض کا معالجہ شروع کردیا۔ جو وہاں اور اُس کے گرد و نواح میں زوروں پر تھا۔ یعنی رافضیوں کے عقائد باطلہ کی تردید اور مذہب اہل سنت والجماعت کی تائید شروع کردی وہاں کے اہل سنت والجماعۃ بلکہ ہر فرقہ و گروہ حتی کہ **قوم بوہرہ** کے منصف مزاج افراد نے بھی آپکی وعظ و نصیحت کو نہایت بلند آہنگی سے سُنا۔ اور قبول کیا۔ یہ عادت قدیم سے چلی آرہی ہے کہ فریقین میں سے جب ایک جانب گنجائش جواب اور تابِ مقاومت نہیں رہتی تو وہ جنگ جدال اور خون خرابہ پر اُتر آتے ہیں۔ اور یہی سینہ زوری انکے کمزوری کی علامت ہے اور ابطال کی دلیل ہوتی ہے اہل مکہ کو دیکھئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب دلائل و براہین سے پیش نہ گئی تو آپکی جان لینے پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے کہ کس ادب اور سلیقہ سے باپکو سمجھارہے ہیں۔

يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝

اے ابا جان۔ کیوں پوجتے ہو ایسی چیز کو جو نہ دیکھتی ہے نہ سنتی نہ تمہارے کچھ کام آسکتی ہے۔ اے ابا جان میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا۔ سو میری پیروی کیجئے۔ میں سیدھا رستہ دکھادونگا۔ اے ابا جان شیطان کو نہ پوجو کیونکہ وہ بیشبہ رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے ابا جان مجھکو خوف ہے کہ کہیں تمکو رحمن کی طرف سے عذاب آلگے کہ بس پھر تم شیطان کے ساتھی بنجاؤ۔

اور باپ کو دیکھو کہ نہ اپنے دعوے کی تصدیق اور عقیدہ کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرتے ہیں اور نہ بیٹے کے دعوے کو دلائل و براہین سے جھٹلاتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو یہ کہ

أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝

کیا تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم برگشتہ ہوگیا ہے؟ اگر تو اس روش سے باز نہ آیا تو میں ضرور تمکو سنگسار کردونگا اور جا اب مجھ سے دور ہوجا ایک مدت تک۔

یعنی حضرت ابراہیم تو ابا جان ابا جان کہکر انکو راہِ راست پر لاتے اور قعرِ دوزخ میں گرنے سے بچاتے ہیں اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ پتھروں سے مار مار کر کچومر نکال دونگا۔ دیگر انبیا علیہم السلام کے ساتھ بھی دیکھ لیجئے۔ یہی سلوک اور یہی انداز دکھائی دیگا۔ پھر بھلا رافضیوں کے فرقۂ باطلہ میں کیا جرأت ہوسکتی تھی۔ کہ وہ دلائل و براہین سے کام لیتے۔ یا بالمقابل قرآن اور حدیث سے اپنے مذہب کی حقانیت کو ظاہر کرتے۔ بھلا جس مذہب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہو اور دغا و فریب پر عمل۔ اس مذہب کے پیرؤں میں اتنی ہمت کب ہوسکتی ہے۔ کہ وہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کیوقت آدمیت اور انسانیت کے جامہ میں رہ سکیں۔ پھر جنہوں نے چشم و چراغ رسالت کو اپنے دغا و فریب سے پامال کردیا ہو۔ اور لختِ جگرِ رسول کی تڑپ و بے قراری کا ذرا بھی پاس نہ کیا ہو۔ وہ کسی امت کے حال پر کیا رحم اور ترس کھا سکتے تھے۔ پس اپنے فرقہ کی کایا پلٹ ہوتے

دیکھکر اسکے سوا انکو اور کچھ نہ سوجھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی جان لیکر اپنی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچائیں۔

ادھر تو حضرت شاہ صاحبؒ جہاز پر سوار ہوئے اور ادھر ایک ملاّ معہ دس بارہ ہمراہیونکی تقیہ کا لباس پہنکر آپکے ساتھ سوار ہو گیا۔ اور اس تاک میں رہا۔ کہ جہاں موقعہ ملے وار کروں۔ مگر آپکا سلسلہ وعظ و تلقین چونکہ جہاز پر بھی بدستور جاری رہا جسکے سبب آپ ہر وقت مرکز ہجوم و انبوہ کثیر بنے رہتے تھے۔ لہٰذا اس کور باطن ملاّ اور اسکے ہمراہیونکی کچھ پیش نہ گئی۔ بلکہ کچھ عجب نہیں۔ اگر انکو لباس تقیۃ کی بدولت بیش از بیش اپنے عقائد باطلہ کی فضیحت سُننی پڑی ہو اور وہی مزید اشتعالک طبع کا باعث ہوئی ہو۔ آخر آپ جہاز سے مع الخیر دوسرے ساحل پر اُترے۔ اور طواف بیت اللہ و زیارتِ رسول اللہ سے مشرف و ممتاز ہو کر معہ ہمراہیاں باخلاص مراجعت فرمائے ملک ہند ہوئے۔ ۲۳ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ کو پھر مندسور میں تشریف لائے۔ امراء و رؤسائے شہر نے بڑی دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا۔ اور ہر خاص و عام نے آپکے قیام کے واسطے اپنے اپنے مکانات پیش کئے مگر آپنے حسب عادت خانۂ خدا کو چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہ کیا۔ ایک مسجد خیر اندیش نامی میں جو قوم بوہرہ کے محلّوں کے قریب ہی تھی فروکش ہوئے۔ آپ سے چار یوم بعد کور باطن ملاّ اور اسکے ہمراہی بھی کہیں سے خدائی خوار پھرتے پھراتے واپس آ گئے۔ اور آتے ہی اُنہوں نے مخالفت کی آگ کو از سرِ نو مشتعل کر دیا۔ مگر پہلے چُپکے چُپکے مقامی حکّام کو رشوت دے دلا کر اپنے ڈھب پہ کر لیا۔ اور پھر قتل و غارت کا سامان مہیّا کر کے مسجد کے قریب جو بوہروں کے مکان تھے۔ اُن میں اِن جفا کیشوں کی ٹولیاں آ بیٹھیں اور موقع کا انتظار کرنے لگیں۔

۸ جمادی الاوّل سنہ ۱۲۴۱ھ کو منگل کا دن تھا۔ کہ آپنے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل فرمائے خوشبو لگائی۔ ریش مبارک میں شانہ کیا۔ اور اپنے محبوب و مولیٰ کی ملاقات کیلئے اپنی طرف سے ہر طرح تیار ہو بیٹھے۔ ہمراہیوں میں سے کوئی کیا سمجھا ہو گا۔ کہ آج خلاف معمول یعنی روز جمعہ سے پہلے ہی کیوں آپنے لباس تبدیل کیا ہے۔ اور کیوں غسل فرمایا ہے۔ چنانچہ سب کے سب بعد فراغتِ نمازِ

فجر مسجد میں مراقب اور معمولات و مشاغل میں مصروف تھے۔ کہ یکایک بوہرونکی ایک جماعت شور و غُل کرتی ہوئی مسجد میں آ گھسی۔ آپکی خدمت میں اس وقت صرف چھ فدائی تھے۔ یعنی حاجی رحمت خانصاحب۔ حاجی گل محمدؐ صاحب ولایتی۔ حاجی نور محمدؐ صاحب کاہنوری۔ حاجی قمر الدین صاحب سکۂ دانگ۔ ضلع حصار۔ اور سیّد عبد القادر صاحب خلیفۂ آنجناب۔ انکے علاوہ ملاقاتیوں اور زیارت کنندوں میں سے قاضی صاحب پرتاب گڈھ والے آپکو اپنے ہاں لیجانیکے واسطے پچاس آدمیوں کے وفد سمیت آئے ہوئے تھے۔ مگر اسوقت مسجد میں صرف اکیلے ہی موجود تھے اور سیّد علی احمد صاحب کرنالی اور قاضی معین الدین صاحب مانڈل گڈھ والے بھی یاد الٰہی میں مصروف تھے۔ جنہوں نے بوہرونکی جماعت کو اُنکے ہاتھ پکڑ پکڑ کر مسجد سے باہر نکالنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک ٹولی بوہروں کی مسلّح اور آ پہونچی۔ جسنے آتے ہی مسجد پر حملہ کر دیا۔ حاجی رحمت خانصاحب یہ حال دیکھکر بھڑک اُٹھے۔ اور بندوق اُٹھا کر فیر کرنا چاہا۔ مگر آپنے روک دیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو ہونی ہے وہ تو ہو کر رہیگی۔ تم اپنی طرف سے پہلا وار کر کے ہمارا ثواب اور درجہ کیوں گھٹاتے ہو۔ جوش میں بھرے ہوئے حاجی صاحب نے آپکے اس فرمان پر مطلق توجہ نہ کی نہ کسی اور نے خیال کیا۔ کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ قریب تھا کہ بندوق کا فیر کر دیں۔ کہ آپنے ان سے بندوق چھین لینی چاہی۔ وہ مانع ہوئے۔ اس چھینا جھپٹی میں بندوق زمین پر گر پڑی۔ اور اس کا کُندہ ٹوٹ گیا۔ حملہ آور بوہروں نے اس عرصہ میں آگے بڑھ کر شدّت کے ساتھ فیر کرنے شروع کر دئے۔ حاجی صاحب نے بیتاب ہو کر عرض کیا۔ کہ یا حضرتؒ فرمائیے اب کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا کہ اب تمہیں اختیار ہے۔ اشارہ پاتے ہی حاجی صاحب موصوف اور حاجی گل محمدؐ شیرانِ سنت کی طرح تلواریں میان سے سُونت کر اُٹھے۔ اور سات آٹھ بوہرونکو خاک و خون میں لٹا دیا۔ بہتونکو دھکیل کر باؤلی میں گرا دیا۔ باقی کے شیاطین بھاگ نکلے۔ اور مسجد سے باہر چلے گئے اور یہ سب حضرات بدستور اپنے وظائف میں مشغول ہو گئے۔

جب ان کور باطنوں نے دیکھا کہ کلّہ بکلّہ لڑائی میں اِن مردانِ خدا سے عہدہ برآ ہونا دشوار

ہے تو وہی اپنے پیشوا کو فیونکی سی چال چلنے لگے۔ یعنی مسجد کے متصلہ مکانات پر چڑھکر جو انہی لوگوں کے تھے مسجد کے دالان اور صحن میں گولیاں برسانی شروع کیں۔ اب ان حضرات کو بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ حضرت شاہ صاحب تو مراقبہ میں تھے۔ دیگر سب جاں نثاروں نے آپکو بیچ میں لے لیا۔ خود گولیونکی بوچھاڑ کے سامنے ڈٹ گئے۔ مگر آپ پر آنچ نہ آنے دی آپ اُس وقت **اللہ ھو** کے ورد میں مشغول تھے۔ وفورِ سرور اور نزول واردات کا غلبہ تھا۔ نہ گولیوں کا فکر تھا نہ تیروں کا ڈر۔ اتنے میں بوہرونکی ایک اور مسلح جماعت مسجد کا دروازہ توڑ کر اندر آگھسی یہ جمعیت بہت بڑی تھی۔ چالیس آدمی تو خاص زیدی عربوں کے تھے۔ جو مشہور نشانہ باز اور آج ہی کے دن کے لئے ملّا صاحب نے تیار کئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں بوہرے اور بھی شامل تھے۔ حضرت کے ہمراہیوں نے اب بھی اپنی بہادری کے جوہر خوب دکھائے۔ بہتوں کو تہ تیغ کیا۔ کشتوں کے پشتے لگائے۔ مگر کجا اکائیاں۔ اور کجا سینکڑے۔ کہاں مسافر اور بے وطن کہاں مقیم اور اہل وطن۔ زمین و آسماں کا فرق تھا۔ آخر **شجر ولایت کے برگ و بار جھڑنے لگے**۔ سب سے پہلے حاجی رحمت خاں نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہو کر زمیں پر گرے۔ اسکے بعد قاضی معین الدین صاحب ماڈل گڈھ والے کی نوبت آئی۔ پھر سید عبد القادر صاحب نے جامِ شہادت پیا۔ بعد ازاں سید احمد علیصاحب جان بحق تسلیم ہوئے۔ حاجی گل محمد صاحب کے دونوں پاؤں کٹ گئے۔ اور حاجی نور محمد صاحب کے اوّل ایک کاری زخم تلوار کا لگا۔ پھر ایک گولی ران میں ایسی لگی کہ بیتاب ہو کر گر پڑے۔ حاجی قمر الدین اور قاضی جی پرتاب گڈھ والے بھی سخت مجروح ہوئے۔ قافلہ سالار حضرت شاہ محمد رمضانؒ ساتھیونکی شہادت سے پہلے ہی بازو میں دو گولیاں کھا چکے تھے۔ اب ان بہادروں کے شہید ہونیکے بعد دو گولیاں اور آپ کے سینۂ مبارک میں آکر لگیں۔ اسوقت آپ کھڑے تو ہو نہ سکے۔ فی الفور قبلہ رو ہو گئے اور ایک گھٹنا کھڑا کر کے کلمۂ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔

حاجی نور محمد صاحب کامونری فرماتے تھے کہ اسوقت حضرت علیہ الرحمۃ اور آپ کے تمام رفقاء کے چہروں پر ایک عجیب نور و جمال برس رہا تھا۔ جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ ذوق و شوق کا غلبہ اور لقائے باری تعالیٰ کا ظہور اس وقت عجیب طرح پر ظاہر ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں آپ اپنے سر مبارک پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اور اپنے ساتھیونکو کہتے جاتے تھے۔ کہ ،، اے یارو گھبرانا مت۔ اللہ کا شکر ہے۔ کہ ہماری جانیں راہِ حق میں قربان ہوتی ہیں۔ جامِ شہادت تیار ہے۔ اور خاتمہ کا نازک وقت در پیش۔ دیکھنا خطراتِ شیطانی کو اپنے دل میں نہ آنے دینا،، غرض اسوقت بھی آپ سرگرم ارشاد و مصروف عبادت تھے۔ کہ اسی حال میں ایک گولی جبینِ مبارک میں ایسی آکر لگی۔ کہ دماغ کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ آپ معاً سجدے میں گر پڑے۔ اور طائرِ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جب یہ خدائی قافلہ اور قافلہ سالار سب کے سب مجروح و شہید ہو کر خاک و خون میں لوٹ گئے اور کوئی حملہ آوروں کے جواب اور مقابلہ کیلئے باقی نہ رہا۔ تو انھوں نے خوب دل کے ارمان نکالے اور اپنی شقاوت و سنگدلی کا ثبوت دیا۔ یعنی خدائی قافلہ سالار حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی لاش مبارک پر خنجر و تلوار کے وار کرنے لگے۔ ۵۴ زخم پہونچائے۔ پھر تمام اسباب حتیٰ کہ کتبِ وظائف اور تبرکات بھی لوٹ کر لیگئے۔ آپ کے بعض ساتھی جو بسبب ناکہ بندی کے محصور و مجبور تھے اب آئے۔ اور اس دردناک منظر کو دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ زخمیوں کو پانی پلایا۔ اور شہیدونکی لاشوں پر آنسو بہا کر چادریں اُڑھا دیں۔ آپکی لاش مبارک کو پلنگ پر لٹایا اور آپکے معتقد سپاہی جو ہریانہ دیس کے رہنے والے اور نیمچ کی چھاؤنی میں الگزینڈر صاحب کے ماتحت تھے۔ اس واقعہ کی خبر پہونچانیکے لئے ان کے پاس آدمی دوڑائے۔ اور اطلاع کا نقارہ بجایا ہر خاص و عام جسنے بھی اس واقعہ کو سُنا۔ افسوس کیا۔ قاضی شہر حاکم مندسور کے پاس اطلاع اور امداد کیواسطے گئے۔ اور لوگوں کے جوش و خروش کا حال بیان کیا۔ وہ تو پہلے ہی فتنہ پردازوں سے ملا ہوا تھا۔ باتوں باتوں میں قاضی صاحب کو دبانے دھمکانے لگا۔ اتنے میں ایک بوہرہ خون آلود لباس میں حاکم شہر کے پاس آیا۔ اور فریاد کرنے لگا۔ کہ ہندوستانی سُنّی مولوی کے ساتھی ہمارے ساتھ

دنگا اور فساد کرتے ہیں۔ اور کشت وخون پر آمادہ ہیں۔ **ایک نیکدل برہمن سردار** تمام حالات سے واقف وہیں بیٹھا تھا۔ گرج کر کہنے لگا۔ کہ او مردود۔ تو آپ ہی تو انکو قتل کرکے آیا ہے۔ اور اب انہی کے ذمّہ الزام رکھتا ہے۔ یہ کہتے کے ساتھ ہی تلوار میان سے نکال اس برہمن نے بوہرہ کا سر کاٹ دھڑ سے الگ کردیا۔ حاکمِ شہر یہ حال دیکھکر گھبرایا۔ اور اندر جا گھسا۔ قاضی صاحب بے نیل مرام واپس آئے۔ انصاف کی توقع نہ رہی۔ آخر سب اہل سُنّت والجماعت باشندوں نے جوش میں آکر خود ہی ہتھیار سنبھالے۔ اور بدلہ کی ٹھان لی۔ پھر کیا تھا۔ خونِ شہیداں ابل پڑا۔ قتل عام شروع ہوگیا۔ جو بوہرہ سامنے پڑا تہ تیغ ہوا۔ سینکڑوں بوہرے تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ حتیٰ کہ بوہروں کا چودھری بھی نہنگ شمشیر کا لقمہ بنا۔ رہگیا فساد کی جڑ اور سب کا سرغنہ مُلّا بوہرہ۔ پس غازیوں کی جماعت اللہ اکبر کے نعرے مارتی ہوئی اس کی تلاش میں بڑھی۔ وہ ایک مکان میں محصور ہوگیا۔ جسکے اردگرد سُرنگیں کھود کر بارود بھر دیا گیا تاکہ مُلّا کے ساتھ اس مکان کو بھی صفحۂ ہستی سے نابود کردیا جائے۔ آگ لگانے کی دیر تھی۔ کہ اتنے میں کسی نے کہا۔ کہ دیکھنا ہمارا آدمی مُلّا کے قتل کے لئے اندر گھس چکا ہے۔ اسکو باہر آجانے دو یہ سنتے ہی بارود کو آگ دکھانے میں توقف کیا۔ اور مُلا اس توقف سے فائدہ اٹھاگیا۔ یعنی رات کی تاریکی میں لہنگا پہنکر عورت کے بھیس میں نکل کر روپوش ہوگیا۔

حاجی نور محمدؒ صاحب کا ہنوری بیان کرتے تھے۔ کہ ایک طرف بوہروں پر اس طرح خونِ شہیداں رنگ لا رہا تھا۔ اور ایک طرف حضرت کے معتقدین انتقام۔ اعلان اور ہر طرح سے ہماری امداد میں مصروف تھے یعنی ایک جماعت دشمنوں کو قتل کررہی تھی اور ایک جماعت جسمیں قاضی شہر بھی شامل تھے۔ زخمیوں کی خبرگیری اور شہدا کو آخری منزل تک پہونچانیکی تدبیریں کررہے تھے۔ حضرت کی نعش مبارک معہ ہمراہی شہدا کے منگل اور بدھ کے دن مسجد ہی میں رہی۔ نعش مبارک سے خون برابر جاری تھا۔ مگر کوئی مکھّی پاس نہ پھٹکتی تھی۔

چھاؤنی نیمچ میں جب اطلاع پہونچی۔ تو ایک کہرام مچ گیا۔ ہر ایک دیس کے بہادر سپاہیوں کے

تن بدن میں آگ لگ اٹھی۔ اپنے اپنے ہتھیار سنبھال انتقام کیلیئے تیار ہوگئے۔ مگر جرنیل الگزینڈر نے نہایت متانت اور دانائی کے ساتھ سب کے جوش کو ٹھنڈا کیا۔ اور کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب بیفائدہ قتل وغارت سے کیا حاصل ہے۔ اسکی بجائے ایک ٹرپ فوراً مندسور کو روانہ ہوجائے۔ اور فوجی اعزاز کے ساتھ حضرت کی نعش اور تابوت کو نیمچ میں لے آئے۔ سب نے اس تدبیر کو تسلیم کرلیا۔ اور ایک ٹرپ مندسور کو روانہ ہوگیا۔ قاضی شہر نے نعش مبارک کو پالکی میں رکھا۔ اور دیگر شہدا کی لاشوں کو چارپائیوں پر لٹا دیا۔ مقام مقررہ پر لاکر نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ ہمراہی شہدا کو وہیں سپرد زمین کردیا گیا۔ اور آپکی نعش کو زخمی ہمراہیوں سمیت شبِ پنجشنبہ کو چھاؤنی نیمچ میں لائے۔ اور لکڑی کے تابوت میں رکھکر چھ ماہ کی میعاد پر سپرد زمین کردیا۔

قصبہ مہم اور دہلی وغیرہ میں بذریعۂ روحانی تار برقی آپکی شہادت کی اطلاع

مہم میں عین شہادت کے روز آپکے والد ماجد شاہ عبدالعظیم مجذوبؒ محل خاص کے دروازہ پر بیٹھے تھے۔ کہ یکایک فرمانے لگے۔ "آپکو میری لال کتاب نے آج شہادت کا درجہ پالیا۔ لے میری لال کتاب بیٹے تمکو کہا نہ تھا۔ کہ مکہ جاکر کیا کریگا یہیں ہم تجھ کو بُلا کر جاب لے۔ ہائے میری لال کتاب۔ اب میں تجھے کہاں دیکھوں افسوس صد افسوس۔ آج ہمارے گھر کا دروازہ بند ہوگیا"، چونکہ آپکی لال کتاب کی اصطلاح کو سب جانتے تھے۔ کہ آپنے یہ نام اپنے بڑے بیٹے کو دے رکھ چھوڑا ہے۔ اسلئے اس گفتگو کو سُنتے ہی حضرت شہیدؒ کی والدہ صاحبہ گھبرائیں اور کہنے لگیں کہ آج تمہیں کیا ہوگیا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ فرمایا "سمجھو تو سہی سچ تو کہتا ہوں۔ کہ کام تمام ہوگیا"، حضرت مجذوب کی اس ہولناک بڑ کے منتشر ہوتے ہی حضرت جدّ امجد اور قاضی القضاۃ مولٰنا غلام حسن صاحب نیز کنبہ کے دیگر لوگ تشریف لائے۔ اور عرض کیا کہ حضور۔ آج کیا فرمارہے ہیں۔ کہا کہ "لال کتاب شہید ہوگئی"،

صاحبانِ موصوف نے وہی دن۔ تاریخ اور وقت لکھ لیا۔ جو بعد میں بالکل ٹھیک اُترا

وہلی ہیں آپ کے خسر مولنا محمد سلام اللہ صاحبؒ کو جو روحانی تار پہونچا اسکی کیفیت جناب نانی صاحبہ یعنی حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی زوجہ محترمہ اس طرح بیان فرماتی ہیں۔ کہ عجیب اتفاق تھا کہ میں عین شہادت کے روز یعنی ۲۸ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۶ھ کو اپنے والدین کے ہاں پہونچی۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت والد صاحب فرمانے لگے کہ تم کیوں آئی ہو۔ اور پھر میری والدہ کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ اسکو جلد رخصت کردو۔ والدہ صاحبہ کو آپ کا یہ فرمانا برا معلوم ہوا۔ اور وہ شکوہ کرنے لگیں۔ تو انہوں نے ملائمت سے فرمایا۔ کہ اس کا اپنے گھر ہی چلے جانا بہتر ہے۔ اسکی تھوڑی دیر بعد بیٹھے بیٹھے آپنے ایک نعرہ مارا اور کہا کہ ہائے افسوس دوسری ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ یہ کہکر چارپائی سے ایسے گرے۔ کہ آٹھ روز تک نہ اُٹھے۔ جمعرات کا دن آیا۔ تو حسب معمول والدہ صاحبہ نے ارواح اموات کے لئے ایصال ثواب کا سامان کیا۔ آپنے فاتحہ دی۔ اور فرمایا۔ کہ میں نے تو محمد رمضانؒ کی بھی فاتحہ دیدی ہے۔ کیونکہ انکی روح مجھے عالم ارواح میں نظر آرہی تھی۔ اسکے بعد مجھے بہت جلد واپس کردیا۔ چنانچہ وہاں پہونچکر چند روز بعد ہی مندسور سے آپ کی شہادت کی ظاہرہ خبر بھی آپہونچی۔

تینچ سے مہم میں آپکی نعش مبارک کی آمد

الغرض روحانی طور پر تو آپکی شہادت کی خبر مہم میں پہلے پہونچ چکی تھی۔ آخر جب ظاہرہ اور باقاعدہ قاصد بھی آگیا۔ تو ماتم بپا ہوگیا۔ مگر بہت جلد آپکی نعش مبارک کو مہم میں لانیکی تدبیر سوچی گئی۔ اگرچہ معنوی طور پر حضرت والد بزرگوار مولوی شاہ عبدالغنیؒ بار خلافت کو اُٹھا چکے تھے۔ مگر اب حضرت مجذوب شاہ عبدالعظیم اور جد امجد مولانا شاہ محمد اسمعیل نیز دیگر خلفاء و مریدین و معززین متوسلین نے جمع ہو کر آپ کو **حضرت شہید کا جانشین** قرار دیا۔ اور نذریں گذرانیں۔ اس کے بعد مولوی شاہ محمد اسمعیلؒ تابوت مبارک لانیکے لئے روانہ تینچ ہوئے۔ چالیس متوسلین اور سولہ کہاروں کے ساتھ ۱۲ رمضان سنہ ۱۲۴۶ھ کو وہاں جا پہونچے

اور ۵ شوال سنہ مذکور شب پنجشنبہ کو تابوت مبارک باہر نکالا گیا۔ زخمی ہمراہیونکو تا حصول صحت تینچ ہی میں چھوڑکر صرف تابوت ہی کو لیجانیکی تجویز قرار پائی۔ مگر عالم رویا میں معلوم ہوا۔ کہ حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ تو ہمارے ساتھ ہیں۔ اگر انکو چھوڑے جاتے ہو۔ تو ہمیں بھی رہنے دو۔ آخر انکو بھی ہمراہ لیا۔ اور یہ قافلہ منزل بمنزل آپکی کرامات بعد وفات کا معائنہ کرتا ہوا مہم کو روانہ ہوا راستہ میں جگہ بجگہ کے لوگ جوق جوق آپکی زیارت کو آتے تھے۔ خود زار زار روتے۔ اور دوسرونکو رُلاتے تھے۔ ہر اسلامی بستی میں انبوہ کثیر کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی۔ اس طرح پر یہ قافلہ ۳ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ کو مہم پہونچا۔ آپکے خاندان اور متوسلین کے لئے پھر از سر نو قیامت بپا ہوگئی۔ آپکے والد ماجد رو رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے "وائے میری لال کتاب۔ تو لال کپڑے پہن کر اپنی مراد کو پہونچ گیا۔ مگر ہماری حویلی کا دروازہ تو بند ہوگیا"۔ صاحبزادیاں اپنی یتیمی پر گریاں تھیں۔ اور بھائی اپنے قوت بازو کا نوحہ کر رہے تھے۔ مریدین و خلفا الگ زار زار رو رہے تھے۔ تابوت کی آمد سُنکر سارا شہر اُمڈ آیا قصبہ کے باہر ہی شہر کے مسلمان خورد و کلاں نے بعد استقبال نماز جنازہ پڑھی۔ اسکے بعد بھی تمام رات مختلف جماعتیں نماز جنازہ کی ہوتی رہیں تابوت مبارک سے اب بھی خون جاری تھا۔ اور ایک طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ آپکے ارشاد خاص کے موافق آپ کا مدفن تجویز ہوا۔ اور وہیں ۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ کو پہر دن چڑھے۔ ستاون سال دنیا کی ہوا کھانے کے بعد ہمیشہ کے لئے زیر زمین جا سوئے۔ آپ کا روضہ مبارک آپکے چھوٹے بھائی شاہ محمد اسمعیلؒ کی زیر نگرانی تیار ہوا۔ اوّل شیخ سالار بخش تحصیلدار و رئیس باول کانٹی کے صرف سے جو حضرت شہیدؒ کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ سادہ تعمیر ہوا۔ بعد میں نواب عبدالصمد خان سپہ سالار جھجر مرید آنجناب کے خرچ سے اس کی استرکاری کرائی گئی۔

قطعات تاریخ وفات حضرت شاہ محمد رمضان صاحب شہید صدیقی مہمی رحمۃ اللہ علیہ

از منشی محمد حیات خاں صاحب انصار امبوی گرامٹ مہتمم دور ریڑھا

زدنیا شاہ رمضان شد چو راہی
سروش غیب تاریخش بیاں کرد

بعالم گشت در ہر سو سیاہی
شہید خاص و مقبول الٰہی

۱۲ ھ ۴۰

از میاں جی ظہور علی صاحب متخلص بہ ظہور

جناب شاہ رمضان قطب آفاق
معزز شد بہ تشریف شہادت
ظہور از بہر تاریخ شہادت

سراپا معرفت ۔ عرفان مآبے
بہ جنت رفت آں عالی جنابے
خرد گفتا ۔ خسوف آفتابے

۱۲ ھ ۴۰

ایضاً

در خلد رفت چو شاہ رمضان
اے شیخ شہید گفت رضوان

۱۲ ھ ۴۰

از میاں جی مظفر علی صاحب کلپانوی

رخت بربست از جہاں چوں مولوی رمضان شاہ
سال تاریخ شہادت جستم از آواز غیب

شد بیکدم تاب طاقت از دل و جان الوداع
بے سر طاقت بگفتا ۔ ماہ رمضاں الوداع

۱۲ ھ ۴۹

از میر رحم علی صاحب تھانوی

شاہ رمضان صاحب ارشاد و پیر شیخ بود
بر خلائق باب تلقین و ہدایت میکشود

بر تمنائے کساں او شد بشہر مندسور
سال تاریخ شہادت راند آمد غیب

بر ملا گشتند دشمن قوم سُہوا از غنود
کاں شہید جنتی ہم حاجئ حرمین بود

۱۲ ھ ۴۰

از مولوی شیخ اکبر علی صاحب مندسوری

شہ ولایت دنیا و دیں ۔ عزیز امم
زبسکہ شان عظیم و وجاہتش حق داد
کہ ایں کسے ست کہ آئین دیں بقبضہ اوست
غرضیکہ منظر وقت آں فتنہ بودند
بخون پیر جواں بخت دست آلودند
چو از خرد مسئلہ جستم از مقام صلال

رجوع ہند چو کردہ پس از طواف ارم
بدیدہ سُہرہ روافض شدہ قرین بغم
اگر نہ چارہ کنم ۔ دین ما زند برہم
بمندسور رسیدہ زمان قتل ہم
کہ موحد یزداں پرست شیخ عجم
شہید کردہ و مسجد خراب ساختہ ہم

کجا و سالش ۔ گفتا مقام وحدت یافت
سر درویش بریدہ بجو بہ باغ ارم

۱۲ ھ ۴۴

تذکرہ یادگار و نشانات فیض آثار

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ کا قول ہے ۔ کہ ؎

نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے
پل و مسجد و چاہ و مہمانسرائے

اسی مضمون کو خاقانئ ہند شیخ ابراہیم ذوق اپنی زبان اردو میں یوں نظم فرماتے ہیں ؎

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پل بنا ۔ چاہ بنا ۔ مسجد و تالاب بنا

یعنی انسان کے مرنیکے بعد اسکی بہترین یادگار اسکے وہ کارہائے نمایاں ہیں جو اسنے رفاہ عام کے واسطے کئے ہوں ۔ ورنہ اپنے ذاتی آرام اور فائدہ کیلئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا ۔ پس وہ ذاتی آرام اور آسائش کے کام یادگار اور نشانات فیض کہلانیکے مستحق نہیں ہوسکتے ۔

اور نہ وہ انسان یادگاری کا مستحق ہو سکتا ہے ؎

زندہ وہی ہے مرتا ہے جو قوم کیلئے — مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لئے جئے

جب سرخیل انبیا و اولیا علیہم السّلام کو حکم ہوتا ہے۔ کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ — اے محمد کہدیجے۔ کہ میری نماز اور عبادت اور میرا مرنا اور جینا سب اللہ ہی کے واسطے ہے ۱۲

تو آپ کے نائبانِ کرام یعنی اولیائے عظام کے اقوال و افعال خالصاً للہ کیوں نہ ہونگے۔ علاوہ ازیں جب عام فرمان موجود ہے۔ کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہ — میں نے نہیں پیدا کیا کسی جن اور انسان کو مگر اپنی عبادت کیلئے

تو اولیائے کرام کی ذات سے تو بدرجہ اولیٰ عبادت کا صدور ہونا چاہئے۔ کیونکہ انکی زندگی کا مدار ہی اسپر ہے۔ کہ ع خوردن از بہر زیستن و ذکر کردن است

عبادتِ مقبول اور مستحسن وہی ہے جو خالصاً للہ ہو۔ کوئی ذاتی فائدہ اس سے مدِّ نظر نہ ہو اور یہ وصف انہی افعال و اعمال میں ہوتا ہے۔ جو نفع رسانی خلق کا موجب ہوں۔ پس کارہائے رفاہِ عام افضل العبادات اور بہترین انسانی یادگار ہیں۔

داناؤں نے اولاد و احفاد کو بھی انسان کی زندہ یادگار اور باقیات الصّٰلحٰت میں شمار کیا ہے۔ بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہو۔ ورنہ محض بیکار اور موجب ننگ و عار ہے۔ اسکے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ بقول سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

زنانِ باردار ای مرد ہشیار — اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند — کہ فرزندانِ ناہموار زایند

پس حضرت قبلہ شاہ محمد رمضان علیہ الرحمۃ کی یادگار کی تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے۔ (۱) تعمیرات (۲) تصنیفات (۳) اولاد و احفاد۔

تعمیرات کی ذیل میں خاص مہم کے اندر سب سے اوّل نمبر پر آپکی وہ حویلی تھی جو دو منزلہ

چونکہ صرف ذکر و عبادت اور مہمان خانہ کی ضروریات کیواسطے تعمیر ہوئی تھی۔ معنوی رفعت کے علاوہ اسکی ظاہری بلندی بھی اسقدر تھی۔ کہ موضع **کھرکھڑہ** سے جو مہم سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے۔ طالبانِ حق کو خوش آمدید کہا کرتی تھی۔ **احمد معمار** جب اس حویلی کی تعمیر سے فراغت پا چکا۔ تو آپکی خدمت میں حاضر ہو کر اسنے عرض کیا۔ کہ حضرت۔ مکان بہت اچھا طیار ہو گیا ہے۔ آپنے مراقبہ کیا تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ ہاں بیشک مکان اچھا بنگیا ہے مگر ہمارے نام کا تو یہاں تنکا بھی نہیں۔ چنانچہ آپکی پیشینگوئی کے مطابق وہ حویلی بہت دیر تک آپکی یادگار کو زندہ نہ رکھ سکی۔ چونکہ وہ ذکر و عبادت کیلئے تعمیر ہوئی تھی۔ آپکی وفات کے بعد جوں جوں اس کا چرچا کم ہوتا گیا۔ اس حویلی کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹتا گیا ع

کیا قدر اس مکاں کی جسکا مکیں نہ ہو

البتہ **جامع مسجد مہم** آپکی زندہ یادگار ابتک موجود ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دیر تک موجود رہیگی۔ جس کی بعض نہایت ضروری تعمیر و مرمت نیز پلستر و استرکاری کا کام آپ کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ علاوہ ازیں **چاہ** بھی آپ ہی کا تیار کرایا ہوا ہے۔

ہانسی میں ایک مرتبہ آپ حسب معمول حضرت قطب جمال ہانسویؒ کے عُرس میں تشریف لیگئے۔ اور خانقاہ شریف کے میدان میں قیام کیا۔ ایک روز وہیں وعظ فرمانے لگے جرنیل الگزینڈر کے ماتحت تین ہزار جوان ہریانہ کے رہنے والے اور ان کے علاوہ ہانسی کے باشندے بہ تعداد کثیر وعظ میں شریک تھے۔ بارش شروع ہو گئی۔ آپکی تاثیر کلام کہو۔ یا پسندیدگی خاص و عام۔ کہ سب نے چھتریاں اور چادریں تان لیں۔ اور کسی نے بھی اٹھنے کا نام نہ لیا۔ آپ بھی بدستور بے تکلف وعظ بیان فرماتے رہے۔ اختتامِ وعظ پر موقعہ مناسب جانکر اور دُور اندیشی کو کام فرما کر اس میدان میں تیاری عمارت کی تحریک کی۔ الگزینڈر نے جب سُنا۔ تو بہت خوش ہوئے۔ اور فوراً چندہ جمع کر کے تین ہزار روپے آپکی خدمت میں بھیجدیے۔ اور تعمیر کا کام آپکے برادرِ خورد مولانا شاہ محمد اسمٰعیلؒ کے زیر اہتمام شروع ہو گیا۔

چنانچہ وہ **عالیشان عمارت** معہ حجرہ و دالانہائے وسیع ابتک موجود ہے۔ اور آپکے کمال وفیض کی شہادت دے رہی ہے۔

اسی طرح اور بھی کئی کام آپکی ذات سے صادر ہوئے جو بظاہر چھوٹے اور معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کے فائدہ اور نتیجہ پر غور کیا جائے۔ تو انکی اہمیت کا اندازہ معلوم ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ **اشاعتِ اسلام کا نمونہ** ہریانہ کی مساجد ہیں۔ کیونکہ اس ملک میں دینداری برائے نام تھی اور اکثر مقامات پر مساجد کا نام بھی نہ تھا۔ خاص **رہتک میں بیوپاریوں کی مسجد** آپ ہی کی ترغیب وتحریص سے تیار ہوئی۔ اور بنیاد بھی خاص آپ ہی کے دست مبارک سے رکھی گئی۔ **رہتک کی عیدگاہ** بھی آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ جب اسکی بنیادیں کھودی جا چکیں۔ تو بارش کے آثار نظر آئے۔ نقصان کے احتمال سے مٹی بھروائی شروع کی۔ آپ خود بہ نفس نفیس مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر بنیادوں میں ڈالنے لگے۔ اس بے نظیر مستعدی کو دیکھ کر تمام اہل اسلام ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً کام ختم ہو گیا۔ بقول میر ؎

مٹی لے لے گئے دو ہاتھوں میں	کام نے شکل پکڑی باتوں میں

موضع مڑودھی ضلع رہتک کی مسجد بھی عین قحط سالی میں باوجود نمبرداروں کی مخالفت کے آپ ہی کی بدولت تعمیر ہو گئی۔

موضع بلیالی میں ہزار گھر کی آبادی تھی۔ مگر مسجد صرف ایک اور وہ بھی بے آباد تھی۔ نہ بوریے اور مصلے کا پتہ نہ نمازی کا نشان۔ جب آپکے آفتاب فیض کی شعاعیں پرتو افگن ہوئیں تو وہاں سات آٹھ مسجدیں تیار ہو گئیں۔ اور نمازیوں سے سب بھرپور رہنے لگیں نیز قرب وجوار کے دیگر دیہات میں بھی مساجد تیار ہو کر کلمۂ توحید کی شہادت دینے لگیں۔

تصنیفات ذی علم انسان کی سچی یادگار اور باقیات الصالحات دراصل اسکی تصنیفات ہیں۔ جنکے ذریعہ سے انسان کے مرنیکے بعد بھی اس کا فیض جاری رہتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب

علیہ الرحمۃ نے اس یادگار کے قائم کرنے میں اپنے علم وکمال کا خوب نمونہ دکھایا ہے۔ بہت سی پُرمعنی اور مفید کتابیں آپنے تصنیف فرمائیں۔ اور بہت سی عربی وفارسی کتابوں کے ترجمے کئے۔ آپکی تصانیف یا تو فارسی زبان میں ہیں۔ جو اس زمانہ کی دفتری اور کتابی زبان تھی یا بعض تصانیف عربی زبان میں بھی ہیں۔ زیادہ تر خصوصاً کتب مترجمہ ہریانہ کی سیدھی سادی ہندی زبان میں ہیں۔ جو اگرچہ آجکل بوجہ غیر مانوس ہونے کے پسند خاطر عوام نہ ہو۔ لیکن اس زمانہ کے بے علم اور کم علم اشخاص کیلئے اس زبان کی کتابیں اکسیر کا اثر رکھتی تھیں۔ کیونکہ آپنے دریا کو کوزے میں بند کر دیا تھا۔ اور بیش بہا جواہر جو عربی اور فارسی سمندروں کے تہ میں پنہاں تھے۔ آپنے ہریانہ اور میواڑ کے جنگلوں میں بکھیر دیے۔ اور وہاں کے رہنے والوں نے انکو ہاتھوں ہاتھ لوٹ لیا۔ ذی علم حضرات کی نظروں میں تو اب بھی وہ کتابیں موتیوں میں تلنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ ان کے مضامین عالمانہ اور ناصحانہ ہیں۔ دینی معلومات کا مخزن اور روحانی امراض کو شفا دینے والی ہیں۔ ہریانہ دیس اور پرانے زمانہ کے لوگ جو کہیں کہیں موجود ہیں انکو جان کے برابر رکھتے ہیں۔ کاش آپکی تمام تصانیف ہاتھ لگ جائیں۔ اور انکی اشاعت کا انتظام ہو جائے۔ تو حضرت شہید علیہ الرحمۃ کا دریائے فیض پھر لہرانے لگے۔ مختصر کیفیت آپ کے تصانیف کی مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ **عقائد عظیم**۔ ہندی نثر میں عقائد حقہ کا جامع اور مفید رسالہ ہے۔ اسمیں دین کے اصول اور فروع کے علاوہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے مختصر حالات مندرج ہیں۔ نیز تمام فرقہائے باطلہ کا رد بھی شامل ہے۔

۲۔ **آخر گت** ہندی نظم میں حالات بعد الموت حشر ونشر اور وعدہ وعید کا بیان ہے یہ وہی کتاب ہے جس کا ترجمہ بہ ایزاد مضامین چند ٹھیٹ پنجابی زبان میں مولوی محمد ساکن موضع لکھوکی نے کیا ہے اور **احوال الآخرۃ** کے نام سے مقبول ہر خاص وعام ہے۔

۳۔ **بلبل باغ نبی**۔ بزبان ہندی منظوم۔ اسمیں شمائل النبی کے علاوہ عام فہم صوفیانہ انداز

ہیں چہل حدیث قدسی اور نود و نہ نام باری تعالیٰ کے معانی نیز دیگر مفید مطالب مذکور اور مندرج ہیں۔

۴۔ **رسالہ رمضانی**۔ نثر علم فرائض میں بہت آسان طرز کا جامع رسالہ ہے۔

۵۔ **فتاوی محمدی**۔ نثر مفتی بہا مسائل فقہیہ حنفیہ کا ذخیرہ ہے۔

۶۔ **رسالہ برق بدوزخ**۔ مطالعہ سے نہیں گذرا۔ لہذا اسکے مضمون کا بھی علم نہیں ہوا۔

۷۔ **بوڑھی بیاض** سینکڑوں علوم و فنون کی انتخابی مجلّد ضخیم کتاب ہے۔

۸۔ **رسالہ ردّ روافض** نثر بزبانِ فارسی۔ ایک رافضی عالم معترض کے سوالات و اعتراضات کے جواب میں دنداں شکن رسالہ ہے۔

۹۔ **قصیدہ امالی** کا ترجمہ اور شرح منظوم بزبانِ ہندی۔

۱۰۔ **شجرہ طیبہ نقشبندیہ** منظوم بزبانِ فارسی۔

۱۱۔ **شجرہ طیبہ قادریہ** نثر بزبانِ عربی۔

۱۲۔ **ایضاً**۔ منظوم بزبانِ فارسی۔

۱۳۔ **رنگیلی** منظوم بزبانِ ہندی۔ ہدایاتِ طریقت و معرفت میں جامع کتاب ہے۔

۱۴۔ **وصیت نامہ**۔ منظوم بزبان ہندی۔ یہ وصیت نامہ نثر فارسی میں تھا۔ اور حضرت حافظ سید حفیظ اللہ صاحب کھاتوی قدس سرہ نے اپنے خلیفہ ممتاز سید عبد العظیم پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا جسکو انہوں نے اسی زبان میں نظم کر لیا تھا۔ پھر اُن سے حضرت قبلہ شاہ محمد رمضان علیہ الرحمۃ و الغفران کو ملا۔ آپنے اسکو ہندی زبان میں نظم کر لیا۔ اب اسی وصیت نامہ کو فقیر مؤلف کے ایک خلیفہ و مجاز مولوی سید محمد عطاء الحق نے آجکل کی مروجہ زبان سلیس اردو میں شرح نظم کر کے طبع کرا دیا ہے۔ کاش اسی طرح آپکی دیگر تصانیف بھی ہدایت بخشِ عالم ہوں۔

۱۵۔ **نصیحت نامہ**۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے مجموعہ نصائح ہے۔

۱۶۔ **متفرقات**۔ یعنی اکثر تالیفاتِ آنجناب متعلقہ مذہبِ اسلام۔ و طریقت۔ نیز اعمال اور اشغال۔ ورد و وظائف خاندانی علم سینہ بسینہ کے متعلق اکثر ہدایات۔ عملیات اور اپنے پیر و مرشد کی شان میں فارسی غزلیں۔

منجملہ کتب مذکورہ کے دو کتابوں یعنی آخر گت اور بلبل باغ نبی کی بابت حضرت والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت قبلہ نے یہ کتابیں بحالتِ مراقبہ لکھوائی ہیں۔ یعنی آپ قاضی غلام محمد صاحب فتح آبادی کو اپنے پاس بٹھالیا کرتے تھے۔ اور مراقبہ سے سر اٹھا کر لکھواتے جایا کرتے تھے۔ بعد تکمیل کے آپ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کی خدمت میں لیگئے۔ آپنے ملاحظہ فرما کر کمال پسندگی کا اظہار فرمایا۔

نمونہ کلام فارسی ہندی

نظم فارسی در مدح حضرت پیر و مرشد سید عبد العظیم پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

اے ذاتِ تو شد مظہر اسرارِ عظیمی — اظہارِ تو شد کشفِ انوارِ قدیمی
از غالیہ موئے تو سوئے قلب کشائی — دیدارِ تو شد گلبن گلزارِ کریمی
دو دیدہ بپوشیدہ سرو بستہ ہدایت — اے بادِ صبا غنچہ کشا قلبِ صمیمی
شیریں سخن از لعلِ لبت گفت حکیم — گلقند علاجت شدہ اے قلبِ سقیمی
پژمردہ و افسردہ سموم ہجرانم — یا رب بفرس رحمتِ بارانِ عظیمی
بر مظہر اوصاف نمودی تو خدایا — کن دو سرت ہر انظہر اوصافِ رحیمی

در منتظری روز شد آمد شب یا اللہ
افطار شود صائم رمضان قدیمی

نظم ہندی کے نمونہ کیلئے ذیل کی دو بیتیں کافی ہیں جو آپکے زمانہ میں فقیری کا لٹکہ کے

نام سے مشہور تھیں **۵**

باوضو رہ۔ بول تھوڑا۔ ذکر کر رہ جدا لوگوں سے۔ کر تھوڑا کلام ۞	ربطِ دل رکھ پیر سے۔ کھو دے خطر اعتراضی چھوڑ۔ آٹھوں ہیں تمام

ہردو زبان کی دونوں مذکورہ نظمیں آپکے علم وکمال کی شہادت دے رہی ہیں۔ خصوصًا ہندی زبان کی نظم صاف صاف بتارہی ہے۔ کہ آپنے عوام الناس کی ہدایت واصلاح کا سامان کس قدر مہیا کر دیا تھا۔ اور بڑی سے بڑی باتوں کو آسان سے آسان اور مختصر الفاظ میں نظم کر دینے کی آپکو کس قدر مہارت حاصل تھی۔

اولاد واحفاد یعنی بیٹے اور پوتے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو صلبی۔ یا ظاہری دوسری باطنی یا روحانی۔ **اولادِ صلبی** میں بارگاہِ ربّ العزت سے آپکو دو بیٹے عنایت ہوئے اور تین بیٹیاں۔ مگر بیٹے تو خورد سالی ہی میں داغ مفارقت دیگئے۔ اسلیئے پوتوں کی نوبت ہی نہ آئی۔ جسکی مصلحت وہ علام الغیوب اور حکیم مطلق آپ ہی خوب جانتا ہے۔ بیٹیوں میں سے جو اپنے ہی کنبہ میں منسوب ہوئیں۔ ایک کے سلسلۂ اولاد ذکور مرضی الٰہی سے بند ہو گیا۔ دوسری لاولد ہی فوت ہوگئیں۔ تیسری جو سب سے چھوٹی تھیں اُنکے بطن سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ اور دو بیٹیاں۔ جنمیں ایک **فقیر مؤلف** عبدالشکور بھی ہے۔

اولادِ روحانی یعنی خلفا کا ایک وسیع سلسلہ آپ سے جاری ہوا جن میں اکثر حضرات آپکے برکات فیوض کی بدولت آسمان کمال کے آفتاب ہوئے۔ اور فلک شہرت کے ماہتاب۔ جنہوں نے سینکڑوں گم کردگانِ بادیہ ضلالت کو منزلِ مقصود پر پہونچا دیا۔ اور ہزاروں نامرادوں کو بامراد بنادیا۔ منجملہ انکے چند حضرات کا مختصر تذکرہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

حضرت مولوی شاہ محمد غوث صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپنے اپنے والد ماجد شاہ عبدالکریم صاحب چشتیؒ کے ارشاد کے بموجب سلسلہ قادریہ کا فیض نیز خلافت وخرقہ حضرت قبلہ شاہ صاحبؒ سے حاصل کیا۔ آپ بڑے بزرگ صورت اور پاکباز مرد خدا تھے۔ ہمیشہ باوضو رہا

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فقیر مؤلف اپنے والدِ بزرگوار کے ہمراہ کمسنی میں کنجپورہ گیا تھا۔ آپ بھی وہیں فروکش تھے۔ زیارت سے مشرف ہوا۔ اور پوچھا کہ حضور کے ہر وقت باوضو رہنے کا کیا سبب ہے فرمایا۔ کہ میاں صاحبزادے پاک رہنے کیلیئے بار بار وضو کر لیتا ہوں۔ کہ ناپاک رہنا اچھا نہیں۔ آپکے سماع کی کیفیت نرالی تھی۔ ہر ایک شعر پر قوالوں کو ٹھیرا کر اس شعر کے نکتہ نکتہ سے حاضرین کو آگاہ فرماتے۔ اور آیات واحادیث سے ہر ایک مضمون کی تصدیق وتطبیق کرتے جاتے۔ اور اس طرح حقائق ومعارف کا ایک دریا بہا کر حاضرین کو خوشوقت بنادیتے تھے۔

ڈپٹی سراج الدین صاحب گنگوہی بیان کرتے تھے کہ وفات کے وقت آپنے کئی مرتبہ فرمایا کہ دیکھو میرے والد شاہ عبدالکریم چشتی اور شاہ محمد رمضان قادریؒ کی ارواح مقدسہ میرے پاس آئی ہیں۔ نیز اپنا معمولی شغل برابر جاری رکھا۔ اور اسی حال میں واصل بحق ہوگئے۔

جناب شیخ محمد عظیم الدین صاحب صدیقی مہمی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ ہمارے خاندان میں سے شیخ ارتضیٰ کے بیٹے اور امیر کبیر شیخ غلام اتقیا کے پوتے ہیں۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ نہایت ہی خلوص اور محبت رکھتے تھے۔ آپکے حالات میں ایک مختصر فارسی رسالہ موسومہ **انیس الاعتقاد** بھی لکھا ہے۔ اور کتاب **صراط العرفان** میں مفصل حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہردو کتابیں معتبر اور مسلّم ہیں۔ آپنے مولوی امام الدین صاحب ومولوی کریم الدین صاحب برادر زادہ حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی نیز قاضی غلام غوث صاحب پانی پتی سے بھی فیوض حاصل کئے ہیں۔ بڑے بزرگ اور صاحبِ دل آدمی تھے۔

میاں حاجی محمد شاہ صاحبؒ ولایتی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاص اور ہر وقت حاضر باش اصحاب میں سے تھے۔ جوانی میں مرید ہوئے۔ ریاضتِ شاقہ برداشت کی مجاہدہ کا یہ عالم تھا۔ کہ عشا کی نماز پڑھکر مراقبہ میں بیٹھتے تو صبح کر دیتے تھے۔ ایک روز آپ حضرتؒ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ اور حضرت علیہ الرحمۃ آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے تھے۔ آپکے دل میں خیال آیا۔ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی آمدنی تو اتنی ہے نہیں۔ جتنا خرچ ہے۔ ضرور آپکے پاس کیمیا ہو گی۔ یا

دستِ غیب۔ ورنہ گذارہ محال ہے۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے آنکھیں کھولکر فرمایا۔ کہ محمد شاہ۔ مجھے کیمیا اور دستِ غیب دونوں حاصل ہیں۔ مگر میں اُنسے فائدہ اُٹھانا حرام سمجھتا ہوں تمہیں ضرورت ہو تو بتا دوں۔ آپنے عرض کیا۔ کہ حضرت جو شئے آپکے نزدیک قابلِ استعمال نہیں۔ میں کیوں اسکی خواہش کروں۔

میاں شاہ پیر محمدؐ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ موضع ملتانیان۔ نواح بھٹنڈہ کے رہنے والے تھے۔ مگر اوائل عمری میں گھر بار چھوڑکر موضع شیر خاں والا متصل قصبہ بوہا ریاست پٹیالہ میں وہاں کے پیرزادوں کے ہاں آرہے۔ وہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوکر خلافت سے ممتاز ہوئے۔ بڑے پاکیزہ سیرت اور بزرگانہ شان رکھتے تھے۔ سائیں رحمت شاہ صاحب ڈسکوی اور حافظ فتح محمد نابینا جیسے بزرگ آپکے مریدوں میں تھے۔

میاں عبداللہ شاہ درویش رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ موضع معگالہ کے ایک شریف عالم اور ذات کے کائستھ تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوکر صاحبِ نسبت اور صاحبِ سلسلہ بزرگ ہوئے۔ چنانچہ میر اشرف علیؒ و میر ہاشم علیؒ دہلوی۔ حاجی نور محمد کاہنوری حاجی گل محمد ولایتی اور میاں لال شاہ صاحب ریواڑی والے۔ آپکے مشہور خلفاء میں سے ہیں۔ اوّل الذکر آپکے سجادہ نشین بھی تھے۔ میانصاحب موصوف اجازت وخلافت سے ممتاز۔ مجرّد۔ ومتوکّل۔ صاحبِ تقویٰ۔ بے غرض اور بے ریا۔ آدمی تھے۔ پہلے دہلی میں **گلی شاہ تارا** میں قبروں والی مسجد میں قیام رہا پھر شاہ گنج میں فصیلوں کے قریب ایک چھپّر بناکر اس میں جا رہے۔ اور کہنے لگے کہ اگر حضرت پیر ومرشد دہلی میں تشریف لائے۔ اور میرے چھپّر میں نہ اُترے تو فقیر اس چھپّر کو آگ لگاکر خاک سیاہ بنا دیگا۔ حضرت قبلہ جب واردِ دہلی ہوئے تو کئی مرتبہ اس چھپّر میں قیام پذیر ہوئے۔ چنانچہ آپکے قدوم کی برکت اور میانصاحب موصوف کی حسن نیت کی بدولت اس چھپّر کی جگہ پختہ مسجد بنگئی جو ابتک قائم اور آباد ہے۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود

قاری محمد بیگ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ دہلی **گلی شاہ تارا** میں ایک واردات قلبی کے بعد بیعت ہوئے تھے۔ بڑے باکمال اور ہفت قرأت کے قاری تھے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے قاری صاحب کو سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کیا۔ اور وہی شجرہ آپکو عطا فرمایا۔ جو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنے والد مجذوب صاحب سے ملا تھا۔ طریق نقشبندیہ میں قاریصاحب کے علاوہ حضرت علیہ الرحمۃ نے اور کسی کو بیعت نہیں کیا۔ قاری صاحب موصوف بڑے صالح۔ پابند طریقہ اور نور عرفاں سے بھرپور تھے۔ طریق نقشبندیہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ سے بھی آپکو فیض ہوا ہے۔

میاں عباد اللہ شاہ درویش جب دہلی۔ کوچۂ کابلی عطار میں رہتے تھے۔ تو **فقیر مؤلف** کو حصول نیاز کا موقع ملا۔ اور اس کیفیت کا حال دریافت کیا جو نانا صاحب علیہ الرحمۃ کی توجہ اور تصرف سے قاری صاحب پر وارد ہوئی تھی۔ حضرت کا نام سُنتے ہی میانصاحب نے ایک آہ سرد کھینچی۔ اور پُرانی صحبتوں کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ وہ ایک ایسا جذبہ تھا جو زبان اور قلم سے بیان نہیں ہوسکتا۔ ع دل داند ومن دانم و داند دلِ من۔

پھر کہا کہ میرے اور قاری صاحب کے علاوہ میاں عظیم الدّین صدّیقی بھی موجود تھے۔ اور ہم قید مکان وزماں سے آزاد ہوکر کہیں کے کہیں پہونچ گئے۔ اور جذبہ کا وفور اور تجلیات کا نزول ہو رہا تھا۔

پیر جی امیر بخش صاحب متوطن موضع بلبیالی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خاندانی شریف اور چشتی پیرزادہ تھے۔ مگر حالت پیرزادوں کی سی نہ تھی۔ حضرت سید عبدالعظیم گیلانی پانی پتیؒ کے مرید تھے۔ اجازت وخلافت حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے پائی۔ اور خود بھی صاحبِ سلسلہ ہوئے۔ **فقیر مؤلف** آپکی پیرانہ سالی میں زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔ ایک بزرگانہ صورت رکھتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حال وقال اور مرتبہ ومقام سے خوب واقف تھے۔

میاں معصوم علی مجذوب سالک رحمۃ اللہ علیہ۔ نارنول علاقہ ریاست پٹیالہ میں آپ بحالتِ مجذوبانہ بالکل مادر زاد عُریاں پھرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب

علیہ الرحمۃ وہاں تشریف لیگئے۔ تو اسی حال میں آپ سامنے آکھڑے ہوئے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ "جا۔ کپڑے پہن۔ ننگا مت پھر۔" پس اسیوقت آپ حالتِ جذب سے ہوش میں آگئے۔ ارشاد کی تعمیل کی۔ بیعت ہوئے۔ اجازت و خلافت پائی۔ بڑے متوکل اور مستغنی الحال تھے۔ تمام عمر تقوی اور توکل میں گذار دی۔ انگریزوں کے ملازمین اور متوسلین کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تھے نواب فیض محمدؐ خاں والیٔ جھجر نے کچھ اراضی آپ کے گذارہ کیلئے دینی چاہی۔ آپنے انکار کردیا۔ کہ "درویش کے شایاں نہیں"۔ **حافظ محمد ضیاء الدین** ابن مولوے معین الدین نارنولی۔ وہیں کے ایک صاحبزادے تھے۔ حضرت کی فیض صحبت اور تعلیم و تلقین سے مراتب عالیہ تک پھونچ گئے۔ سلوک طریق صوفیہ میں آپنے ایک کتاب لکھی ہے۔ نہایت ہی مؤثر اور مفید۔ **فتوحات مرشد یہ**۔ نام ہے۔ اور مسئلہ وحدۃ الوجود کا لاجواب نسخہ ہے۔ **میر حیدر علی صاحب نارنولی** بھی اخصّ خلفائے حضرتؒ میں سے تھے۔ جو خاندانی سید و پیرزادہ نیز ایک مشہور بزرگ کے سجادہ نشین بھی تھے۔ صفات عالیہ میں عدیم المثال اور بہت ہی باکمال مرد تھے۔

میاں امیر حسین علی صاحب گوہانوی۔ آپ نسباً سیدزادہ اور جوہر علم و فضل سے آراستہ تھے۔ آپکے آباؤ اجداد میں اچھے اچھے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ اہل اللہ کے شناسا اور قدر داں تھے۔ اوصاف پسندیدہ و اخلاق حمیدہ کے جامع بلحاظ خوبی اوصاف گوہانہ میں یگانہ تھے۔ اور حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے مجاز و مستفاض تھے۔

پیر جی شہاب الدین صاحب ساکن جھنجھنو۔ آپ بڑے مستغنی المزاج اور صاحبدل بزرگ تھے۔ اپنے شرف و امتیاز کا پایہ حضرت علیہ الرحمۃ کی اجازت و خلافت سے اور بھی بڑھا لیا تھا۔ مرید کم کیا کرتے تھے۔ آپکے خلفا میں سے آپکے خاص برادرزادہ پیر جی نجم الدین کو خدا جانے کیا سوجھی کہ اللہ تعالی کا دیدار ظاہری آنکھوں سے ہونا ممکن سمجھ بیٹھے۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام نے انکی تشفی

و تردید کر کے اس فتنہ کا سدّ باب کردیا۔

میاں شاہ محمدؐ صاحب بودلہ۔ قاضی غلام محمد صاحب فتح آبادی اور حافظ رحمت صاحب عرف چندو۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ تینوں صاحبان حضرت شاہ صاحبؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ جن کے دل و دماغ نور الٰہی سے مجلّی رہتے تھے۔ میاں شاہ محمدؐ صاحب بودلہ رئیس بگھر فیض توجہات سے اس درجہ کو پھونچ گئے تھے۔ کہ حضرت نے آپ کو شغل آفتاب کا زبردست عمل تلقین فرمایا۔ اور آپنے اسکو پورا کر کے نتائج عظیمہ دیکھے۔ نیز خلافت اور اجازت پائی۔ قاضی صاحب ممدوح حضرتؒ کے خلفا میں سے ایک صاحبِ کمال شخص تھے۔ اور حافظ رحمت صاحب بھی صاحبِ نسبت مرد خدا تھے۔ ہر سہ حضرات بگھر وغیرہ کے سفر میں آنجناب کے ہمرکاب تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت علیہ الرحمۃ کی شان میں ایک مدح بھی لکھی ہے۔ اور ایک شجرہ بھی نظم کیا ہے۔

میاں منور شاہ صاحب لاہوری۔ آپ ہندو سادھو تھے حسب قاعدہ سادھوانہ ریاضت کر چکنے کے بعد اس الوالعزم کی ہمّت کے موافق کمال باطنی حاصل نہ ہوا۔ تو اس طریق کو نامکمل اور ناقص سمجھ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ہی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بہت جلد اپنے تئیں خلافت و اجازت کے قابل ثابت کر دکھایا بڑے خوشخصال اور نیک اعمال شخص تھے۔ ہر امر میں میانہ روی آپ کا خاص وصف تھا۔

میاں حاجی خدابخش صاحب ساکن موضع ہروان۔ ضلع حصار۔ آپ کا اصل وطن موضع سیل ضلع حصار تھا۔ آپکے علاوہ **میاں صندل شاہ صاحبؒ** اور **حافظ قلندر بخش صاحبؒ** بھی باعتبار شرف خلافت حضرت علیہ الرحمۃ کے خلفائے نامدار کے شمار میں داخل ہیں۔ **مولوی خدابخش صاحب**۔ متوطن ڈسکہ ریاست پٹیالہ آپ غسل پور کے رہنے والے۔ اور ذات کے راجپوت تھے۔ سائیں رحمت شاہ صاحب کے والدِ ماجد اور حضرت علیہ الرحمۃ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ بڑے عالم باعمل۔ حافظ قرآن اور اپنے

زمانہ کے مشہور بزرگ تھے۔ **میاں جماعت علیشاہ صاحب** درویش حلقہ۔ آپ درویشوں کی خلوص بھری جماعت میں سے تھے۔ بہت ہی خدمت گذار اور نیکو شعار۔ جب حضرت علیہ الرحمۃ سفرِ حج سے واپس مندسور میں وارد ہوئے۔ تو آپ ہی ہم سے خبر وعافیت کی خبر لیکر وہاں گئے تھے۔ بموقعۂ شہادت آپکو بوہروں نے محبوس کر لیا تھا۔ ہر چند نکلنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ پنجاب میں بھی اس واقعہ ہائلہ کی خبر آپ ہی نے پہونچائی تھی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے حالات بیان کرکے زار زار رویا کرتے تھے۔ اور دوسروں کو رُلایا کرتے تھے۔ آپ کے سر پر کہیں کہیں بال نہ تھے۔ کہا کرتے تھے کہ مجھے حضرت رح نے منع کردیا تھا کہ درویش بنکر سر پر پٹے مت رکھا کرو۔ پس مینے تعمیل کی۔ بعد ازاں ایک مرتبہ پھر پٹے رکھ بیٹھا۔ تو حضرت کو خواب میں دیکھا۔ کہ میرے سر پر ہاتھ رکھکر فرماتے ہیں۔ "تو نے پھر پٹے رکھے"۔ صبح کو اٹھکر دیکھا تو جہاں جہاں سر پر انگلیاں رکھی گئی تھیں وہاں کے بال اُڑ گئے تھے۔

مذکورہ بالا خلفاء کے علاوہ شہید عشق صاحبزادہ گنگوہی اور مولوی احمد یار خانصاحب فتح آبادی۔ اور قادری دیندار نابینا بھی خلفائے نامدار میں سے تھے۔ جنکے حالات کتاب ہذا میں مختلف مقامات پر درج ہو چکے ہیں۔ اور بھی فضلائے زمانہ آپکی سلک خلافت وارادت میں منسلک تھے۔ جنکے نام نامی کچھ تو بوجہ عدم واقفیت اور کچھ بوجہ عدم گنجائش بخوف طوالت نذرِ اختصار ہوئے۔ منجملہ انکے ایک خاندانی پیرزادہ جلیند کے رہنے والے آپکے خلفا میں سے تھے۔ جو بڑے ہی متوکل اور خاشع و خائف تھے۔ پیری مریدی کی اہم ذمہ داری سے اسقدر واقف تھے کہ ہر وقت اپنے منتسبین کو پند و نصائح فرماتے رہا کرتے تھے۔ ان کا نام نامی یاد نہیں رہا۔ عام طور پر **جلیند والے پیرجی** کے لقب سے مشہور تھے۔

مولوی حاجی شاہ عبد الغنی صاحب رح خلیفہ و سجادہ نشین حضرت شہید رح

آپ حضرت شاہ محمد رمضان شہید رح کے بھتیجے اور داماد تھے۔ اور مولوی شاہ محمد اسمعیل رح کے

فرزند و **فقیر مؤلف** کے والدِ بزرگوار تھے۔ آپ کو بیعت و خلافت اور اجازت تو آپنے تایا حضرت شاہ صاحب رح ہی سے حاصل تھی۔ اور سجادہ نشین بھی آپ ہی تھے۔ مگر ابھی تکمیل تلقین نہ ہونے پائی تھی۔ کہ آنجناب شہید ہوگئے۔ پس یہ تکمیل بواسطہ حضرت شاہ **محمد غوث گنگوہی** خلیفہ خاص حضرت شہید رح اس طرح ظہور میں آئی۔ کہ انکو عالم رویا میں حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہماری امانت جو خرقہ وغیرہ تمہارے پاس موجود ہے۔ عبد الغنی کو دیدو۔ دوسرے روز جبکہ آپ بتقریب عرس حضرت عبد القدوس گنگوہی رح پیرجی محمود الحسن صاحب کے مکان پر مولوی شاہ محمد غوث رح کے ہمراہ دعوت میں شریک تھے۔ تو انھوں نے فرمایا۔ کہ میاں عبد الغنی۔ آج شبکو مجھے حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد ہوا ہے۔ پس اگر تم طریقۂ اسلاف کے مطابق طلب کرو تو وہ امانت میں تمہارے حوالہ کردوں۔ آپ اسی وقت حسب طریقۂ اسلاف طالب ہوئے۔ تو وہ بعد فراغتِ طعام آپ کو مکان پر لیگئے۔ اور اپنی زوجہ محترمہ سے خرقہ مبارک طلب کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ وہ تو ہمارے گھر میں باعثِ برکاتِ عظیم ہے۔ آپ اپنا خرقہ اور وہ فیضان جو بزرگوں سے ہوا ہے صاحبزادہ صاحب کو دیدو فرمایا کہ حکم تو اسی خرقہ کا ہوا ہے۔ اُدھر سے پھر بھی رضامندی کا اظہار نہ ہوا۔ آپنے اس کوٹھری کی کنجی مانگی جہاں خرقہ مبارک رکھا ہوا تھا۔ کہا کہ کنجی تو کھوئی گئی۔ فرمایا۔ کہ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر میرا خواب سچا اور یہ صاحبزادہ اس امانت کا مستحق ہے۔ تو اس قفل کو تالی کی حاجت ہی نہ ہوگی۔ چنانچہ جاکر قفل کو ہاتھ لگایا۔ تو اس کو کھلا ہوا پایا۔ پس دروازہ کھولکر خرقہ مبارک کو نکالا۔ اور حضرت عبد القدوس رح گنگوہی کے مزار پر تشریف لیگئے۔ وہاں بھی روضہ عالی کا دروازہ بند اور مقفل پایا۔ کنجی تلاش کی۔ تو ہاتھ نہ آئی۔ کنجی بردار کہیں گیا ہوا تھا۔ آپنے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر پیر و مرشد کا ارشاد برحق اور تم اس امانت کے اہل ہو۔ تو یہ قفل بھی خود بخود ہی کھل جائیگا۔ پس آپنے قفل کو پکڑ کر کھینچا۔ تو وہ بھی کھل گیا۔ چند مشائخ اُسوقت وہاں رونق افروز تھے۔ سب کے روبرو مزار پُر انوار کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ آپ سب گواہ رہیں۔ میں یہ امانت صاحبِ امانت

کو دیتا ہوں۔ بعد ازاں خرقہ مبارک آپکو پہنا دیا۔ اور دعائے خیر فرمائی۔ نیز ایک خرقہ اپنی طرف سے بھی عنایت فرمایا۔ اور جملہ اذکار و اشغال مع فیضان کے جو انکو حضرت شہیدؒ اور اپنے والد شاہ عبدالکریم چشتی سے پہونچے تھے سب تلقین فرمائے۔ اور اجازت بخشی۔ اسکے بعد آپنے اُن سے دریافت کیا۔ کہ شجرہ میں بدستور اوّل حضرت تایا صاحب ہی کا نام رہنے دوں۔ یا اب آپکا نام مقدّم کردوں فرمایا کہ بدستور رہنے دوگے جب بھی کچھ حرج نہیں۔ اگر میرا نام مقدّم کردوگے تو البتّہ بوجہ قرب تعلق ہونیکے تمکو فائدہ زیادہ ہوگا۔ پس آپنے شجرہ میں آپ کا نام بھی اضافہ کردیا۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اُس روز سے نسبتِ فیض میں پہلے سے دُگنی ترقی ہوگئی۔

آپنے حضرت حضرت شاہ محمد رمضان اور شاہ محمدؐ غوث رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ دیگر بزرگان کرام سے بھی **استفاضہ** فرمایا ہے مثلاً **اوّل** اپنے والد ماجد مولوی شاہ محمد اسمٰعیلؒ سے **دوم** سیّد عاشق محمد صاحب نبیرۂ حضرت حافظ حفیظ اللہ صاحب کھٹوی سے۔ **سوئم** پیرجی مغان علیصاحب متبنّیٰ و سجادہ نشین شاہ عظیم پانی پتی سے **چہارم** سفرِ حج میں مولٰنا محی الدین صاحب مدراسی سے **پنجم** حضرت زید سے جو مصنّفِ حزب البحر کی اولاد میں سے ہیں نیز حزب البحر و دیگر ادعیہ کی اجازت بھی حاصل ہوئی۔ **حزب البحر کی سہ روزہ زکوٰۃ** جو آخری چہار شنبۂ صفر سے شروع کرتے ہیں۔ آپکو اس کی اجازت انہی بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ اور پھر آپسے اثنائے قیام مکّہ معظمہ میں **حاجی امداد اللہ** صاحبؒ مہاجر مکّی کو علاوہ ازیں آپنے پہلے حج میں مولوی شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے نواسہ **شاہ محمدؐ اسحٰق** مہاجر مکّی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور دوسرے حج میں دلائل الخیرات اوّل سے آخر تک خاص حضرت شیخ کو سنا کر مدینہ شریف میں سندِ اجازت حاصل کی

آپ تمام **عادات و اخلاق** درویشانہ سے متّصف تھے۔ اکل حلال اور صدق مقال آپکا اصل شعار تھا۔ میانہ روی۔ زہد و اتقا۔ صبر و شکر اور حلم آپکا خاص دستور العمل۔ سماع میں آداب و شرائط کو ملحوظ رکھکر شریک ہوتے تھے۔ اور مولٰنا جامیؒ کی اس غزل پر اکثر آپکو وجد آتا تھا۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ	پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردۂ

آپنے اخیر زمانہ میں جب اداب و شرائط کا التزام عموماً اُٹھتے دیکھا تو ترک سماع فرمایا۔

بڑے بڑے روسائے ذوالاقتدار آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ راجہ رام سنگھ والی جے پور کا گزوا اور خود رام سنگھ نیز نواب یعقوب علیخاں والی فرخ نگر آپکے خاص معتقدوں میں سے تھے۔ مگر آپنے اپنے خاندانی شعار یعنی **استغنا** کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور سوائے پند و نصائح کے کبھی کسی سے کچھ سرو کار نہ رکھا۔ والی جے پور نے بارہا آپکو بلایا۔ مگر نہ آپ گئے۔ نہ اسکو اپنی خدمت میں حاضر ہونیکی اجازت دی۔ اکثر والیانِ ریاست چاہتے تھے کہ اپنی اپنی ریاستوں سے آپ کا کچھ روزینہ مقرر کردیں۔ مگر آپکی طرف سے اسکی درخواست اور کوشش تو کجا۔ کبھی بلا درخواست ہی اُدھر سے کچھ سلسلہ جنبانی ہوئی بھی تو صاف انکار کردیا چنانچہ والی جاورہ نے سَو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا۔ اور والئ دجانہ نے نقد کے علاوہ مکانات بھی اپنے خرچ سے بنوا دینے چاہے۔ مگر آپنے منظور نہ کیا۔ جب مینے عرض کیا۔ کہ آپ منظور کرلیتے تو اچھا ہی تھا۔ اخراجات زائد ہیں۔ آمدنی کا تعین کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ کہ مجھے تو میرے پیر و مرشد کا حکم نہیں۔ جب تمہارا وقت آئیگا تو تمہیں اختیار ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی آپ اپنے پیر و مرشد کے قدم بقدم اور نمونہ کامل تھے۔ ایک مرتبہ مرزا ولی بیگ رئیس ہانسی جو آپ کے والد کا مرید تھا۔ اسنے ہولی منائی اور اہل ہنود کی طرح سب رسوم ادا کیں۔ جب آپ حضرت قطب جمال الدین ہانسوی کے عرس میں گئے تو وہ بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ اور نذر پیش کی۔ آپنے قبولِ نذر سے انکار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ تمنے چونکہ عید کفّار کی خوشی منائی ہے۔ لہذا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ میں داخل ہوگئے۔ جب تک توبہ نکروگے تمہاری کوئی عبادت ہی مقبول نہیں۔ میں نذرانہ لیکر کیا کرونگا۔ اس نے اُسی وقت بھری مجلس میں توبہ کی۔

زہد و اتقا کا یہ عالم تھا۔ کہ علاقۂ مالوہ میں ایک بستی ہے کھاچرو نام۔ وہاں کی ایک کسبی یعنی رنڈی نے دو سو روپیہ نقد اور ایک منجھولی بیلوں سمیت نذر میں پیش کی

اور چاہا کہ مجھے بیعت کرلیں۔ فرمایا۔ کہ اگر اس پیشۂ حرامکاری سے تائب ہو کر کسی سے نکاح کرلو جب تو البتہ بیعت کرسکتا ہوں۔

صوفیانہ معمولات کے علاوہ آپکو درس تدریس کا بہت شوق تھا۔ ہریانہ دیس۔ پنجاب سونتر ملک بھٹیان۔ میواڑ۔ مالوہ۔ اور راجپوتانہ جیسے تیرہ و تار علاقوں میں آپ نے علم و شرع کے انوار پھیلائے۔ اور آبادی کا ایک بڑا حصہ اپنی ارادت میں داخل کیا۔ دو مرتبہ آپ **زیارتِ حرمین الشریفین** سے مشرف ہوئے۔ دوسری مرتبہ کے سفر میں **فقیر مولف** بھی ہمرکاب تھا۔ ارکانِ حج ادا کرنیکے علاوہ آپ کا معمول تھا۔ کہ دن بھر طوافِ کعبہ اور زیارت سے مستفیض ہوتے اور رات کو تسبیح و تہلیل کے وقت مجھے ہمراہ لیکر حرم شریف میں جا بیٹھتے اور یادِ الٰہی میں مصروف ہوجاتے۔ اور نماز اشراق اور ورد و ظائف سے فارغ ہو کر وہاں سے آتے۔ مدینہ منورہ میں چالیس نمازیں پڑھنے کے علاوہ آپ کا یہ معمول رہا۔ کہ ہر روز آدھی رات سے اُٹھکر مسجدِ نبوی میں جانے کی تیاریاں کرنے لگ جاتے۔ یہانتک کہ پہر رات رہے سے مجھے ساتھ لیکر باب النسا کے سامنے سنگ مرمر کے فرش پر جا ہی بیٹھتے۔ جب مسجد کا دروازہ کھلتا تو اندر جاکر نماز و نوافل میں مصروف ہوجاتے۔ کبھی باب التوبہ کے سامنے جو اندرونِ روضہ مبارک ہے۔ اس مقام پر جا بیٹھتے جسکو حضور سرورِ عالم نے **بہشت کی کیاری** فرمایا ہے اور نوافل و اشراق سے فارغ ہو کر آتے۔ ایک مرتبہ میں ہمراہ نہ جاسکا۔ آپ اکیلے ہی تشریف لیگئے مجھ سے بھی نہ رہا گیا۔ فوراً پیچھے سے بھاگا۔ جاکر دیکھا تو باب النسا کے سامنے سنگ مرمر کے فرش پر بیٹھے ہیں۔ موسم چونکہ سرما کا تھا۔ اور فرش نہایت ہی سرد۔ آپ اس امید پر کہ مسجدِ نبوی کا دروازہ کھل گیا ہوگا۔ جانماز بھی نہ لیگئے تھے۔ پس میں جھٹ وہاں سے لوٹا۔ اور لپک کر جانماز لیجا کر آپکے نیچے بچھادی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ آپ اندر داخل ہو کر مصروفِ عبادت ہوگئے۔ بارہ روز تک یہی کیفیت رہی۔

آپکی نسبت آپکے معاصرین کے خیالات:۔ حضرت مجددؒ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی

خاص اولاد میں **شاہ احمد سعید دہلویؒ** نقشبندی مجددی سلسلہ کے ایک باکمال بزرگ تھے۔ شاہ غلام علی صاحب کے سجادہ نشین بھی تھے۔ ایام طالب علمی میں ایک مرتبہ مجھے آپکے ہمراہ شاہ صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہونیکا اتفاق ہوا۔ شاہ صاحب اس وقت اپنے تسبیح خانہ میں طالبین کی ایک جماعت کے ساتھ عالمِ استغراق میں تھے۔ اور اپنے منتسبین کو توجہ دے رہے تھے۔ آپ سلام مسنون کہکر بلا انتظار جواب ایک جانب کو بیٹھ گئے یکایک شاہ صاحب نے سر اُٹھایا۔ اور سلام کا جواب دیکر مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے اپنے سجادہ پر بٹھا لیا اور پھر بدستور مصروف توجہ ہوگئے۔ بعد فراغت میری بابت پوچھا۔ آپنے فرمایا۔ کہ بندہ زادہ ہے۔ چونکہ پہلے بھی بارہا میں حاضر خدمت ہوچکا تھا مگر ان تعلقات کی نہ انکو خبر تھی نہ مجھکو۔ پس مسکرا کر فرمایا کہ میاں صاحبزادے پہلے تو تمنے اس تعلق کا کبھی ذکر نہیں کیا پھر دیر تک دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ اور میرے لئے تو اس دن کا حاضر ہونا اکسیر ہوگیا۔ تحصیل علم میں ہر طرح کی امداد مجھے شاہ صاحب ممدوح سے پہونچتی رہی۔

مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکیؒ جب کبھی حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کا تذکرہ اوصاف فرمایا کرتے۔ تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شاہ محمد رمضانؒ صدیقی کے بعد انکے سجادہ نشین کے اوقات بھی بہت اچھے اور قابلِ تحسین ہیں۔ دیگر پیرزادوں سے ہر نوع مختص و اخص ہیں۔ **مولوی غوث علی صاحبؒ** پانی پتی جو بڑے جہاندیدہ اور صاحب حال و کرامات شخص تھے۔ اور اس اخیر زمانہ کے اولیائے باکمال میں سے تھے۔ آپکی از حد تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں جو انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فوراً میرے پاؤں کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں کو لگالئے۔ میںنے عرض کیا کہ آپ ناحق مجھ گنہگار کو شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ تو میرا کام تھا۔ جو مجھ سے نہ ہوسکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کہ تم ولیوں کی اولاد ہو۔ تمہارے پاؤں کیوں نہ چوموں۔ میںنے تمہارے باپ کو۔ دادا کو اور نانا کو سبکو دیکھا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ بیت اللہ شریف میں تمہارے والد نے مجھے ایک جبّہ عنایت کیا تھا۔ میںنے وہ کسی اور کو دیدیا۔ انکو معلوم ہوا

تو کہنے لگے۔ کہ واہ۔ میں نے اس لئے دیا تھا میری غرض تو یہ تھی کہ تم خود پہنو تا کہ مجھے حج المضاعفت کا ثواب ملے۔ کیونکہ تم سید۔ عالم متوکل۔ اور با خدا مرد ہو۔ اسکے بعد مجھے ایک جبہ اور دیا۔ جو میں نے پہن لیا۔ **شیخ فقیر اللہ صاحب** صدیقی مولوی غوث علی صاحب ممدوح کے مریدوں میں سے تھے۔ بڑے ہی بزرگ اور صاحبدل مرد تھے۔ اور تھے بھی ہمارے ہی برادری کے۔ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم بوجہ برادری اور مساوات کے عبد الغنی کی قدر نہیں کرتے۔ ورنہ پیرزادوں میں انکی نظیر آج پانچ پانچ سو کوس میں نہ ملے گی **میاں اللہ بخش صاحب** تونسوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بابا فرید شکر گنج کے عرس پر پاکپٹن میں مقیم تھے۔ ایک جماعت کثیر اُنکے ہمراہ تھی۔ آپ بھی وہیں انکے قریب ہی بستر جمائے نہایت سادگی سے بیٹھے تھے۔ بے انتہا مخلوق اُن پر لوٹ لوٹ کر گرتی تھی۔ مگر آپ اپنی فقیرانہ شان میں بیٹھے رہے۔ نہ انکی کثرت سے مرعوب ہوئے نہ اپنی مسافرت سے خائف۔ پہلے سے کوئی راہ رسم بھی ہی نہیں۔ انکی جماعت سے بعض امور خلافِ عادتِ درویشانہ بھی عمداً یا سہواً ظاہر ہوئے۔ مگر آپنے نہ کچھ شکایت کی نہ پرواہ۔ آخر اُنھوں نے خود ہی کسی سے دریافت کیا کہ یہ ایسے خوددار اور باوضع میاں صاحب کون ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ شاہ محمد رمضان صدیقی مہمی کے سجادہ نشین ہیں تو وہ بہ احترام پیش آئے۔ اور آپ کے پاس آبیٹھے۔ بات چیت کرنے لگے جب آپکی گفتگو اور کلام سے بھی آپ کو پرکھ لیا۔ تو فرمانے لگے۔ کہ حضرت۔ نہ آپ کا قصور ہے۔ نہ میرا۔ بلکہ زمانہ ہی ایسا ہے۔

آپ کے **خلفا اور متوسلین** کی فہرست طویل ہے۔ کیونکہ آپ اپنے تایا اور مفیض لاثانی شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات سے علم و معرفت کے ایک بہتا دریا تھے۔ سینکڑوں کو آپ نے رنگ عرفان سے گلرنگ بنا دیا۔ اور ہزاروں سالکانِ طریقت کو منزلِ مقصود پر پہونچا دیا۔ یہاں آپکے فضائل و مناقب کے بیان کرنے میں بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ لہذا آپ کے خلفا اور متوسلین کے بھی صرف مختصر نام و نشان پر اکتفا کیجاتی ہے۔

۱۔ مولوی محمد سلام الدین صاحب مرحوم ولد عموہم شاہ عبد السمیع صاحب مجذوب۔ جو بڑے فقیہ اور ہر فن مولا تھے۔ صوفیانہ معمولات کے پابند۔ دلائل الخیرات کو روزانہ دو مرتبہ ختم کرتے تھے۔ کتاب ہذا کی اشاعت میں آپکی سعی و کوشش قابل صد شکر گذاری ہے۔

۲۔ مولوی منشی محمد سعید الدین صاحب جو مولوی سلام الدین صاحب کے حقیقی بھائی ہیں۔ آپ سے بیعت ہیں۔ اور برادر وزیر الدین صاحب سے خلیفہ و مجاز۔ ریاست ٹونک میں معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ علم و فضل نیز شرفا نوازی و کنبہ پروری میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

۳۔ حاجی فضل علی صاحب ولد شیخ نظر علی جو آپ کے بہنوئی اور شاہ محمد رمضان صاحب کے نواسہ ہیں۔ احکامِ شریعت کے پابند۔ ۴۔ حافظ جان محمد صاحب نابینا باشندہ مہم بڑے عابد و زاہد تھے۔ **فقیر مؤلف** بلکہ ہم پانچوں بھائیوں کے آپ ہی استاد تھے۔ گو خلافت سے ممتاز تھے۔ مگر مرید نہیں کرتے تھے۔ ۵۔ مولوی حافظ محمد مستقیم صاحب موضع اہروان ضلع حصار کے رہنے والے **دیوبند** کے تعلیم یافتہ۔ اور پورے عالم تھے۔ فنِ مناظرہ میں مشتاق اور وعظ کا شغل رکھتے تھے۔ باوجود خلافت کے مرید کسی کو نہیں کرتے تھے۔ ۶۔ حکیم عین الدین اور مولوی غلام کبریا صاحب دونوں باپ بیٹے موضع لالی ضلع حصار کے رہنے والے اور مریدان و خلفائے با اختصاص میں سے ہیں۔ مولوی صاحب تعلیم دینیات اور وعظ و نصیحت کا شغل رکھتے ہیں۔ اور بہت ہی نیک آدمی ہیں۔ ۷۔ سید اکبر علی صاحب دہلوی بڑے نیک مزاج عالم تھے۔ اور خاندانی شریف و پیرزادہ۔ اوصاف درویشانہ سے متصف اور استغنا و توکل میں اعلیٰ شان رکھتے تھے۔ ۸ میاں مراد شاہ صاحب۔ نہایت ہی عقیدتمند اور جاں نثار درویش تھے۔ اس خاندان کی بچہ بچہ کی بیحد تعظیم و تکریم کیا کرتے اور فرماتے کہ ہمیں تو تم سب شاہ محمد رمضان ہی ہو۔ بڑے متوکل۔ ذاکر اور تہجد گزار تھے۔ پہلے مجرد رہے ۳۵ سال کی عمر میں شادی کی۔ صاحبِ اولاد ہوئے۔ سماع صوفیہ کے شائق تھے۔ اِن اشعار پر اکثر وجد آیا کرتا تھا۔ ~

بارِ ما ہر ساعتے آید بازارِ دگر
کسوتے دیگر ہو شد جلوہ دیگر کند

تا بود حسن و جانش را خریدارِ دگر
مظہر دیگر نماید بہر اظہارِ دگر

۹۔ میاں ہوشناک صاحب۔ قوم کے راجپوت۔ موضع اگان والی ضلع حصار کے رہنے والے بڑے متقی اور علم تصوف سے ماہر تھے۔ آپ کا شمار خلفائے عظام میں سے ہے۔ اس خاندان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ **۱۰**۔ میاں سیف الرحمن صاحب جو عالم شباب میں مرید ہو کر حصار سے باہر ایک ولی کے مزار پر جا بیٹھے۔ علائق دنیا سے آزاد ہو گئے پھر تو وہ شان مستجاب الدعوات ظاہر ہوئی کہ باید و شاید۔ **۱۱**۔ میاں حاجی ابراہیم صاحب۔ ایک عجیب الحال بزرگ تھے ہانسی میں۔ **چُپ شاہ** نامی ایک مجذوب کی خدمت میں گئے۔ انہوں نے آپکی خدمت میں بھیجدیا۔ آپ اس وقت منڈاور علاقہ الور میں مقیم تھے۔ پس ہم سے سیدھے وہاں کو روانہ ہوئے وہاں جاکر بیعت کی۔ اور روحانی ترقی یہانتک بہم پہونچائی۔ کہ کفرستان ہند سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اور ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں جا رہے۔ مگر افسوس کہ وہاں جاکر معہ بیوی کے نابینا ہو گئے۔ آٹا پیسنے کی اجرت پر گزارہ رہ گیا۔ میں نے جب انکو اس حالت میں دیکھا تو دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ مگر وہ اس حال میں بھی خوش و خرم تھے۔

اولاد۔

اولاد ذکور میں سے آپ کو پانچ فرزند عطا ہوئے۔ ان میں سے سب سے بڑے پیرجی محمد سلیمان صاحب تھے۔ جو ۱۱ر رمضان ۱۲۴۲ھ کو بروز جمعہ تولد ہوئے۔ اور ۱۶ر رمضان ۱۳۰۱ھ بروز چہارشنبہ انتقال فرمایا۔ آپ صاحب اولاد اور صاحب نسبت تھے۔ مگر مرید کم کرتے تھے۔ ہر وقت خوف خدا سے خائف رہتے تھے۔

دوسرے مولوی محمد شاہ صاحب جو بڑے منکسر مزاج اور صاحب علم و فضل تھے۔ صاحب نسبت اور صاحب اولاد بھی تھے۔ ایک دختر چھوڑی۔ ۶ر جمادی الاول [illegible]ھ

کو پیدا ہوئے۔ اور ۱۲۸۶ھ میں بمقام پانی پت رحلت فرمائی۔ اور وہیں حضرت پیر حق کے قریب مدفون ہوئے۔ والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ کہ بعد وفات کے بیٹے محمد شاہ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے۔ کہا کہ ابا جی۔ مجھے اللہ نے بخشدیا۔ پوچھا کہ حشر و نشر کی کیفیت سناؤ۔ کہا۔ کچھ کہنے کا حکم نہیں۔

ان سے چھوٹا بندۂ آثم فقیر مؤلف محمد عبدالشکور جس کا حال "من آنم کہ من دانم" کا مصداق ہے۔

مجھ سے چھوٹے برادر تاج الدین اور سب سے چھوٹے وزیر الدین صاحب تھے۔ جو ربیع الاول ۲۹ ۱۳ھ کو رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ اور یہ فقیر صدمات کے سہنے کیلئے ابھی زندہ ہے[1]۔

آپ کی وفات ۲۶ر رجب ۱۲۸۰ھ کو دارالریاست دوجانہ میں ہوئی۔ نماز فجر کی آپنے وقت پر ادا فرمائی۔ جب کوئی پہر دن چڑھا تو مرغ روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط ع

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

[1] افسوس۔ کہ ۴ر رجب ۱۳۳۳ھ کو آپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے بزرگان نسبتی یعنے پیرانِ عظام کا مختصر تذکرہ اور شجرۂ نسب

حضرت قبلہ نانا صاحب علیہ الرحمۃ کو جہاں جہاں سے استفاضہ ہوا۔ اس کا حال معرضِ تحریر میں آچکا ہے۔ حضرات شیخین قدس اللہ اسرارہم کا مختصر تذکرہ بھی اسی ضمن میں مذکور ہو چکا ہے۔ اب آپکے پیر و مرشد۔ شیخ کامل مفیض مکمل یعنی سید عبد العظیم گیلانی رح نیز اسی سلسلہ کے دیگر بزرگان کرام کا تذکرہ تبرکاً اور تیمناً درج کرکے کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

تذکرہ حضرت پیر روشن ضمیر سید عبد العظیم گیلانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نسباً سید اور وطناً گیلانی ہیں۔ آپکے کوئی بزرگ کسی وجہ سے اپنا اصل وطن چھوڑکر لاہور میں آباد ہوئے تھے۔ آپکی ولادت بھی لاہور میں ہوئی۔ بعد ازاں آپ بہ تلاش شیخ کامل شہر حصار میں آئے۔ محلہ گوجران میں قیام فرمایا۔ وہاں سے ایک روز نمک بنتا ہوا دیکھنے کے لئے سانبھر تشریف لیگئے جہاں سے حضرت سید حافظ حفیظ اللہ صاحبؒ کا شہرۂ کمال سُنکر بمقام بڑی کھاٹو علاقہ مارواڑ میں پہونچے۔ اور حافظ صاحب موصوف سے خاندانِ قادریہ میں بیعت کرکے خلافت و اجازت کا شرف پایا۔ عرصۂ دراز کے بعد پھر واردِ حصار ہوئے جب حصار ویران ہوگیا۔ تو وہاں کے گوجروں کے ہمراہ پانی پت میں آئے۔ اور محلہ انصاریان میں اقامت اختیار کی۔ آخر عمر تک وہیں رہے۔

آپکو اپنے پیر کے ساتھ محبت اس قدر تھی۔ کہ انکی وفات کے بعد چالیس برس تک زندہ رہے مگر فرش بالبستر پر کمر نہ لگائی۔ اکثر فراقِ مرشد میں یہ دوہا پڑھا کرتے تھے ؎

پیا بچھڑے موہے چین ناں تن من کو ناں آرام
جب کے حافظ بچھڑے موری نینن حرام

مجاہدہ کی یہ کیفیت تھی۔ کہ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص مراقبہ کسی لطیفہ کی کشود کیلئے تعلیم فرمایا تھا۔ بعد حصولِ مدعا آپ نے کسیکی زبانی مفصل کیفیت حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں کہلا بھیجی۔ اور یہ بھی عرض کیا۔ کہ حضور مراقبہ میں گردن دکھنے لگ جاتی ہے۔ حافظ صاحبؒ نے ایسی باتوں کا اظہار غیر پر کرنے سے منع فرمایا۔ اور گردن جھکنے کے جواب میں یہ دوہا لکھ بھیجا ؎

انت ہے یہ گھر ہے پیا کا خالہ کا گھر ناں
سیس کٹا کے بھوں میں رکھئے تب بیٹا گھر ماں

آپ نے اس کی تعمیل ایسی کی۔ کہ عشا کی نماز پڑھکر مراقبہ میں بیٹھتے۔ تو نماز فجر پڑھکر اٹھتے۔ ساری تکلیف اور مشقت کو بھول گئے۔ استغنا اور توکل کا یہ عالم تھا۔ کہ آپکے ایک معتقد نے دہلی میں ایک جائداد معروف بہ کٹرہ امیر خاں ستر ہزار روپے کو خرید کر آپکی نذر کرنا چاہا مگر آپنے منظور نہ فرمایا۔ آپ کے متبنی میاں محمد رمضان علی صاحب نے قبول کرلیا جب آپ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ اور ستر ہزار کی جائداد صرف ستر روپے کو فروخت کرکے جے پور کو چلے گئے۔ جہاں سے بعد میں حضرت قبلہ نانا صاحبؒ بہ مشکل تمام آپ کو منا لائے۔ سینکڑوں اہل ثروت و اقتدار آپ کے مرید تھے۔ مگر کبھی کسی سے دنیاوی مفاد کی پرواہ ہی نہ کی۔ فقر و فاقہ ہی میں عمر گذار دی۔ آپ کا مقام و مرتبہ اس سے ہویدا ہے۔ کہ بحالتِ بیداری جسمانی آنکھوں سے حضور سرورِ کائنات افضل التحیۃ والصلوٰۃ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ نہ صرف آپ بلکہ دوسروں کو بھی اس شرف سے مشرف فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی مفتی عماد الدین صاحب کو آپ نے اس فیضِ عظیم اور نعمتِ عظمیٰ سے معزز و ممتاز فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ تاکید کردی کہ فقیر کا بھید کسی پر ظاہر نہ کیجیو۔

آپکے ہاں سنگ مرمر کی ایک متبرک چوکی تھی۔ اس پر صندل کی چوکی بچھا کر اور پھر اسپر کمخواب کا تکیہ لگا کر ایک خاص درود شریف چودہ ہزار بلکہ اس سے بھی زائد مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔ اور شرف حضوری سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ فقیر مؤلف بھی ایک مرتبہ والد بزرگوار کے

ہمراہ پانی پت گیا۔ تو اس متبرک چوکی کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ والدِ بزرگوار نے اس کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا۔ کہ دیکھ لو بیٹا۔ یہی وہ چوکی ہے۔ جسپر حضرت پیرِ معظم شرفِ حضوری سے ممتاز ہوا کرتے تھے۔

دورانِ حیات میں آپ سے بارہا **کشف و کرامت** کا صدور ہوا۔ جن میں سے چند نہایت ہی مشہور کرامات کا تذکرہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ **اوّل**۔ حضرت قبلہ نانا صاحبؒ اپنے محل خاص کے تہ خانہ میں حزب البحر کی زکوٰۃ دیتے تھے۔ جس میں کئی طرح کے پرہیز ضروری اور لازمی ہیں مثلاً گائے کا گوشت عامل نہ خود کھائے نہ کوئی دوسرا کھا کر عامل کے پاس آئے۔ ورنہ رجعت کا اندیشہ ہے۔ آپ سے اس قسم کی بدپرہیزی مجبوراً ہو گئی آپ کے چھوٹے بھائی شاہ محمد اسمٰعیل اسوقت کمسن تھے۔ گھر سے گائے کا گوشت کھا کر نکلے اور آپکی گود میں آبیٹھے۔ رات کو جب وظیفہ پڑھنے لگے۔ تو ایک بھینسے کی سی صورت نمودار ہوئی جسنے اپنا سر آپکی چھاتی میں اڑا دیا۔ آپنے اسکو مخاطب کر کے کہا۔ کہ میں دنیا کے واسطے نہیں پڑھتا۔ جا چلا جا۔ مگر وہ نہ ٹلا۔ اتنے میں آپ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت پیرو مرشد شاہ عبد العظیم پانی پتی نے ایک طرف سے آکر اسکے ایسی لاٹھی رسید کی کہ پھر اس کا نشان نظر نہ آیا۔ نہ وہاں پیرو مرشد ہی دکھائی دیے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

؎ پیر ایسا چاہئے جو حافظِ ہر معتقد	ہو ہمیشہ دور و نزدیک سے ہر حال میں۔
ورنہ جو دشمن مرید و نگی ہوا جلتی ہے آج	یوں ہے مرغانِ ہوا جوں پھنس گئے ہوں جال میں

دوئم۔ پانی پت میں جب انگریزوں نے چھاؤنی قائم کرلی۔ تو شہر کے رؤسا و شرفا آپ کی خدمت میں آکر ملتجی ہوئے۔ کہ چھاؤنی سے ہم لوگوں کو ہر طرح کی تکلیف کا احتمال ہے۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ اس بلا سے نجات دے۔ آپنے فرمایا کہ میں ایک غریب الوطن ہوں تمہارے شہر میں آپڑا ہوں۔ سو پڑا رہنے دو۔ کیوں فقیر کو ستاتے ہو۔ ایسے ایسے کام میرے بس کے کب ہیں۔ سب نے منت سماجت کی۔ اور اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ اچھا اسکے بعد پھر

کبھی فقیر کو تکلیف نہ دینا۔ ورنہ میں تمہارے شہر سے چلا جاؤنگا۔ اب تم ایک کام کرو۔ کہ چاروں پٹیوں کے نمبردار چار روٹیاں پکوا کر اور اُن پر گھی شکر ڈال کر میاں لے آؤ۔ جب وہ لے آئے۔ تو فرمایا۔ کہ فلاں بارگ کے پاس جاؤ۔ وہاں ایک موچی بیٹھا جوتے گانٹھ رہا ہوگا اُسکو جا کر یہ روٹیاں دیدو اور کہدو کہ عبد العظیم نے یہ روٹیاں بھجوائی ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ کھڑے ہو کر کھاؤ۔ بموجب ارشاد جب وہ لوگ وہاں گئے۔ تو واقعی ایک موچی کو وہاں جوتے گانٹھتا ہوا پایا۔ انہوں نے روٹیاں اُس کے حوالہ کر کے آپ کا پیغام پہنچایا جسکو سُنتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنا توبرہ سنبھال کر کمر سے باندھ لیا۔ اور چہل قدمی کرتے ہوئے روٹیاں کھانے لگا۔ اتنے ہی میں چھاؤنی کے سپاہیوں میں کچھ ہلچل دکھائی دی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چھاؤنی یہاں سے موقوف کر کے کرنال میں قائم کیگئی ہے۔ اب یہاں سے کوچ کا حکم ملا ہے۔ چنانچہ چند ہی روز میں پانی پت میں صرف بارگیں ہی بارگیں رہگئیں۔ نہ چھاؤنی رہی۔ نہ وہ موچی رہا۔

سوئم۔ ایک مرتبہ ایک مرہٹہ سردار نے پانی پت میں آکر آفت مچا دی۔ تمام رؤسائے شہر سے شاہی فرامین اور معافیات کے کاغذ جبراً چھین لیئے۔ نیز ایک رقم کثیر بطور تاوان بھی لگا دی۔ اہل شہر گھبرا گئے۔ اور تمام مشایخ قصبہ سے استمداد کی سب نے یہی کہا۔ کہ شاہ عبد العظیم کے پاس جاؤ۔ انہی کی ہمت و برکت سے یہ بلا ٹل سکتی ہے۔ پس سب کے سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپنے قصّہ سُنتے ہی سر جھکا لیا۔ مراقب ہوگئے۔ لوگ تو جواب کے منتظر تھے۔ اور مرہٹہ سردار خانقاہوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ مگر جہاں جاتا اور صاحبِ خانقاہ کو دیکھ کر کہتا کہ یہ تو وہ نہیں۔ آخر جب آپکی خدمت میں پہونچا۔ تو کہنے لگا۔ کہ یہی ہیں۔ اور پھر دست بستہ عرض کی۔ کہ حضور کیا حکم ہے؟ آپنے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ کہ اگر تو چاہتا ہے تو ان سب رئیسوں کے فرمان شاہی جو تو نے چھینے ہیں واپس کر دے۔ اور زرِ تاوان بھی معاف کر دے۔ ورنہ تو جان۔

اسنے فوراً آپ کے فرمان کی تعمیل کی سب کے کاغذ واپس کردیے۔ اور زرِ تاوان بھی معاف کر کے سند لکھدی۔ سچ فرمایا ہے مولانا رومؒ نے۔ ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرداند ز راہ

۱۲۲۷؁ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور پانی پت ہی میں مدفون ہوئے۔ آپکی **تصانیف** میں سے ایک تو مصباح السالکین اور دوسرے منور الایمان عجیب و غریب اسم بامسمّٰی نسخے ہیں۔ آپکو اپنے پیرو مرشد حضرت حافظ صاحب سے جو وصیت نامہ عطا ہوا تھا۔ اس کو بھی آپنے فارسی میں نظم کرلیا تھا۔ اسی کو حضرت شاہ محمدؒ رمضانؒ نے ہندی زبان میں منظوم کیا تھا۔ نمونہ کلام میں آپکی وہ غزل ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ جو آپنے اپنے پیرو مرشد حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کی شان میں لکھی ہے۔ وھُوَ ہٰذا ؎

خلق میگوید کہ او بس حافظِ قرآن بود — من ہمیگویم کہ لے خود آیتِ رحمٰن بود
عترتے آنکنست کاں در شانِ او وارد شدہ — آیتِ لولاک و طٰہٰ بخششِ سبحان بود
من چہ گویم وصفِ آن عالیجناب — مظہرِ اعلیٰ ز اعلیٰ پرتوِ مستان بود
مطلبِ خود گر کسے خواہد ازاں عالیمقام — کاشفِ اسرارِ حق ہم صاحبِ احسان بود
لطفِ حقانی کہ از ذاتِ مبارک ظاہر است — لیکن اندر صورتِ انسان با برہاں بود
ہر کہ آمد بر درت اے شاہ بے پرواہِ من — زندہ مے شد گرچہ او بیجان بے درماں بود

حافظ و ہادی۔ مجازی ہم حبیب اللہ شاہ
بے تماشا می برآید کاں عظیم الشاں بود

تذکرہ حضرت حافظ سید حفیظ اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شاہ عبد العظیم پانی پتی کے پیر و مرشد اور شاہ محمدؒ رمضانؒ کے دادا پیر ہیں نسباً سید رضوی اور آپ کا مسکن و مولد قصبہ **بڑی کھاٹو** ہے۔ جو علاقہ مارواڑ میں شہر ڈیڈوانہ

کے قریب واقع ہے۔ آپ قرآن شریف کے حافظ اور مروجہ تعلیم و دینیات کے پورے ماہر تھے عشق الٰہی کی آگ جب قلب میں نمودار ہوئی تو شیخ کامل کی تلاش میں نکلے۔ آخر دہلی میں **شاہ حبیب اللہ** لاہوریؒ سے بیعت ہوئے۔ وہیں خدمتِ شیخ میں رہکر طریق قادریہ کی تعلیم پائی اور اجازت و خلافت سے ممتاز ہو کر اس درجہ کو پہونچے۔ کہ شاہ عظیم پانی پتی جیسے کامل و مکمل اولیاء آپکے خلیفہ ہوئے۔ نیز اور بے شمار مخلوق آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئی۔

آپکے **کمال و عظمت** کا حال مندرجۂ ذیل چند نظائر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو "مشتے نمونہ از خروارے"، کی مصداق ہیں۔

اول۔ ایک مرتبہ آپکو اپنے سید ہونے میں شبہ ہوا۔ کیونکہ آپ کا رنگ سیاہی مائل گندمی تھا۔ اور مشہور یوں ہے کہ سید خوبصورت ہوتے ہیں۔ یہ آپکے بھولے پن کی بات تھی کہ آپنے گوری رنگت کو خوبصورتی قرار دیا۔ ورنہ دراصل خوبصورتی تناسبِ اعضاء کا نام ہے۔ نہ کہ سُرخ اور سفید رنگت کا۔ بقول شاعر ؎

شاہدِ آں نیست کہ موئے و میانے دارد — بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

بہر حال آپکو اپنی سیادت میں اشتباہ ہوا۔ اُسی راتکو خواب میں دیکھا۔ کہ گویا آپ لال قلعہ دہلی کے دروازہ پر کھڑے ہیں حضرت **علی مرتضیٰ** کرم اللہ وجہہ کی سواری آرہی ہے اور ہر دو شہزادگانِ عالی مقام بھی ہمراہ ہیں۔ آپکے قریب پہونچکر چھوٹے صاحبزادہ جناب امام حسین علیہ السلام نے آپکو اپنے کندھے مبارک پر بٹھا لیا۔ اور آپ جسم اطہر کے ساتھ ایسے لپٹے۔ گویا آپ کا جسم امام علیہ السلام کے جسم میں حلول کرگیا۔ اور ایک قالب و یک جان ہوگئے۔ قلعہ کے اندر جاکر دربارِ نبوی میں آپ کو اُتارا گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی طرف دیکھا۔ تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ رونے لگے۔ حضور نے آپکے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ کہ کچھ وہم نہ کرو۔ تم ہماری ہی آل میں سے ہو۔ دربار اقدس میں صحابہ کرام بھی رونق افروز تھے۔ پس حکم ہوا۔ کہ انکو سلام کرو۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام کو سلام مسنون کیا۔ اسکے

بعد آنکھ کھل گئی۔ اگلے روز اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے مُسکرا کر فرمایا۔ کہ اب بھی کچھ شبہ ہے۔ آپ شرما کر خاموش ہو رہے۔

دوئم۔ آپ چونکہ عیالدار درویش تھے۔ پس چاہتے تھے کہ ضروریات معاش سے بےفکر ہو کر سارا وقت فکر معاد و ذکرِ خدا میں لگا دوں۔ اسلئے آپ کا میلان صنعت وحرفت کی طرف ہوا۔ جو ٹنده یا بنده مشہور ہے۔ رفتہ رفتہ ایسی مہارت بہم پہونچی کہ **نسخہ اکسیر** ہاتھ لگ گیا۔ جب اسکو تیار کیا تو پیٹ میں ایسا درد اُٹھا۔ کہ بیتاب ہو گئے اسی حال میں کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ پیران پیر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ واہ حافظ جی دو دو باتیں۔ دین بھی اور دنیا بھی ؎

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں	ایں خیال است مُحال ست جنوں

ایک بات اختیار کرو۔ عرض کیا۔ حضور میرا خرچ بہت ہے۔ فرمایا۔ بھلا کتنا ہے۔ عرض کیا۔ کہ پندرہ روپے ماہوار۔ ارشاد ہو۔ کہ اچھا یہ خرچ ہمارے ذمّہ رہا۔ آنکھ کھلتے ہی آپنے تیار شدہ اکسیر کو خاک میں ملا دیا۔ معًا درد بھی دور ہو گیا۔ اور تشویش بھی کافور ہو گئی۔

یہاں بھی آپ کا **بھولا پن** ظاہر ہے۔ کہ ایسی بڑی سرکار سے خرچ بھی مانگا تو پندرہ روپے مگر بات یہ ہے۔ کہ آپ سچے بندے تھے۔ دنیا کے بقدر ضرورت طالب جو دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر آتا تھا۔ اگر دنیا کی طلب اور نام ونمود کی بھوک ہوتی۔ تو خبر نہیں کتنا کچھ مانگتے۔ مگر اتنے ہی پر قناعت کی بقول سعدی ؎

مطلب گر تو انگری خواہی	جز قناعت کہ دولتیست ہنٔ

یہ اثر ابتک آپکی اولاد میں موجود ہے۔ یعنی بقدر ضرورت انکو خرچ خزانہ غیب سے ملجاتا ہے اس سے زائد موافق نہیں طلب کریں تو ملتا نہیں۔ ملتا ہے تو بابرکت نہیں ہوتا۔ آپکے بھولے پن کا اثر بھی آپکی اولاد میں پایا جاتا ہے۔ صاجزادہ صاحب **عبدالکریم** جن کا ذکر دیباچہ میں مرقوم ہو چکا ہے اور انکے والد **سید نور محمد** صاحب اس بھولے پن کی جیتی جاگتی

تصویریں ہیں۔ یہی بھولا پن دراصل **سادات کی علامت** ہے بل چھل نہ ان حضرات کے شایان شان ہے نہ انکو آتا ہے۔

سوئم ایک مرتبہ آپ گاہ قدیم شریف کے اس حجرہ میں مقیم تھے۔ جو دروازہ میں ہے۔ وہیں آپکو دربار نبوی سے حکم ہوا۔ کہ حافظ جی تم ہماری مسجد میں قرآن سُنا یا کرو۔ بس آپنے ہمیشہ رمضان شریف میں قدم شریف کی مسجد میں قرآن مجید سُنانیکا معمول کر لیا۔

چہارم ایک مرتبہ آپنے دربار نبوی میں سوال کیا کہ میرے واسطے **سب سے اچھا عمل** کونسا ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ تعلیم القرآن۔ بس اُسدن سے یہی مشغلہ اختیار کر لیا۔ یہاں تک اس مشغلہ میں محو ہوئے۔ کہ ایک طالب علم کو تیرہ دن میں تیرہ پارے حفظ کرا دیے۔

سیف زبانی کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ جامع مسجد لاہور میں بعد نماز جمعہ چند لوگوں نے آکر آپ سے عرض کیا۔ کہ ہمارے عزیزوں میں سے ایک قاضی صاحب کو صوبیدار ذکریا خاں نے بلا قصور قید کر لیا ہے۔ اور لاکھ روپے تاوان کے مانگتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہم تو فقیر ہیں۔ اور کچھ تو ہم سے ہو نہیں سکتا۔ دعا کر دینگے اللہ مالک ہے۔ انہوں نے قدم پکڑ لئے کہ جب تک ہمارا کام نہ ہوگا۔ ہم تو حضور کے قدم نہ چھوڑینگے۔ گرمی کا موسم تھا۔ دھوپ کی شدت صحن مسجد کا تپ رہا تھا۔ آپ وہیں کھڑے کھڑے مراقب ہوئے۔ روح مبارک غوث اعظم کا توسّل پکڑا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا چاہتے ہو۔ قاضی کی رہائی یا صوبیدار کی موت۔ عرض کیا۔ کہ قاضی چھوٹ جائیں۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ۔ چھوٹ گئے۔ چنانچہ اسی روز قاضی صاحب رہا ہو کر اپنے بھائی بندوں سمیت اظہار شکریہ کے واسطے درِ فیض پر حاضر ہوئے۔ اور زیارت کا شرف حاصل کیا۔ **ایکمرتبہ** آپ عید الضحیٰ کی نماز میں امام ہوئے۔ آپکے پیرو مرشد بھی مقتدیوں میں شامل تھے۔ بعد فراغت انہوں نے فرمایا کہ حافظ جی کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے میں مجھے وہ مقامات طے ہو جاتے تھے۔ جو سو چلّوں میں بھی طے نہ ہوں۔

اپنی **اولاد روحانی وجسمانی کو وصیت** جو آپنے فرمائی ہیں۔ اسکے مندرجہ ذیل

الفاظ آپکی للہیت۔ بے نفسی اور بے تعصبی کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور آپکے فضل وکمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ "سفر میں غریبوں کے ہاں ٹھیرا کرو۔ اور انکو نصیحت کیا کرو۔ بیعت کرتے ہوئے خالصاً للہ کرو۔ شرک وکفر سے توبہ کراؤ۔ اور کسی کو مرید ہونیکے لئے مجبور مت کرو۔ اگر کوئی تمہارے سوا کسی دوسرے کا مرید ہو جائے تو اُسکو یہ مت کہو۔ کہ تمہارا باپ یا بھائی تو ہمارا مرید تھا۔ تم دوسروں کے کیوں ہوئے"

۲۶ ذی قعدہ ۱۱۸۶ھ کو یکشنبہ کے روز آپنے وفات پائی۔ اور وہیں اپنے مسکن و مولد میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ اور زائرین کیلئے ابتک فیضگاہ ہے۔ آپکی اولاد میں **سید عاشق محمد صاحب** اور **سید امام علی صاحب** بہت باکمال بزرگ گذرے ہیں۔ موجودہ حضرات میں سے صاحبزادہ **عبدالکریم** میں آثار رشد وہدایت پائے جاتے ہیں۔ اور درویشانہ اوصاف کی جھلک نظر آتی ہے۔ خدا کرے ان پر عرفان و انوار کا دروازہ کھُل جائے اور لطف ایزدی اُن کا شامل ہو جائے۔ تاکہ وہ اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنے کیلئے خلف الصدق اور باقیات الصّٰلحٰت ثابت ہوں۔

تذکرہ حضرت شاہ حبیب اللہ صاحب لاہوری قدس اللہ العزیز

آپ حضرت سید حفیظ اللہ صاحبؒ کے پیرو مرشد اور سید عبدالعظیم گیلانی پانی پتی کے دادا پیر ہیں۔ حضرت شاہ **عبداللطیف** قادری رحمت اللہ علیہ کی بیعت اور انہی کی سندِ خلافت واجازت سے مشرف ہیں۔ جو کہ حضرت **شیخ بڈّھا** قدس سرہ کے ممتاز اور اعلیٰ خلفا میں سے ہیں۔ اور سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیض ملک ہند میں آپ ہی کے واسطہ سے جاری ہوا۔

شاہ صاحب ممدوح و موصوف بہ اعتبار نسب کے بڑے باکمال بزرگ تھے۔ اکثر گدڑی پہنا کرتے تھے۔ اور بالکل سعدی شیرازی کے اس مقولہ کے مصداق

تھے۔ کہ "ظاہر ایشاں جامہ ژندہ است و دلق کہنہ۔ و باطن ایشاں دل زندہ و نفس مُردہ۔"

پہلے آپنے لاہور میں قیام فرمایا۔ اور خاص وعام کو اپنی برکات وفیوض سے مالا مال کیا۔ وہاں ایک ہندو زادہ پر آپکی نظرِ عنایت ہوگئی۔ چند روز بعد وہ لڑکا بمقتضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ جب آپکو اسکے مرنیکا حال معلوم ہوا۔ تو اسکی لاش کے پاس گئے۔ اور اس کا مُنہ کھولکر اور سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ "اُٹھو بیٹا۔ حکمِ الٰہی سے اُٹھو اور کھڑے ہو جاؤ۔" لڑکا اسیوقت زندہ ہو گیا۔ سارے شہر میں آپکی اس کرامت کا چرچا ہونے لگا۔ خلقت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگی۔ پس آپکے پیرو مرشد شاہ عبداللطیف قادریؒ نے حکم دیا۔ کہ چونکہ تمنے یہاں اپنی شہرت کر دی ہے۔ لہذا اب یہاں سے چلے جاؤ۔ اور دہلی میں جا کر بحالت گمنامی بسر کرو۔

پس آپ بموجب ارشاد پیرو مرشد دہلی میں تشریف لے آئے۔ اور مسجد **کٹڑہ گوکل شاہ** واقعہ بازار سیتارام میں قیام فرمایا۔ نادر شاہی قتل عام میں آپ یہیں رونق افروز تھے۔ اور آپ ہی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے بازار سیتارام کا علاقہ مامون ومصئون رہا۔ ورنہ اور سارے شہر میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ مگر یہاں آکر بھی اس **لعل بے بہا** کی چمک گدڑی نہ چھُپ سکی۔ ایک ہندو کشمیری آپکی عجیب وغریب گدڑی کو دیکھ کر ہمیشہ چھیڑا کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ یہ آئے میاں شاہ ولایت۔ آپنے ایک روز اسکو کہا۔ کہ بابا تم اس فقیر کو مت چھیڑا کرو۔ اسنے کہا کہ فقیر ہو تو کچھ دکھاؤ۔ فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ اُس وقت اُس کا پالتو نیولا سامنے مرا پڑا تھا۔ کہنے لگا۔ کہ ایسے ہی ہو تو اسکو زندہ کر دو۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہ تو زندہ ہو جائیگا۔ مگر تم زندہ نہ رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اُسی وقت نیولے نے زندہ ہو کر ایسا کاٹا جسکے زہر سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس واقعہ نے آپکو دہلی میں بھی مشہور کر دیا جب آپکے پیرو مرشد کو خبر ہوئی تو اُنہوں نے جواب طلب کیا۔ آپنے کہلا بھیجا۔ کہ حضرت۔ یہ سب شہرت زندگی ہی تک محدود ہے بعد مُردن کوئی پرسانِ حال بھی نہ ہوگا۔ خدا کی شان وہی کیفیت ہوئی۔ کہ آپ کی وفات کے بعد جس مسجد کے پہلو میں آپ کا مزار تھا۔ اُس مسجد پر گنواروں کا قبضہ ہو گیا۔ مکانات بنگئے اُپلے

تھاپے جانے لگے۔ ان دنوں میں حضرت شاہ محمد رمضانؒ اور انکے پیر و مرشد سید عبد العظیم گیلانی پانی پتی آپکے مزار پر استفاضہ و مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اس ویرانی اور حال زار کو دیکھ دیکھ زار زار رویا کرتے تھے۔ چاہتے تھے کہ یہاں آبادی کا سامان کریں۔ مگر ارشاد یہی ہوتا تھا۔ کہ اسی طرح رہنے دو۔ پس سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے پر دم نہ مارتے تھے آخر ایک عرصہ کے بعد اسی محلہ کے رہنے والے ایک صاحب وکیل غلام حسین نامی کو اشارہ ہوا۔ کہ اب تو گوبر کی برداشت نہیں ہوتی۔ مسجد کا نام و نشان بھی مٹا جا رہا ہے۔ پس اسنے عدالت میں چارہ جوئی کر کے مسجد اور مزار کو گنواروں کے تصرف بیجا سے واگزار کرایا۔ اور پھر قدیمی پرانی مسجد کو تہ خانہ بنایا۔ اور اس کے اوپر نئی مسجد تعمیر کرائی۔

حضرت قبلہ شاہ محمد رمضانؒ نے اپنی آمدنی کا ایک حصہ خاص کر رکھا تھا۔ جس سے ایام غدر سے پیشتر خانقاہ کی دیوار کے متصل کچھ زمین خرید کی تھی۔ تاکہ جب حکم ہو گا۔ خانقاہ کی رونق اور وسعت بڑھا دی جائیگی۔ مگر ایام غدر میں وہ زمین قرق اور ضبط ہو گئی۔ تاہم بعد میں آپکی امداد اور میاں مراد شاہ کی سعی و کوشش سے بہت کچھ اہتمام و انتظام ہو گیا۔ یعنی مسجد پہلے سہ دری تھی اب اس کے پانچ دروازے ہیں۔ تہ خانہ بھی کار آمد اور مصفا رہنے لگا۔ مزار اور مسجد کی چار دیواریاں بھی الگ تعمیر ہو گئیں۔ امام مسجد کے قیام اور آرام کیواسطے حجرہ بھی بنگیا۔ نیز میاں مراد شاہ اور اہل محلہ کی ہمت سے سالانہ عرس بھی ہونے لگا۔

اب پیر جی **اشرف علی** صاحب اس مسجد کے متولی اور خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ جو حضرت سید عبد العظیم گیلانی پانی پتی رحؒ کے پسر متبنّیٰ کے پوتے ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام ۷ شوال کو عرس بھی ہوتا ہے۔

سلسلہ ہذا کے دیگر پیران عظام میں سے بعض کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ اور بعض کا حال اولیائے کرام کے مختلف تذکروں میں فرداً فرداً مختلف مقامات پر مندرج ہے۔ لہذا یہاں اسکے اندراج کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ہاں اگر خدا کو منظور ہوا۔ اور فرصت

و توفیق میسر آئی۔ تو اس سلسلہ کے تمام حضرات کا مختصر تذکرہ جداگانہ مرتب کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔ بالفعل بقیہ حضرات کے صرف اسماء مبارک بصورت شجرہ درج کر کے کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

شجرۂ نسبت عالیہ قادریہ رضی اللہ عنہم

جامع شریعت و طریقت۔ ماحی بدعت و حامیٔ سنت **حضرت شاہ محمد رمضان**[1] شہید صدیقی مہمی رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ و خلافت و اجازت خاندان قادریہ کی اپنے پیر و مرشد سید **عبد العظیم**[2] گیلانی پانی پتی قدس سرہ العزیز و رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ اور انہوں نے عارف باللہ مقبول بارگاہ الٰہ حضرت سید حافظ **حفیظ اللہ**[3]ؒ ساکن کھاٹو سے اور اُنہوں نے حضرت سید **حبیب اللہ**[4]ؒ لاہوری دہلوی سے اور انہوں نے حضرت شاہ **عبد اللطیف**[5]ؒ قادری سے اور اُنہوں نے حضرت **شیخ بڈھا**[6]ؒ قادری سے اور اُنہوں نے حضرت شیخ **فتح محمد**[7]ؒ قادری سے اور اُنہوں نے **شیخ الہ داد**[8] سے اور اُنہوں نے شیخ **عبد القادر**[9]ؒ ثالث سے اور اُنہوں نے سید **محمد غوث**[10] سے اور اُنہوں نے حضرت **زین العابدین**[11]ؒ سے اور اُنہوں نے حضرت سید **عبد القادر ثانی**[12]ؒ سے اور اُنہوں نے حضرت سید **میر شمس الدین**[13]ؒ سے اور اُنہوں نے حضرت مخدوم سید **شاہ میر**[14]ؒ سے اور اُنہوں نے حضرت سید **میر علی**[15]ؒ سے اور اُنہوں نے حضرت سید **مسعود**[16]ؒ سے۔ اور اُنہوں نے حضرت سید **صوفی**[17] سے اور اُنہوں نے حضرت سید **ابو نصر**[18]ؒ سے اور انہوں نے حضرت سید **سیف الدین عبد الوہاب**[19]ؒ سے اور اُنہوں نے اپنے والد ماجد حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب ربانی پیران پیر دستگیر میران محی الدین **عبد القادر جیلانی**[20] قدس سرہ العزیز سے اور انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت **ابو سعید**[21]ؒ بن مبارک مخزومی سے اور انہوں نے حضرت **ابو الحسن**[22]

علی رضا بن یوسف ہنکاریؒ سے اور انہوں نے حضرت ابو الفرح عبد اللہ طرطوسی سے
اور انہوں نے حضرت ابو الفضل عبد الواحد[۲۴] بن عبد العزیز تمیمی سے۔ اور انہوں نے
حضرت شیخ ابوبکر[۲۵] شبلی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت سید الطائفہ جنید[۲۶] بغدادی
سے اور انہوں نے حضرت سری[۲۷] سقطیؒ سے اور انہوں نے حضرت معروف[۲۸]
کرخیؒ سے اور انہوں نے حضرت امیر المومنین امام[۲۹] علیؒ بن موسیٰؒ رضا سے اور انہوں
نے اپنے والد ماجد امام[۳۰] موسی کاظمؓ سے اور انہوں نے امام محمد جعفر[۳۱] صادقؓ
سے اور انہوں نے حضرت امام[۳۲] محمد باقرؓ سے اور انہوں نے حضرت امام[۳۳] زین العابدین
سے اور انہوں نے جناب سید الشہداء، جگر گوشۂ فاطمۃ الزہرا یعنی حضرت امام[۳۴] حسین
علیہ السّلام سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار صاحب سیفِ ذو الفقار۔ امیر
المؤمنین۔ خلیفۃ المسلمین۔ شیرِ خدا علی[۳۵] مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اور آنجناب نے
حضرت سید المرسلین۔ خاتم النبیین۔ فخر الاولین والآخرین شافع روز جزا احمد مجتبیٰ
محمد[۳۶] مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام وعلی جمیع الانبیاء
والاولیا وسائر تابعین وعباد الصّٰلحین اجمعین سے۔ یا اللہ العٰلمین اس بندۂ ضعیف
ومسکین یعنی عبد الشکور اور نیز جمیع مومنین ومومنات
کو اپنے بندگانِ مقبول کے طفیل میں بخشدے

آمین

تفریح القلوب

بہ

ذِکرِ المحبوب

یعنی ضمیمہ روضۃ الرضوان مشتمل بر مناقب ساقیٔ بادۂ عرفان جناب
مرشدی مولوی عبد الشکور نواسہ حقیقی حضرتِ رمضان
قدس سرہ العزیز

مرتبۂ خاکسار جہاں۔ بدنام کنندہ درویشاں۔ ولے خاکپائے ایشاں
یعنی سید ابو محمد عطاء الحق عفا عنہ۔ مدرس علوم مشرقی اینگلو عربک
ہائی اسکول دہلی

نعرۂ مستانہ

کدھر ہے تو اے ساقیِ ماہوش
زباں پر مری دیکھ ہے العطش

لبوں پر تو پہونچی ہے جانِ حزیں
تجھے رحم کیوں مجھ پہ آتا نہیں

خدا کیلئے چھوڑ سب پند و بند
پلادے دوائے دلِ دردمند

نہ دے وہ دوا جس سے آتش بجھے
نہیں بلکہ وہ جس سے دونی لگے

لگی بن نہیں ہوتا کچھ بھی حصول
لگی بن لگن کا ہے دعوی فضول

کدھر ہے تو ای ساقیِ شوخ و شنگ
پلا دے وہ مے جس سے دھلجائے زنگ

مٹے لوحِ دل سے نشانِ دوئی
نہ مجھ میں رہو اور نہ میری خودی

خودی سے خدا کو بہت بیر ہے
فنا میں بقا ہے عجب سیر ہے

گرا ابر سے قطرہ دریا ہوا
بتاؤ تو اس کا فنا کا کیا ہوا

بقا پر فنا گر ہوا ہے جسد
بباطن ملی ہے حیاتِ ابد

بنا یعنی اب قطرہ سے بحر ہے
فنا گر کہیں اس کو تو تھر ہے

عطا اس فنا پر کروں جاں نثار
کہ ہے یہ کلیدِ درِ وصلِ یار

اسی سے تو ہوتے ہیں سب رنج دور
اسی سے تو ہو ویگا عبدِ شکور

تذکرہ مؤلف

کتاب روضۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرمضان کے اصل جامع کہو یا مصنف و مؤلف حضرت مرشدی مولوی حاجی عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ کتاب آپکی شصت سالہ محنت و جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی موجودہ ترتیب و ترقیم اور اسکے طبع کرانے کا شرف

مجھ احقر کے مقدر میں لکھا تھا۔ چنانچہ جب میں باوجود عدیم الفرصتی اور ہجوم ہموم کے اس کا مسودہ مرتب کرکے خدمت اقدس میں لے گیا۔ تو آپ بہت خوش ہوئے۔ اور اسکو اول سے آخر تک بغور پڑھا۔ مناسب تصحیح و ترمیم فرمائی۔ خصوصًا اُس تشریح و تفسیر کو جو بعض مضامین کے متعلق خاکسار نے رقم کی تھی ملاحظہ فرماکر بہت ہی مسرت و طمانیت کا اظہار فرمایا۔ اور کہا کہ اب یہ کتاب میری منشاء کے مطابق اور اہل علم کے مطالعہ کے قابل ہو گئی ہے۔ الحمدللہ ایک تو آرزو پوری ہوئی۔

اسکے بعد آنجناب باوجود ضعف پیری اور غلبۂ نقاہت کے اسکے طبع کرانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن وہی مثل ہوئی۔ کہ ؎

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

یعنی جب آرزوئے دیرینہ کے پورا ہونیکا وقت قریب آیا تو ساتھ ہی پیغام اجل بھی آپہونچا۔ اور آپ اپنے والد ماجد کی طرح دل کی دل ہی میں لیگئے۔ کتاب ہذا آپکی وصیت کے بموجب میرے پاس پہونچی۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنا تذکرہ کہیں بھی نہیں لکھا۔ نہ اپنے والد ماجد کی اولاد کے ضمن میں نہ خلفا کے ذیل میں۔ صرف اولاد کے ذکر میں اپنے نام کے بعد "من آنم کہ میدانم" لکھکر رہ گئے۔ مجھے جب ہی سے خیال تھا کہ اپکا تذکرہ اوصاف و نمونۂ اخلاق و عادات معرض تحریر میں لاؤں۔ اب کہ حضرت علیہ الرحمۃ چشمہائے خدام سے ہمیشہ کیلئے پنہاں ہوگئے ہیں۔ اور بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تاکہ آپکے وابستگانِ دامن اور خدام وارادتمند آپکے افعال و اقوال اور خصائل و شمائل کو فراموش نہ کرنے پائیں۔ آپکی صوری و معنوی تصویر سب کے زیر نظر ہے۔ اور وہ آپکی تقلید و اتباع میں کوشاں رہیں۔ جس سے اُنکی روحانی ترقی کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے۔ پس میں اس ضمیمہ کو تفریح القلوب بذکر المحبوب سے موسوم کرکے اوّل اس میں وہ حالات اور رویائے صادقہ درج کرتا ہوں جو میں نے

اصلی مسودات کتاب ہذا سے اخذ کئے ہیں۔ اور جن سے **آپ کی مقبولیت اور کمال** کا پتہ چلتا ہے۔ پھر اس کے بعد مختصراً "آپ بیتی"، کہ وہ بھی مظہر کمالات عالیہ ہے۔ بیان کرکے اس ضمیمہ کو ختم کردونگا۔ بقول سے

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

والسلام

بندۂ بینوا۔ سید عطا

رویائے صادقہ اور اسکی علامت

یعنی سچے خواب کو حدیث میں نبوت کا چالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ اور خواب کی سچائی کی علامت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس میں بزرگان دین کی زیارت اور انکی ساتھ مکالمت میسر آئے۔ کسی دنیاوی جنجال کا وہم وخیال نہ ہو۔ خصوصاً وہ خواب جو رویت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہو۔ اس کی صداقت میں تو کوئی کلام اور شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مَنْ رَاٰنِیْ رَاَی الْحَقّ۔ اور یہ وہ عظیم الشان شرف ہے۔ جسکی آرزو میں ہزاروں بندگانِ خدا مر گئے۔ اور ہزاروں مر جائینگے۔ مگر خوش نصیب کے سوا نہ کسی کو حاصل ہوا۔ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس شرف کا ادنیٰ ثمر آتش دوزخ سے نجات اور خاتمہ بالخیر کی امید ہے۔ . . . . پس آنجناب کی خوش نصیبی۔ **مقبولیت اور صفائی باطن** کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ آپ عالم رویا میں اپنے بزرگان چشتی ودیگر سلاسل عالیہ کے بزرگانِ کرام کی زیارت سے اکثر مشرف ہوئے۔ اور انکی ارواح طیبہ سے استفاضہ فرمایا۔ علاوہ ازیں خود حضرت رسالتمآب علیہ التحیہ والصلوٰۃ کی زیارت فیض بشارت سے بھی بارہا مشرف وممتاز ہوئے۔ عالم بیداری میں تو ایک **قطب کی زیارت** کا بھی شرف حاصل کیا۔ جس کا قصہ ایک مقام پر آپنے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کہ "ایام طالب علمی میں جب میرا دہلی میں قیام تھا۔ تو وہاں ایک سقا مادر زاد نابینا گرمی ہو یا سردی دن رات پانی کی مشک اٹھائے پھرا کرتا تھا۔ اور خلق اللہ کو پانی پلایا کرتا تھا۔ ایک روز مجھے عالم خواب میں انکی نسبت معلوم ہوا۔ کہ وہ **قطب** ہیں اور گویا میں نے انکا دامن بہ نیت طلب پکڑ لیا ہے۔ اس سے چند روز بعد ایکدن جبکہ میں تہجد کیوقت اپنے قیامگاہ واقعہ فراشخانہ سے جامع مسجد کو جارہا تھا۔ تو رستہ میں لال کنوئیں کے قریب وہ نابینا صاحب مل گئے۔ میں نے پانی مانگا۔ اور دامن پکڑ کر فلاح دارین کا طالب ہوا۔ اور یہ بھی کہا کہ خواب میں بھی آپ کا دامن پکڑ چکا ہوں۔ کہنے لگے کہ کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا۔ دین ودنیا کی دولت۔ فرمایا۔ دونوں تو مل نہیں سکتیں ایک چیز مانگو۔ اور بھلا یہ تو سوچو کہ جب ہمارا دامن پکڑا ہے تو دنیا کہاں ؟ میں نے کہا کہ میں شاہ محمد رمضان کا نواسہ ہوں جنکو دین ودنیا دونوں حاصل تھے۔ کہنے لگے۔ کہ ویسا ہونا مشکل ہے۔ شاہانہ موتی ایک ہی ہوتا ہے میں نے کہا اچھا دولتِ ایمان کی دعا کیجیئے۔ فرمایا کہ ہاں دین وایمان دیا۔ میں آداب بجالایا تو آپنے مکرر کہا۔ کہ دین دیا۔ بعد ازاں نصیحت کی۔ کہ سائل کو خواہ وہ تمہارے دروازہ پر ہو یا دوسرے کے کبھی نہ جھڑکنا۔ انتہیٰ"

اس خاکسار کو جب خدمتِ اقدس میں شرف ارادت حاصل ہوا ہے۔ تو اسوقت آپکی عمر اکاسی[۸۱] برس کے قریب تھی۔ گویا آپ شیخ فانی تھے۔ سب خواہشاتِ نفسانی فنا ہو چکی تھیں۔ یادِ مولیٰ کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ لیکن جب عالمِ شباب تھا۔ تو اس وقت بھی آپنے دنیاوی جاہ وجلال

...کی طرف کبھی دھیان نہیں فرمایا۔ چنانچہ ایکمرتبہ جبکہ آپ حیدرآباد دکن میں تشریف لیگئے۔ اور وہاں سے تین ساڑھے تین سو روپے کی معقول رقم آپکے ہاتھ لگ گئی۔ اگر دنیا کے عاشق ہوتے تو خوب گلچھرے اُڑاتے۔ کیونکہ رنگ رلیاں منانے اور جی کی اُمنگیں پورا کرنیکا خوب موقع تھا۔ لیکن خاندانی تربیت کا اثر کہو۔ یا مذکورہ بالاقطب صاحب کی دعا کی تاثیر۔ کہ اس طرف کو طبیعت مائل ہی نہیں ہوئی۔ زادِراہ کے ہاتھ آتے ہی زیارتِ حرمین الشریفین کی ٹھان لی۔ اور اپنے والدِ بزرگوار سے طالبِ اجازت ہوئے۔ جو اُسوقت کنجپورہ ضلع کرنال میں مقیم تھے اُنہوں نے آپکو اس نیک ارادہ سے روکنا تو مناسب نہ سمجھا۔ مگر فرقت بھی گوارا نہ ہوئی یا انکو بھی ارضِ طیّبہ کی کشش نے بیتاب کردیا۔ کہ خود بھی ہمراہ چلنے کو تیّار ہوگئے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے جو آپکی مرید تھیں۔ آپکے عزم سے مطلع ہوکر گیارہ سو روپے نقد نذر کئے۔ سات سو روپے خود آنجناب کے پاس تھے۔ اور تین سو سے زائد آپکے پاس۔ کل اکیس سو روپیہ (۲۱۰۰) سے زائد لیکر دونوں باپ بیٹے ارضِ طیّبہ کی طرف چلدیے۔ باوجود اس قدر کافی زادِراہ کے واپسی میں بمبئی سے گھر تک پہونچنے کے واسطے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ دورانِ قیام حرمین الشریفین میں ایک تو خیرات اور خدمات مطوفین ومعلّمین میں جی کھولکر روپیہ صرف کیا۔ دوسرے متبرک مقامات سے مبسوط ومستند کتبِ دینیات ڈھیر کی ڈھیر خریدلیں۔

مکہ معظمہ میں آپ پر ایک بزرگ کی نظرِ عنایت

ایکدن آپ اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ مولوی محمد عمر صاحبؒ مہاجر مکّی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو حضرت شاہ احمد سعید مجدّدی کے فرزند رشید تھے۔ جنکا ذکر مولوی شاہ عبدالغنیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں مرقوم ہوچکا ہے۔ مولویصاحب ممدوح اپنے والدِ بزرگوار کے خلف الصدق اور اوصافِ بزرگانہ میں کامل تھے۔ آپکی نسبت آپکے والد ماجدؒ سے دریافت کیا۔ کہ یہ لڑکا کون ہے انہوں نے جوابدیا۔ کہ بندہ زادہ ہے۔ اسپر مولوی صاحب نے بکمال شفقت آپکو اپنا عمامہ تبرکاً مرحمت فرمایا۔ علاوہ اس کے اثنائے قیام مکہ میں اور بھی کئی مکی وہندی بزرگانِ کرام کی زیارت سے مشرف اور انکے الطاف وعنایت کے مورد ہوئے۔

مدینہ منورہ میں آپکا بحالتِ بیداری شرفِ حضوری جنابِ سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونا

آپ اپنے والدِ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے سفرِ حج کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "مینے شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی ایک تصنیف میں دیکھا تھا۔ کہ جسوقت مشتاقانِ زیارت روضۂ انور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ تو فرشتے بارگاہِ رسالت میں ہر روز انکی خبر پہونچاتے ہیں۔ اور جب وہ داخلِ حرم مدینہ منورہ ہوتے ہیں۔ تو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود اُن سبکو دیکھتے۔ اور اپنے ہاتھوں کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی میرے قلب میں یہ خطرہ گذرا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شائقین زیارت کا معائنہ بچشم خود کیونکر فرماتے ہونگے۔ اور سلام کا جواب کس طرح دیتے ہونگے۔ بعد ازاں ایک دن جس دروازہ سے نماز کے بعد کا سلام ہوتا ہے۔ وہاں دن کی کسی نماز کے بعد سلام کا شور ہورہا تھا۔ اور میں باب التوبہ میں کھڑا ہوا اپنے ذوق وشوق میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔ کہ یکایک کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی۔ کہ بس یونہی سی آنکھ جھپک گئی۔ تو دیکھتا کیا ہوں۔ کہ ایک صاحب نہایت ہی حسین ترکوں کے لباس میں کھڑے دونوں ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہے ہیں۔ جیسے کسی کے سلام کا جواب دے رہے ہوں۔ نیز دو شخص اندرون دروازہ اور بھی بیٹھے ہیں۔ اتنے ہی میں وہ حالت کافور ہوئی۔ اور میں چونک پڑا۔ حضرت والدِ بزرگوار کی خدمت میں ماجرا عرض کیا

اور اپنے خطرہ کا بھی حال سنایا۔ تو ارشاد ہوا۔ کہ ترکوں کے لباس میں خود
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ میں نے پوچھا کہ ترکی لباس اختیار فرمانے کا کیا
سبب؟ فرمایا۔ کہ آجکل حضور کی توجہ ترکوں ہی کی طرف زیادہ ہے۔ لہٰذا اسی
رنگ میں جلوہ گر ہو کر تمہارے خطرہ کا سدّ باب فرما دیا۔

بعد انفراغ حج آپ نے ارض طیبہ ہی میں رہنے کا ارادہ کر لیا۔ ایکدن آپکے والد ماجد آپکو آپکے
استاد مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکّی کی خدمت میں لیگئے۔ اور آپ کا ارادۂ قیام
اور اپنا اضطراب بیان کیا۔ جسپر انہوں نے آپکو یہی رائے دی۔ بلکہ تاکید کی۔ کہ والد ماجد
کے ہمراہ واپس ہی جاؤ۔ لہٰذا آپ چار و ناچار واپس تشریف لائے۔ اور مجھ جیسے ہزاروں
گم گشتگانِ طریقت کی رہنمائی کا باعث ہوئے۔

زیارتِ نبوی کے افتخار سے آپ متعدد مرتبہ مفتخر ہوئے۔ جن میں سے ذیل کے
دو واقعات خصوصیّت کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ جو میں نے مسودات میں سے اخذ کئے ہیں
یعنی اپنے والد بزرگوار کا احوال بیان فرماتے ہوئے آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"میں دار الریاست جے پور میں حضرت والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر تھا۔
ایک شب مجھے کچھ ایسا خوف معلوم ہوا۔ کہ میں اپنی چارپائی والد بزرگوار کی
چارپائی سے بھڑا کر بچھانے لگا۔ اسی حال میں ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں
کہ حضرت والد ماجد کے سینہ سے ایک نور میرے قلبِ سہمگیں کیطرف آ رہا ہے۔
جسکی وجہ سے میرا خوف و ہراس دور اور سرور موفور ہو گیا چنانچہ اس کے
بعد پھر مجھے کبھی کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ انہی ایّام اور اسی قیام
میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ممتاز ہو کر حضرت والد
ماجد کے گوناگوں فیوض اور انکی **اجازت و خلافت** سے مشرّف ہوا۔
جس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا۔ گویا ایک باغ

میں کھڑا ہوں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا
منتظر ہوں۔ اتنے ہی میں حضور بھی معدودے ہمراہیوں کے تشریف لے آئے۔ جب
قریب پہونچے میں نے جھک کر سلام کیا۔ کہ "حضور یہ عبد الغنی کا بیٹا ہے۔ اور
عبد الغنی بڑا نیک آدمی ہے۔" اس پر حضور سرورِ عالم نے میری طرف نظر
اٹھا کر دیکھا۔ تو میں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا۔ کہ کچھ عرض خدمت کرنا چاہتا ہوں
ارشاد ہوا کہ کیا؟ میں نے کہا۔ کہ اجازت ہو تو حضور کے پائے مبارک کو ہاتھ لگا کر
چوم لوں۔ حکم ہوا۔ کہ ہاں۔ پس میں نے پائے مبارک کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں سے
لگایا۔ بعد ازاں حضور نے مجھے کلمہ احفظوا لے درود شریف کیواسطے ارشاد فرمایا
جسکو پڑھتا اور یاد کرتا ہوا میں چونک پڑا۔ حضرت والد صاحب کی بھی آنکھ کھل
گئی۔ پوچھا کہ کیا ہے؟ میں نے تمام حال عرض کیا۔ آپ نے بغور سنکر نماز تہجّد پڑھی
اور ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے۔ بعد فراغت میں نے آپ سے **درودِ مستغاث**
کی اجازت طلب کی۔ آپ نے بذاتِ خود تعلیم فرما کر اسکی اجازت بخشی پھر میں نے
قصیدہ غوثیہ کی ترکیب و اجازت کی درخواست کی۔ تو فرمایا کہ ایک مرتبہ
تم میری اجازت کے بغیر میری بیاض کسی غیر کو دکھانے کو لیگئے تھے۔ چونکہ اس کے
اندر بعض ادعیہ ایسی بھی ہیں جو ہر کس و ناکس کو نہیں دکھلائی جا سکتیں۔ پس تم
ایسی قیمتی چیزوں کے ابھی قدر شناس نہیں معلوم ہوتے۔ اسلئے میں تمکو قصیدہ
غوثیہ کی ترکیب و اجازت دیتا ہوا ڈرتا ہوں۔ میں نے اسیوقت توبہ کی۔ کہ آئندہ
کبھی ایسی خطا سرزد نہ ہوگی۔ پس آپ نے بیاض میرے حوالہ کر دی۔ کہ جو جو چیزیں
تم چاہتے ہو اس میں سے لکھ لو بعد ازاں مجھے **حزب البحر** یاد کرائی۔ دو مرتبہ
مجھ سے پڑھوا کر سنی۔ اور فرمایا کہ ہر ایک **عمل میں فائدہ ظاہر ہونے
کیلئے صرف باتوں کی ضرورت ہے** ایک خود صحتِ عمل دوسرے

* میرا بیان حضور ہی سے ایک نے میری طرف اشارہ کر کے خدمت اقدس میں عرض کیا۔

اجازتِ صحیح پہلا قصیدۂ بُردہ پڑھایا۔ اسی اثنا میں ایک دن فرمایا۔ کہ ہمنے یہ اعمال بکوشش حاصل کئے تھے۔ الحمدللہ تو نے ہمسے سیکھ لئے پھر جو اعمال و وظائف وغیرہ ہمنے بیاض میں سے نقل کئے تھے۔ انکی اجازت نیز جو اوراد و ظائف اور اشغال وغیرہ آپکو مولوی شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ سے پہونچے تھے۔ اُن سب کی اجازت مجھے عطا فرمائی اور اجرائے سلسلہ کا حکم دیا جس کی تعمیل بفضلہ آج تک بشرط طلبِ طالبین کر رہا ہوں۔ "

ایک مرتبہ کسی سیاہ فام سیّدزادہ کو دیکھ کر آپنے دل میں کہا کہ سیّد اور کالا رنگ؟ عجیب بات ہے۔ اسی رات کو آپ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ممتاز ہوئے۔ واقعہ مذکورہ کیطرح اس مرتبہ بھی آپ قدمبوسی سے مشرف ہوئے۔ حضور والا کے ہمراہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اپنے والد ماجد کو بھی آپنے وہیں دیکھا۔ جنہوں نے آپ کو فرمایا۔ کہ دیکھو تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کیسی ہے۔ آپنے دیکھکر عرض کیا۔ کہ بہت ہی اچھی اور نورانی ہے۔ پوچھا کہ کیا پہلی سی ہے؟ عرض کیا کہ اس سے بھی بڑھ چڑھکر۔ اتنے ہی میں کیا دیکھتے ہیں کہ صورت اقدس سیاہ فام ہو گئی۔ اسکے بعد جب حضرت والد ماجد سے تذکرہ آیا۔ اور تغیرِ رنگ کا باعث پوچھا۔ تو آنجناب نے آپ سے سوال کیا۔ کہ سفید نور کس کا ہے؟ آپنے عرض کیا کہ رسول اللہ کا۔ پھر پوچھا کہ سُرخ نور کس کا ہے؟ عرض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح زرد۔ سبز اور سیاہ کا حال پوچھا۔ جب سب کا جواب آپنے وہی دیا۔ تو فرمایا۔ کہ پھر شبہ کس بات کا ہے؟۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے ہی نور کا رنگ تمکو دکھا کر تمہارا خطرہ مٹا دیا ہے۔ آئندہ کبھی ایسا خیال نہ کرنا۔ **حضور سرورِ عالم کو اپنی اولاد کا بڑا خیال ہے**

اس خواب میں مولوی اصغر علی صاحب سونی پتی کو آپنے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اردل میں دیکھا۔ چنانچہ انہی سے عالمِ خواب میں آپنے درخواست کی۔ کہ مجھے دربارِ علوی میں حاضر ہونیکی اجازت لے دو۔ مولوی اصغر علی صاحب بغرض حصول اجازت دربارِ علوی میں حاضر

ہوئے۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سراپردہ سے باہر تشریف لائے۔ اور محبانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی فہرست میں آپ کا نام دیکھکر تصدیق و مسرّت کا اظہار فرمایا۔ مولوی صاحب موصوف یہاں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بائیں جانب استادہ تھے۔ لیکن عالمِ بیداری میں جب اُن سے اس خواب کا ذکر آیا۔ تو وہ سُنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے۔ کہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اس قدر الطاف و اکرام کے مورد ہوئے۔ میں پانچ ہزار مرتبہ روزانہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ مگر کبھی قدمبوسی تو درکنار زیارت سے بھی مشرف نہیں ہوا۔ ایک اور صاحب جو اس وقت آپکے پاس تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے کہ بس۔ آپکے درود شریف کی مقبولیت کا حال معلوم ہو گیا۔

درود شریف کے برکات و ثمرات اور اسکے متعلق ایک قوی شبہ کا ازالہ

ایسے موقعوں پر بعض اشخاص کو یہ شبہ ہوا کرتا ہے۔ کہ ہمارا درود شریف مقبول نہیں ہوا سُننے والے بھی ایسی حالت میں اکثر یہی فتویٰ دیدیا کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ ایک سخت غلطی اور ناواقفیت کی بات ہے۔ اس سے سالک کو بہت نقصان پہونچتا ہے۔ اسکی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ مایوس ہو کر ہمیشہ کیلئے کامیابی سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر مرشدِ کامل ہو تو وہ بتا سکتا ہے۔ کہ اگر بکثرت درود شریف پڑھنے کے باوجود زیارتِ نبوی کا شرف حاصل نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ درود شریف کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے مقصود زیارت نہیں۔ بلکہ اصل مقصود عبادت ہے۔ زیارت کا ہونا اسکے منجملہ ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اگر کسی وجہ سے یہ ثمر مرتب نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ درود شریف مقبول نہیں ہوا۔ کیونکہ یہی تو ایک عمل اور عبادت ہے۔ جسکی عدمِ قبولیت کا کھٹکا نہیں۔ ہمیشہ اور ہر وقت زبان سے نکلتا ہی مقبول ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود اجابتِ بارگاہ عالی سے اسکے استقبال کو آتی ہے۔ اگر یہی عمل مقبول اور منظور نہ ہوا۔ تو اور کونسا عمل مقبول ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کوئی شخص کسی بادشاہِ عالیشان کی ڈیوڑھی پر نوکر ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا اصل کام

تو ڈیوڑھی پر کھڑے رہنا۔ یا پہرہ دینا۔ یا کسی اور خدمت کا سر انجام دینا ہے۔ بادشاہ کی زیارت کرنا اس کا اصل کام نہیں۔ ہاں اگر بادشاہ کبھی اس رستہ سے اپنے محل سرا سے نکلے جدھر یہ شخص کھڑا ہے۔ تو اسکو زیارت بلکہ مکالمت بھی میسّر آسکتی ہے۔ لیکن اگر بادشاہ کبھی دوسرے رستہ سے تشریف لیجائے۔ جب بھی اسکو بادشاہ کے ساتھ ایک نسبت اور قرب تو حاصل ہے یعنی یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ کہ ڈیوڑھی پر کے نوکر کو موقوف کر دیا ہے۔ یا اسکی خدمات مقبول نہیں کیونکہ اسکی خدمات کا اصل معاوضہ تو کچھ اور ہے۔ زیارت اور ملاقاتِ شاہی نہ اسکی خدمات میں داخل ہیں نہ خدمات کے معاوضہ میں۔

تمام اعمال کے نتائج دو طرح کے ہوتے ہیں

ایک تو اصلی۔ دوسرے عارضی اصلی نتائج کا ظہور تو قیامت ہی کو ہوگا۔ اسیواسطے اس کا نام **روزِ جزا** ہے عارضی نتائج کا ظہور البتہ کبھی کبھی دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز روزہ اور سچ بولنا وغیرہ نیک اعمال کے کرنے سے مال و اولاد میں برکت کا ہونا۔ زندگی اچھی طرح بسر ہونا۔ درود شریف کے پڑھنے سے رویتِ انور سے مشرّف ہونا۔ یا اچھے اچھے خوابوں کا دکھائی دینا۔ وغیرہ وغیرہ لیکن اگر کبھی یہ نتائج ظاہر نہ ہوں۔ جب بھی عبادت ہونے میں تو کلام نہیں۔ پس اسکے اصلی نتیجہ اور ثمر میں کیا کسر واقع ہو سکتی ہے۔ خاصکر درود شریف کا پڑھنے والا تو ڈیوڑھی پر کا ایک نوکر ہے۔ اس کا اصل کام صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا کی تعمیل ہے۔ یعنی درود شریف پڑھے جانا اسکی نوکری ہے۔ جس کا اصل معاوضہ قیامت کے دن ہی بارگاہ صمدی سے ملیگا۔ دنیا میں رویتِ انور یا دیگر فوائد کا ظہور عارضی اور اسکے علاوہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسے عارضی ثمرات ظاہر ہوتے رہیں تو سالک کا حوصلہ بڑھتا رہتا ہے۔ جو بیش از بیش ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں سالک اگر علیم و فہیم ہے۔ تو اس کو ورنہ اسکے شیخ کو چاہیئے کہ ان اسباب کو تلاش کرے جو ان ثمرات کے ظہور کے مانع ہوں۔ پھر انکی تدبیر کرے۔ کیونکہ بعض اوقات قلب سقیم ہو جاتا ہے۔ نظر کو احساس اور تمیز کو قوت نہیں رہتی۔ یا کوئی اور

سبب ہوتا ہے کہ سالک ان ثمرات و فوائد کو دیکھتا تو ہے مگر پہچان نہیں کر سکتا۔ رویتِ انور سے مشرّف تو ہوتا ہے۔ مگر تمیز نہیں کر سکتا۔ اسلئے وہ اپنے تئیں ان ثمرات سے محروم ہی سمجھتا ہے۔ یا مغالطہ میں پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ مدینہ منورہ میں حضرت پیرو مرشد کو رویتِ انور سے مشرّف ہونیکا قصّہ مذکور ہو چکا ہے۔ کہ حضور کو ترکی لباس میں جلوہ گر دیکھکر آپکو اشتباہ ہوا یا دوسری مرتبہ تغیّر رنگ کے باعث مغالطہ پڑ گیا۔ اور ہر دو موقعوں پر آپکے والد ماجد نے مغالطہ کی تصحیح اور اشتباہ کا ازالہ کر دیا۔ شیخ کامل کا یہی کام ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر اصل معاملہ کی تشریح کر دے۔ یا اپنی قوتِ تصرّفانہ کو کام میں لاکر مرید کی تسلّی و تشفّی کر دے۔ تاکہ وہ ہمّت نہ ہار بیٹھے۔ ورنہ جھٹ اگر غیر مقبولیت ہی کا فتویٰ دیدیا۔ تو وہ غریب تباہ و برباد ہو جائیگا۔ کیونکہ نہ تو درود شریف غیر مقبول ہی ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف رویتِ انور اس کی مقبولیت کی علامت ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو مولوی اصغر علی صاحب سونی پتی کو پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے باوجود زیارت تو کبھی نصیب نہ ہوئی۔ دربارِ نبوی میں یہ قرب و مرتبہ کیونکر حاصل ہو گیا۔ کہ آپ کو اردلی کے عہدے پر ممتاز دیکھا۔ مشتاقانِ زیارت کو اجازتِ باریابی پر مامور اور حضرت علیؓ کے بائیں جانب جلوہ گر پایا۔

غرضیکہ درود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب و مرغوب ہے۔ یہ کبھی غیر مقبول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی بدولت دیگر دعائیں بھی بارِ اجابت پا جاتی ہیں۔ اسکے پڑھنے سے رویتِ انور سے ممتاز ہونا اسکے عارضی ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔ لیکن ہے سب میں اعلیٰ اور افضل۔ تاہم اگر کبھی یہ ثمرہ ظاہر نہ ہو تو غمگین ہو کر اس کا پڑھنا ترک نہ کر دینا چاہیئے۔ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ پس بندے کو بندگی میں لگے رہنا چاہیئے۔ ایک نہ ایک دن یہ ثمرہ بھی ظاہر اور حاصل ہو ہی جائیگا۔ جیسا کہ گلستاں میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے ایک **حکایت** لکھی ہے۔ کہ کوئی شخص مدّت دراز تک بارگاہِ رب العزّت میں مصروفِ عجز و نیاز رہا مگر قبولیت کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ وہ بھی دل برداشتہ ہو کر اظہار عبودیت کا تارک نہ ہوا

کہ جب اس دروازہ کے سوا دوسرا کوئی دروازہ ہی نہیں تو دل برداشتہ یا مایوس ہو کر جانا کہاں ہے۔ آخر ایک دن غیب سے ندا آئی کہ ؎

قبول است گرچہ ہُنر نیستت　　　　کہ جز ما پناہے دگر نیستت

جانشینی کی قرارداد

آپکو آپکے والد ماجد شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ نے اجرائے سلسلہ کی اجازت اور سندِ خلافت تو عطا فرما دی تھی۔ اور اب موجودہ برادران میں سے بڑے بھی آپ ہی تھے۔ پس آپکے والد ماجد کی وفات کے بعد انکی جانشینی کی قرارداد ہوئی۔ کنبہ کے معزز اراکین مثلاً پیر جی محمد یعقوب صاحب مرحوم۔ آپکے عمو جناب شاہ محمد غوث صاحب۔ حکیم محمد علاء الدین احمد۔ اور برادری میں سے حاجی الحرمین حافظ محمد حفیظ الدین صاحب مرحوم۔ شیخ عبد العلی۔ شیخ الواراللہ حاجی مفضل علی صاحب۔ قاضی جلیل الرحمٰن صاحب اور دیگر خلفاء و متوسلین نیز اکابر و عمائدین قصبہ مہم نے جمع ہو کر آپ ہی کو قائم مقام اور سجادہ نشین تسلیم کیا۔ نذریں گذرانیں اور دستار بندی عمل میں آئی۔ لیکن آپنے **زمانۂ خیر القرون کے ایثار کا نظارہ** دکھا دیا جیسا کہ مشہور ہے کہ کسی صحابی کو کہیں سے بکری کی سری ہدیۃً آئی مگر اُنہوں نے آپ تو نہ کھائی اور اپنے پڑوسی کے ہاں بھیجدی۔ کہ یہ ہماری تو ضرورت سے زائد ہے اور اس کا کنبہ زائد ہے۔ سب کے کام آجائیگی ہمارا اللہ مالک ہے۔ اُسنے اپنے دوسرے پڑوسی کے ہاں بھیجدی جسکے ہاں کھانیکو کچھ بھی میسر نہ تھا علیٰ ہذا القیاس چھ سات جگہ وہ کلّہ گوسفند پھرتا پھراتا پھر اسی شخص کے پاس آگیا جسکو پہلے ملا تھا یہی کیفیت اسوقت ہوئی۔ یعنی تمام اکابرین نے تو آپکی دستار بندی کرائی اور آپنے اسی مجمع اور اُنہی معزز اشخاص کے روبرو اپنے چھوٹے بھائی میاں **وزیر الدین** صاحب کے سر پر پگڑی بندھا دی۔ اور اُنہوں نے اُسی طرح آپ کے سر پر۔ آخر تمام مجمع نے دونوں بھائیوں کو **سجادہ نشین** تسلیم کیا۔ اور نذریں پیش کیں۔ مگر افسوس کہ میاں وزیر الدین صاحب کی عمر نے

وفا نہ کی۔ وہ اس کے بعد چند ماہ تک بیمار رہکر ۶ ربیع الاول ۱۳۲۹؁ھ کو بروز چہار شنبہ جنت الفردوس میں جا بسے۔ انکی اولاد بڑی لائق و قابل سرکار انگریزی میں معزز عہدوں پر ممتاز ہے۔ لیکن اجرائے سلسلہ آپ ہی کی ذات بابرکات سے وابستہ ہے۔

تعلیم و تربیت اور علم و فضل

آپکی تعلیم و تربیت کے تفصیلی حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ آپکے علم و فضل کا حال اُن علمائے کرام اور فضلائے عظام کے اسمائے گرامی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جنکا ذکر حضرت شاہ محمد رمضانؒ کے تذکرہ کے ضمن میں مرقوم ہو چکا ہے۔ اور آپنے اُن حضرات کے ساتھ اپنی شاگردانہ نسبت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً جناب مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکیؒ مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی۔ مولانا لطف اللہ صاحب۔ فاضل اجل مولوی فیض الحسن صاحب فقیہ و محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات علمائے شریعت و کاملان طریقت کی فیض صحبت کی برکت سے آپ کا ظاہر حال زیور علم سے آراستہ اور باطن نور عرفان سے پیراستہ تھا۔ یعنی آپ عالم باعمل۔ متبع شریعت اور سلفِ صالحین کا ایک عمدہ ترین نمونہ تھے

عادات و خصائل

حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور حضرت ابو امامہ اسکے راوی ہیں۔ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص ناحق پر ہو اور بحث مباحثہ کو چھوڑ دے۔ اسکے لئے جنت کے کنارہ پر ایک گھر بنایا جائیگا۔ اور جو شخص حق پر ہو اور پھر بھی بحث و مباحثہ کو چھوڑ دے۔ یہ سمجھکر کہ مخاطب مانتا تو ہے نہیں۔ کیوں اپنا وقت ضائع کروں مبادا کوئی نفسانیت اپنے اندر پیدا ہو جائے۔ تو اس کے لئے جنت کے عین وسط میں گھر بنایا جائیگا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہونگے۔ اسکے واسطے اعلیٰ جنت میں گھر تیار ہوگا۔ (ترمذی)

آپ کا اس حدیث پر پورا پورا عمل تھا۔ یعنی بحث و مباحثہ اور تکرار و مجادلہ سے کچھ غرض نہ تھی۔ نہ خود کسی کسی سے اُلجھتے تھے۔ نہ اُلجھنے والوں کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے تھے۔ ریا نفاق اور مکر و فریب سے قطعی نفور تھے۔ حُقہ اور دیگر ممنوعاتِ شرعیہ سے کوسوں دور۔ ہر دم یادِ مولیٰ سے کام تھا۔ نہ کسی سے ملال تھا۔ نہ کسی سے سوال۔ حلم اور بُردباری تو آپ کو وراثت ملی تھی۔ **صبر و تحمل** کا یہ حال تھا کہ تمام عمر اغیار تو درکنار اپنے ہی بعض اعزا و اقارب کے محسود بنے رہے طرح طرح کی اذیتوں کو سہتے اور حق تلفیوں کو برداشت کرتے رہے۔ حتّٰی کہ بقول صاحبزادہ محمد حنیف صاحب دمِ آخر بلکہ بعد وفات بھی آپکو ان کو فتوں اور صدموں سے نجات نہ ملی لیکن اپنے زندگی بھر میں نہ کبھی انتقام و جواب کا خیال فرمایا۔ نہ عدالت و پنچایت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہر معاملہ میں راضی برضا رہکر اپنے **مقام رضا و تسلیم** ہی کا ثبوت دیا۔ لیکن چشمہائے کور کو اس مقام و مرتبہ کی شناخت کی توفیق نہ ہوئی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

البتہ دینی معاملات میں جب کبھی آپ کو روحانی صدمہ پہونچتا تھا۔ تو صبر و تحمل کی تاب نہ رہتی تھی۔ لیکن اس حال میں بھی ایسے آپے سے باہر نہ ہوتے تھے۔ کہ حقیقی سرکار سے مُنہ موڑ کر مجازی سرکار کی طرف رجوع کریں۔ بلکہ اُسی طریق پر کاربند ہوتے تھے۔ جو سلف صالحین کا معمول رہا ہے۔ یعنی بتوسّل خاصانِ الٰہی دربار احکم الحاکمین میں استغاثہ فرماتے اور اپنی مراد پاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپکے دادا مولوی شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ قصبۂ مہم کے اہل ہنود دلنے بوجہ تعصب مذہبی یہا تنک عناد و بغض کا اظہار کیا۔ کہ ایک طرف تو آپکو کسی الزام میں پھانس کر گرفتار کرانیکی تجویزیں کرنے لگے۔ اور دوسری طرف آپ کے برادر بزرگ مولوی شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے روضہ کو نیلام اور منہدم کرادینے کا منصوبہ گانٹھا۔ جب آپکو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو حسب عادت مقبرہ میں حاضر ہو کر اپنے اپنی ٹوپی حضرت مجذوب علیہ الرحمہ کے مزار پر رکھدی۔ اور عرض کیا۔ کہ ”آپکی اولاد کے حق میں مخالفین اسلام ایسے ایسے مشورے کر رہے ہیں۔ اگر یہی تحصیلدار اور اہلکار اس قصبہ میں چندے اور رہگئے۔ تو حضور کی اولاد کو تو نقصان پہونچے ہی گا۔ مگر شجرِ اسلام کی جڑ بھی اس قصبہ سے کٹ جائیگی ۔“ پس یہ عرض کر کے آپ وہاں سے چلے آئے۔ مگر ٹوپی کو نہ اُٹھایا۔ وہیں چھوڑ آئے۔ تین یوم تک سر برہنہ ہی پھرتے رہے۔ چوتھے روز ایک کمسن لڑکے نے ٹوپی لاکر آپ کو دی۔ اور کہا کہ لو اپنی ٹوپی سر پہ رکھو۔ بعد ازاں آپ حصار کو تشریف لیگئے۔ چند روز ہی بعد وہاں جاکر معلوم ہوا کہ اصل سرغنہ یعنی ہندو اہلکار اور اس کا شریک و معاون تحصیلدار۔ دونوں کسی جرم میں ماخوذ ہو کر اپنے اپنے عہدوں سے معطّل ہو گئے۔ اور قصبۂ مہم کو انکی بلا سے نجات ملی۔

عُلوِّ حوصلہ کا یہ حال کہ چھوٹا ہو یا بڑا کبھی کسی کے سامنے اپنی غلطی کو ماننے سے عار نہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپکے حقیقی بھانجے میاں ظہور اللہ خلف ڈپٹی جمیل اللہ صاحب مجھسے بیان کرتے تھے۔ کہ مدّت ہوئی ایک مرتبہ آپ سے میرے حق میں کچھ ایسی بات سرزد ہوگئی جو میرے لئے باعثِ ضرر و ندامت تھی۔ پس میں بگڑ گیا۔ گو اس کے بعد میں آپکی خدمت بدستور حاضر ہوتا رہا۔ اور آپ شفقت بھی اُسی طرح فرماتے رہے۔ مگر میرے دل میں رنج ضرور تھا۔ مرض الموت میں جب آپکی حالت نازک دیکھی۔ تو مینے اپنے قلب مکدّر کو اسکی کدورت کے سبب بہت ملامت کی۔ اور پھر واقعہ مذکور کو یاد دلاکر آپ سے معافی کا طالب ہوا۔ جسکو سُنتے ہی باوجود غلبۂ نقاہت کے یکدم اُٹھکر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے کہ اوہو خوب یاد دلایا۔ میاں وہ تو دراصل خطا میری تھی۔ نہ کہ تمہاری۔ پس تم مجھے معاف کرو۔ مینے عذر کیا۔ تو پھر فرمایا۔ کہ نہیں نہیں درحقیقت اس معاملہ میں تم حق بجانب تھے اور میں غلطی پر تھا۔ **درویشانہ انکسار** جس طرح آپکی صورت لباس گفتار و رفتار میں پایا جاتا تھا اسی طرح آپ کے درِ دولت پر جاکر اس احقر نے **فقیرانہ شان** جلوہ گر دیکھی۔ بخلاف دیگر بعض مشائخ زمانہ۔ جن کے ہاں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور

دنیاوی جاہ جلال بھی پایا جاتا ہے۔ گو یہ حالت درویشی اور فقر کے منافی نہ ہو۔ لیکن محمود و مستحسن بھی نہیں۔ پس حضرت شاہ محمد رمضانؒ اور شاہ عبد الغنیؒ کے حالات اور واقعات پر دھیان کیا جائے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور مولوی شاہ عبد الغنیؒ کے بعد شاہ محمد رمضانؒ کے سچے جانشین حضرت علیہ الرحمۃ ہی تھے گو ظاہرہ اور عُرفی جانشینی کسی اور صاحب کو حاصل ہو۔

کشف و کرامات آپکی بیسیوں مشہور ہیں۔ منجملہ اُنکے بروایت میر اعتبار علی صاحب ایک یہ ہے۔ کہ آپکو ایک مرتبہ سفر کی ضرورت پیش آگئی۔ ہمراہ لیجانیکے واسطے ایک ہمسفر کی تلاش ہوئی۔ کھاٹو سے صاحبزادہ محمدؐ طاہر صاحب کو بلایا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ تو آپنے اپنا عزم فسخ کر دیا۔ اور انکو واپس جانیکا حکم دیا۔ نیز اپنی بیاض میں سے ایک نسخہ مرض ہیضہ کا نکال کر انکو دیا۔ کہ اسکی نقل کر لو۔ انکو ناگوار گذرا۔ کہ میں اپنا کام کاج حرج کر کے اتنی دور سے آیا۔ اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ نہ کوئی مجھ سے کام لیا۔ نہ خدمت۔ لیکن چار و ناچار واپس جانا ہی پڑا۔ نسخہ بھی بادلِ ناخواستہ نقل کر لیا۔ جب اپنے مکان پر پہونچے تو بیوی صاحبہ کو مرض ہیضہ میں سخت مبتلا پایا۔ اور اسی نسخہ کے استعمال سے اللہ تعالیٰ نے صحت بخشی۔ اور بروایت **ملا احمد** صاحب سانگانیر والے مندرجہ ذیل دو کرامات ہمیں پہونچی ہیں۔

کرامت سنہ ١٢٩٦ھ میں آپ قصبہ سانگانیر میں تشریف لائے۔ ایک دن مسجد میں وعظ و نصیحت سے فراغت پا کر فرمایا۔ کہ یہ جو درخت برگد کا مسجد میں لگایا گیا ہے۔ یہ اچھا نہیں کیا۔ بڑا ہو جائیگا تو اُسپر جانور آکر بیٹھا کرینگے۔ اور مسجد کا صحن غلیظ رہا کریگا۔ بہتر ہے کہ اسکو اُکھاڑ کر کسی اور جگہ لگا دو۔ ایک شخص مسمّی میرا چھینپا مزاحم ہوا اور کہنے لگا کہ میں اس درخت کو کبھی نہ اُکھاڑنے دونگا۔ آپنے فرمایا اگر اللہ نے چاہا تو یہ درخت بڑھے پھولیگا بھی نہیں۔ چنانچہ تین سال تک وہ درخت بدستور کھڑا رہا۔ ایک پتّہ بھی نیا نہ نکلا۔ آخر سوکھ گیا۔

کرامت سنہ ١٣٢٧ھ میں آپنے رمضان سانگانیر میں کئے۔ عید کے روز میٹھا کھا کر آپنے سلونے کی خواہش کی۔ بہاؤ الدین کفش دوز نے عرض کیا کہ میں مُرغی کے انڈوں کے کوفتے بنوا کر لاتا ہوں۔ جب وہ مکان پر گیا تو معلوم ہوا کہ گیہوں کا آٹا ہے نہیں۔ اسکی بیوی فوراً آٹا پیسنے بیٹھ گئی۔ جب دیر ہوئی تو صاحبزادہ محمد طاہر صاحب جو آپکے ہمراہ تھے۔ کہنے لگے کہ بہاؤ الدین تو آیا ہی نہیں۔ کہیں مذاق ہی تو نہیں کر گیا۔ آپنے فرمایا کہ نہیں مذاق نہیں کیا۔ اسوقت اس کی عورت چکی چلا رہی ہے۔ اور میری جان پر بن رہی ہے کہ مینے اپنے نفس کی خاطر ایک بندۂ خدا کو ناحق تکلیف دی۔ ایک لڑکا مسمی وزیر قریشی آپکی یہ بات سُنکر بہاؤ الدین کے ہاں گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ وہی معاملہ تھا۔ کہ نیکبخت عورت جلد جلد چکّی چلا رہی تھی۔ **نفس کشی اور کسرِ نفسی** میں تو آپ کو اس قدر کمال تھا۔ کہ اپنے نفس کی خاطر کسی دوسرے کو تکلیف دینا تو کجا۔ خود بھی کبھی راحت و آرام یا لذّتِ زبان کا خیال نہ فرماتے تھے۔ دہلی میں جب تشریف لائے۔ گلی شاہ تارا میں اسی مسجد میں فروکش ہوتے۔ جس میں آپکے ناناصاحبؒ اُترا کرتے تھے حالانکہ آپ کے اعزّا و اقربا کے مکانات دہلی میں موجود تھے۔ جہاں آپ کو ہر طرح کا آرام مل سکتا تھا۔ مگر آپ تنعّم و راحت طلبی سے بہت گھبراتے تھے۔ اور توکل اور درویشی کو ہر حال میں ترجیح دیتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ آپکی بے نفسی۔ عجز بزرگانہ اور کمال درویشانہ کا حال میری سرگذشت میں آپکو معلوم ہوگا جو بعنوان "آپ بیتی" عرض کرتا ہوں۔

آپ بیتی مشعر مکارم آں مکرّم رحمۃ اللہ علیہ

اس خاکسار کا سلسلۂ نسب سادات گیلانیہ سے ملتا ہے۔ میرے والد ماجد جناب مولوی سیّد عطا الہیٰ سلمہم اللہ تعالیٰ بفضلہ تعالیٰ زندہ و سلامت ہیں۔ اور اپنے نانا سیّد

رحمت علی شاہ صاحبؒ سے سلسلۂ قادریہ کے خلیفہ ومجاز ہیں۔ اور اضلاع ہوشیارپور جالندھر۔ لدھیانہ۔ انبالہ۔ وعلاقہ پٹیالہ میں آپ کے فیوض و برکات کی نہریں جاری ہیں۔ مگر آنجناب نے زمانہ کی اس روش کو دیکھ کر کہ پیری مریدی آجکل صرف حصول معاش کا آلہ بن رہی ہے۔ مجھے بتاکید واہتمام بذریعہ ملازمت حصول معاش پر متوجہ کیا اور ملازمت کیواسطے بھی استخارہ فرماکر سررشتۂ تعلیم کو میرے واسطے پسند فرمایا۔ تاکہ نہ فرائض مذہبی کی ادائیگی میں خلل واقع ہو۔ نہ ممنوع وناجائز آمدنی کا احتمال رہے۔ بعض احباب معترض بھی ہوئے۔ خود میرے روبرو ایک مرتبہ جبکہ میں مدرسۃ المعلمین میں تعلیم پا رہا تھا حضرت والد صاحب کے ایک مرید نے آپ سے عرض کیا کہ جناب نے اسکو ملازمت کے جھمیلے میں کیوں ڈالدیا۔ اپنے خرقہ وخلافت سے ممتاز فرماکر اپنے وابستگانِ دامن کی خبرگیری اور اجرائے سلسلہ کا کام اسکے سپرد کیوں نہ کیا۔ فرمایا۔ کہ اگر یہ لائق اور اس فن کا شائق ہوگا۔ تو خود مجھ سے بڑھ کر کسی کامل کی تلاش کریگا۔ اور میرے پاس جو کچھ ہے۔ وہ تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اگر لائق وشائق نہوا۔ تو خرقہ وخلافت دیکر دنیا سمیٹنے کا آلہ بنانا مجھے منظور نہیں۔ جس سے آپ بھی تباہ ہو اور خرقۂ فقیری کو بھی بدنام کرے۔

غرض حضرت والد ماجد مدظلہم کی توجہ کی برکت تھی کہ مجھے جستجوئے کامل کا شوق پیدا ہوا۔ اسی دُھن میں اپنے وطن کی ملازمت کو ترک کرکے دہلی جیسے دور دراز مقام میں آیا۔ یہاں آکر ملازمت کے ساتھ ساتھ حصول دینیات کا بھی شغل رکھا۔ اکثر بزرگانِ کرام کا شہرہ سُنکر اُنکی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر کہیں دلجمعی نہ ہوئی۔ بعض حضرات کا شہرہ سُنا۔ مگر اُنکی خدمت میں حاضر ہونیکا موقعہ نہ ملا۔ واللہ اعلم ان حضرات کے پاس میرا کچھ حصہ ہی نہ تھا۔ یا مجھ نالائق اور گنہگار کے شر سے اُن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ آخر ایک چشتیہ صابریہ خاندان کے بزرگ کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ جو جامع شریعت وطریقت تھے۔ اگرچہ رُجحان ابتدا ہی سے خاندان قادریہ کی طرف تھا لیکن جب انکی خدمت

میں حاضر ہونیکا قصد کیا۔ تو اِن کا انتقال ہوگیا۔ مجھے اپنی بدقسمتی پر سخت ملال ہوا۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اس ملال کو اس طرح رفع کردیا۔ کہ اسی سلسلہ کے ایک بزرگ کامل سے عقیدت ہوگئی۔ انکی بے بہا تصانیف سے استفاضہ کرنے لگا خط وکتابت کے ذریعہ سے بعض مسائل شرعیہ ونکات تصوّف اُن سے دریافت کئے۔ اور انکے ارشاد کی برکت اور توجہات کی بدولت مدت کے جمے ہوئے خدشات اور شکوک وشبہات کا قلع قمع ہوگیا۔ دلجمعی بھی بہت کچھ حاصل ہوئی لیکن جب انکی خدمت میں بیعت کی درخواست کی۔ تو جواب ایسا ملا کہ جس سے معلوم ہوا۔ کہ آپکے ہاں میرا حصہ اسی قدر ہے جو لے رہا ہوں۔ ورنہ اصل حصہ کہیں اور جگہ مقرر ہوچکا ہے۔ جس کا ظہور اس طرح ہوا۔ کہ دہلی میں آکر حسن اتفاق سے صاحبزادہ سید عبدالکریم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو کھالوٹ کلاں کے رہنے والے اور عالی قدر پیرزادے یعنی حضرت شاہ محمد رمضانؒ شہید کے دادا پیر کی اولاد میں ہیں۔ بڑے ہی نیک طبیعت اور ملنسار۔ اور میرے حال پر اسقدر مہربان کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر دنیا میں کسی بھائی کی مہرومحبت بھائی پر یا دوست کی شفقت دوست پر ہوسکتی ہے تو بس اسی قدر ہوسکتی ہے۔ جسقدر صاحبزادۂ موصوف کو میرے حال پر ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے۔ اور مراتب عالیہ پر فائز کرے۔ کہ اُنہیں کی بدولت اپنے گنج مراد یعنی پیرِ طریقت تک میری رسائی ہوئی۔ ورنہ اس خضرِ طریق کی مجھے کیا خبر تھی۔ اور آپ کو اس گم کردہ راہ کا کیا پتہ۔

جس وقت خدمتِ اقدس میں یہ گنہگار حاضر ہوا ہے تو آپکے چہرہ مبارک پر تقاضائے ضعیفی کے باوجود ایک نور ربانی جلوہ گر دیکھا۔ اور قلب میں تسکین وجمعیت کے آثار ہویدا ہوئے۔ جب مکالمت کی نوبت آئی۔ تو حلیمی۔ بُردباری۔ اور تواضع وانکساری کا وہ ظہور ہوا۔ کہ اللہ غنی۔ حتیٰ کہ جب آپکو صاحبزادہ صاحب کی زبانی یہ معلوم ہوا۔ کہ یہ ننگ خاندان سیدزادہ اور حضرت پیرانِ پیر کی اولاد میں سے ہے۔ تو معاً میرے پاؤں پکڑ لئے۔ میری ندامت وخجالت کی حد نہ رہی۔ عذر کیا مگر ان مبارک ہاتھوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری تھی کہ بقول کسے

بالفعل **حزب البحر** اور **قصیدۂ غوثیہ** نقل کرلو۔ مگر یاد رکھنا کہ صاحبزادہ عبدالکریم کو میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ان سے کسی بات میں دریغ نہ کرنا جب مینے حسب الحکم حزب البحر اور قصیدۂ غوثیہ کو نقل کرلیا۔ تو حزب البحر کو مجھ سے پڑھواکر سنا۔ اس کی تصحیح فرمائی۔ پڑھنے کا طریق بتایا۔ اور اجازت بخشی۔ پھر ایک دن دیگر معمولات اور وظائف بھی تلقین فرمائے۔ حتی کہ سندِ خلافت عطا فرماکر اجرائے سلسلہ کی اجازت بھی بخش دی۔ اسوقت مینے عرض کیا۔ کہ ہنوز یہ خاکسار اس بارگراں کا متحمل کیونکر ہوسکتا ہے۔ فرمایا کہ موتی کی قدر و قیمت سے جوہری ہی واقف ہوتا ہے۔ خود موتی کو کیا خبر۔ مینے عرض کیا کہ آپ تو مجھے شرمندہ کررہے ہیں۔ فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں۔ تم مجھ **بوڑھے صیاد کے جال میں شہباز** پھنسے ہو۔ تمہارے جیسا لائق شخص اور میرا مرید ہو۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

ایکمرتبہ میں کچھ اپنی **پریشانِ حالی** عرض کررہا تھا۔ اور آپ مناسب جواب اور تسکین و تشفی سے ممتاز فرماتے جاتے تھے۔ جب میں سمع خراشی کرچکا تو فرمایا۔ کہ مولوی صاحب جو باتیں تم پوچھتے ہو۔ مجھ سے آجتک میرے کسی مُریدنے نہیں پوچھیں اور جو حالت تم اپنی بیان کررہے ہو میرے کسی مرید کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ اُن کا اس طرف دھیان ہی نہیں۔ دس برس پہلے تم کو اللہ تعالیٰ مجھ تک پہونچا دیتا تو میرے فخر و مباہات کی کچھ حد نہ رہتی۔ کاش اب بھی میرے متوسلین تمہاری قدر پہچانیں۔

آہ۔ یہ وہ پُرمعنی ارشادات تھے۔ جنکے لفظ لفظ پر میرے قلب کے حجاب دور ہوتے جاتے تھے۔ وہ بات جو سالک کو سینکڑوں چلّوں میں بھی نصیب نہ ہو۔ مجھکو آپکی ان باتوں میں بے مشقت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ کیونکہ جو الفاظ آپ میرے حق میں استعمال فرمارہے تھے میں دراصل نہ ان کا مستحق تھا نہ اہل۔ پس بحرِ انفعال و ندامت میں غوطے کھاتا تھا۔ اور یہی آبِ خجالت میرے قلب کے زنگ اور کدورتوں کو دھوتا جاتا تھا۔ نفس اندر ہی اندر شرماتا تھا۔ اور عہد کرتا تھا کہ اب جیسا حضرت خیال فرمارہے ہیں۔ ویساہی بنجائیں تو مزہ ہے

نگاہ کا دار تھا دل پر تڑپنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پہ۔ کسی کے آن لگی

یعنی برکت بھرے ہاتھ لگے تھے مجھ گنہگار کے پیرونکو۔ تاثیر کا ظہور ہوا۔ قلب میں جہاں سے معًا یہ صدا آئی۔ ع بھیکا ایسے پیر کے بل بل واری جائیں۔

دھن دولت کیا مال ہے جند ڑی گھول گھمائیں

اسکے بعد دیر تک میرے خاندان اور آبا و اجداد کا حال دریافت فرماتے رہے۔ تقریباً دو سال کے بعد آپ پھر دہلی تشریف لائے۔ تو مینے بیعت کی درخواست کی۔ نہایت ہی عجز بزرگانہ کا اظہار کرکے فرمایا کہ اول تو جب کسی کو جو کچھ بھی ملا ہے آپ ہی سے ملا ہے۔ یعنی سب خاندان سادات ہی کی خلافت و نیابت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ اور میں تو غلام ہی آل رسول کا ہوں پس مجھے انکار تو کچھ نہیں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ "اُلٹی گنگا پہوے کو بہتی ہے"۔

آپکی اس تقریر سے میں اور بھی متاثر ہوا۔ صاحبزادہ بھی مصر ہوئے۔ کہ حضرت ہم دونوں کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ صاحبزادہ صاحب۔ تمہارے ہی گھرانے سے تو یہ نعمت مجھ ناتواں تک پہونچی ہے۔ اصل مستحق تو تمہیں ہو۔ میں تو ایک امین ہوں۔ تمسے کب انکار ہے۔ مگر مرید کرتے ہوئے تو مجھے شرم آتی ہے۔ خرقہ و خلافت کہو تو حاضر ہے۔ مینے عرض کیا کہ جس کام کی سر سے سے قابلیت ہی نہ ہو۔ اس کا ذمہ وار بننا عقل سے بعید ہے۔ فرمایا کہ ع

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو تھا اب دانت دیے کیا آن دیگا

مینے عرض کیا۔ کہ ہاں اگر آن ملنے کا وعدہ ہوچکا۔ تو دانت کسکو بُرے لگتے ہیں۔ فرمایا کہ میاں ع

دادِ حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد است

یعنی جب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم شاملِ حال ہوتا ہے تو آپ ہی سب قابلیت پیدا ہوجاتی ہے غرض دیر تک اسی طرح کی پُرمعنی دُرافشانی فرماتے رہے۔ پھر ہم دونوں کو بیعت سے مشرف فرماکر اپنے خدام کی فہرست میں درج کرلیا۔ اور دن بدن بیش از بیش شفقت ہمارے حال پر فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن اپنی خاص بیاض میرے حوالہ کرکے فرمایا کہ اسمیں سے

ورنہ اگر پیرو مرشد کا کلام دروغ ثابت ہوا۔ اور فراست غلط۔ تو حیف ہے تیری زندگی پر۔ گویا آپ ایک ماہر نباض اور حاذق طبیب تھے۔ کہ ہاتھ میں ہاتھ لیتے ہی میرے امراض کو تاڑ گئے۔ پس وہی معالجہ میرے واسطے تجویز فرمایا۔ جو تیر بہدف۔ زود اثر اور بمنزلہ اکسیر تھا۔ مگر افسوس کہ یہ معالجہ دیرپا نہ ہوا۔ آہ۔ آج میری آنکھیں اس روحانی طبیب حاذق کے دیدار کو ترس رہی ہیں۔ اور روح اس رہبر کامل کے فراق میں تڑپ رہی ہے۔ دل مضطر گھبرا کر پکارتا ہے۔ ؎ خبر لے اے مسیحا تو کہاں ہے ٭ ترا بیمار بسمل نیم جاں ہے۔ لیکن نہ پکار کا جواب ملتا ہے نہ فریاد کی داد۔ نہ درد دل کوئی سننے والا رہا نہ تسلّی و تشفی دینے والا

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم ٭ حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

میری تو وہی مثل ہوئی کہ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ میرے برادران طریقت نے مجھ سے پہلے حضرت کی خدمتگزاری اور فیوض و برکات سے جھولیاں بھر لیں جب میری نوبت آئی تو آپکے کوچ کا سامان ہوگیا۔ آہ ؎

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن ٭ جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا۔

میں تو حضرت علیہ الرحمۃ کی تحریر کے بموجب منتظر تھا کہ آپ ڈیڈوانہ سے دہلی کے راستہ مہم کو تشریف لیجائینگے۔ تو پھر شرف پابوسی سے مشرف ہونگا۔ مگر عین انتظار میں صاحبزادہ محمد حنیف صاحب کا خط آیا کہ۔ حضرت کی حالت نازک ہے۔ غشی ہر وقت طاری رہنے لگی۔ خط کو دیکھتے ہی یہ بدنصیب اور صاحبزادہ عبدالکریم صاحب فوراً روانہ مہم ہو گئے۔ لیکن وائے قسمت۔ وہاں پہونچے تو آپ کنج لحد میں سرگرم راحت ہو چکے تھے۔ کلیجہ میں ایک تیر لگا۔ اور جگر سے پار ہو گیا۔ حیران تھا کہ یا اللہ۔ کیا ہو گیا۔ اتنے میں آپکے حقیقی بھانجے منشی ظہور اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ آخر وقت تک حضرت علیہ الرحمۃ تمہیں یاد کرتے رہے۔ اور تمہاری لکھی ہوئی کتاب خاص تاکید کے ساتھ میرے سپرد کر گئے ہیں۔ اور وصیت فرما گئے ہیں کہ یہ کتاب مولوی صاحب کو دیدینا اور کہدینا کہ تم اور صاحبزادہ

عبدالکریم دونوں ملکر اسکو طبع کراؤ۔ اور اس سلسلہ کو پھیلاؤ۔ تاکہ مجھے اپنے نانا شاہ محمد رمضان اور حضرت والد شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ مجھے ننہیالی اور پدری ترکہ میں یہی فقیری ملی تھی۔ اور یہی اُن کا اصل ترکہ تھا۔ بعد ازاں صاحبزادہ محمد حنیف صاحب نے بھی قریب قریب یہی بشارت سنائی جس سے تنِ بے جان میں کچھ جان سی آئی۔ کہ جنے دمِ آخر تک اپنے خادمِ آثم کو فراموش نہیں کیا۔ وہ قیامت میں کب فراموش کریگا۔ ضرور بہ اذن الٰہی معین و مددگار ہوگا۔ اللّٰھم آمین۔ ثم آمین۔

تاریخ تولد آپکی ۱۶ ربیع/جمادی الاول ۱۲۴۹ھ اور **تاریخ وفات** ۴ رجب ۱۳۳۳ھ یوم چہار شنبہ وقتِ عصر ہے۔ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۱۵ء آپنے اپنی **یادگار** میں اپنے نانا شاہ محمد رمضان کی طرح صرف اولاد دختری چھوڑی۔ جس سے بارگاہ الٰہی سے آپکو دو نواسے عنایت ہوئے۔ بڑے نواسہ میاں عبدالحمید صاحب عین عالمِ شباب میں داغ مفارقت دے گئے۔ صرف انکی ایک نشانی باقی ہے یعنی فرزند کمسن میاں **خورشید عالم** جنکے چہرے سے آثار رشد و قابلیت نمایاں ہیں۔ خدا کرے یہ صاحبِ عمر و اقبال ہوں۔ اور اپنے خاندان و نانا کے متوسلین کے لئے موجب فخر و ناز دوسرے نواسہ میاں **محمد حنیف** صاحب ہیں۔ نیک سیرت۔ نوجوان۔ زیور علم سے آراستہ اخلاقِ حمیدہ سے پیراستہ۔ گو آپنے ابھی تک تصوف اور درویشی کی طرف توجہ نہیں کی۔ نئی روشنی کا اثر اور غلبہ زیادہ ہے۔ لیکن بفضلہٖ طبیعت سلیم پائی ہے۔ اور ذہن رسا۔ رگوں میں اسلامی جوش موجزن ہے۔ احکامِ شریعت کے پابند۔ اور قدردان ہیں۔ صاحبزادہ خورشید عالم کو تو حضرت علیہ الرحمۃ پہلے ہی بیعت سے مشرف فرما چکے تھے۔ اب مرض الموت میں آپکو بھی بیعت کر کے کمال درویشی کے حصول کی معنوی تاکید و تحریک فرما گئے اسی بنا پر جملہ خدام و متوسلین نے جو بموقعہ فاتحہ حاضر تھے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کا آپ کو **جانشین** تسلیم کر لیا۔ اور دستار بندی کرادی گئی۔ تاکہ ادھر آپکو اپنی ذمہ واری کا احساس رہے۔ اور ادھر خلفا و متوسلین کو انکی خدمتگزاری کا خیال

آپکے **خلفا کی مکمل فہرست** کا حال پردۂ کتم میں ہے ۔ البتہ جن حضرات سے اس خاکسار کو نیاز حاصل ہے ۔ اور انکی خلافت کا حال معلوم ہے ۔ ان میں سے **اوّل** صاحبزادہ پیرجی سیّد **عبدالکریم** صاحب ہیں جو اگرچہ بلحاظ عطائے خلافت سب سے موخر ہیں ۔ مگر میری ناقص رائے میں بلحاظ اہلیت و قابلیت سب سے مقدم ہیں ۔ کیونکہ آپ مسئلہ مسائل سے واقف ہیں ۔ اور علم و عمل سے بہرہ مند ۔ بڑے متوکّل ۔ پرہیزگار ۔ نیک مزاج اور بُردبار ہیں حضرت علیہ الرحمۃ نے آپکو خاص اپنی **کلاہِ مبارک** بھی عطا کی ہے جو خرقہ کے قائم مقام ہے آپ کا اصلی وطن کھاٹو کلاں علاقہ مارواڑ ہے ۔ اور حضرت شاہ محمد رمضان شہید کے دادا پیر حافظ حفیظ اللہ کی اولاد میں سے ہیں ۔ سلسلہ نسب آپ کا حافظ علیہ الرحمۃ تک اس طرح پہونچتا ہے ۔ کہ سیّد عبدالکریم بن سیّد نور محمد بن سیّد امام علی شاہ بن سیّد غوث علی بن سیّد کریم اللہ بن سیّد حافظ **حفیظ اللہ** صاحب ۔ آجکل دہلی محلہ پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ میں آپ مقیم ہیں ۔ اور دینی فیوض و برکات سے اپنے اہل وطن کو جو اسی محلہ میں زیادہ آباد ہیں ۔ مالا مال کر رہے ہیں ۔ اس کتاب کے طبع کرانے میں اپکی سعی و کوشش قابل صد شکرگذاری ہے ۔ **دوم** صاحبزادہ سیّد **محمد طاہر** صاحب ۔ آپ بھی خاندانِ حفیظی کی یادگار ہیں ۔ اور اس خاندان کے گدی نشین بھی ہیں اور خلافت حضرت مغفور سے پائی ہے آپنے سفر و حضر میں حضرت علیہ الرحمۃ کے ہمراہ رہکر خدمت و سعادت کے خوب پھول چُنے ہیں ۔ مگر چند روز سے مشاغل درویشی کو چھوڑ کر سپاہیانہ رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ جو کسی طرح بھی آپکی شایانِ شان نہیں ۔ اسیواسطے حضرت علیہ الرحمۃ افسوس کیا کرتے تھے ۔ اور اصلاح حال کی دعا فرمایا کرتے تھے ۔ خدا کرے اُنکی دعائیں آپکے حق میں قبول ہوں ۔ اور آپ پھر پھرا کر پھر اپنے اصلی مقام و منصب پر آپہونچیں ۔ جس طرح صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجاتا ہے ۔ **سوم** میر اعتبار علی صاحب ساکن قصبۂ ڈیڈوانہ علاقہ مارواڑ ۔ آپ نکاتِ تصوّف اور مسائل درویشی سے خوب واقف ہیں ۔ مشرب قلندرانہ رکھتے ہیں ۔ طبیعت کے جری ۔ حوصلہ کے بلند ہیں ۔ آپکا فیض عام گتکہ ۔ بنوٹ ۔ اور نشانہ بازی کی صورت میں جاری ہے ۔ آپ کے شاگرد سینکڑوں کی

تعداد میں ہیں ۔ ڈیڈوانہ میں قاضی **ہاشم علی** صاحب اور میر **مشرّف علی** صاحب بھی حضرت علیہ الرحمۃ کے معزز خلفا میں سے ہیں ۔ اور ذی علم و فہمیدہ اشخاص ہیں ۔ اس سے زیادہ حال آپ کا اس احقر کو معلوم نہیں ۔ پیرجی **محمد صدیق** صاحب ساکن شیر خاں والہ علاقہ ریاست پٹیالہ کا بھی آپ کے خلفا میں ممتاز نمبر ہے ۔ بموقعہ ختم فاتحہ مجھے آپ سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا بڑے نیکو کار ۔ صاحب علم بزرگ ہیں ۔ اپنے گرد و نواح میں اپنے ارشاد و اصلاح کا فیض پہونچا رہے ہیں ۔ **دہلی** میں بھی آنجناب کے ایک خلیفہ ہیں ۔ جو بہت ہی منکسر مزاج اور ریاضت کش درویش ہیں ۔ غالباً **محمد حسین** آپ کا نام ہے ۔ اس سے زیادہ آپکے اوصاف معلوم نہیں

مولوی **عبدالرحیم** صاحب ساکن قصبۂ راہوں ضلع جالندھر (پنجاب) اگرچہ مرید میاں رحمت شاہ صاحب دَسکوی کے ہیں ۔ جو حضرت شہید علیہ الرحمۃ کے معزز و مشہور خلفا میں سے تھے ۔ مگر خلافت و اجازت ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ سے پائی ہے ۔ یہ وہی صاحب ہیں جنکا ذکر کتاب ہذا کی ترتیب و ترقیم کے متعلق دیباچہ میں آچکا ہے ۔ آپ بڑے عالم اور ہر فن مولا ہیں ۔ طبیعت نکتہ سنج اور نکتہ رس ہے ۔ تاریخ گوئی میں خاص مہارت رکھتے ہیں ۔ پہلے سررشتہ تعلیم میں ملازم تھے ۔ اب سیّاحی اختیار کر رکھی ہے ۔ آجکل دہلی ہی میں مقیم ہیں ۔ ان سبکے طفیل میں بندہ بے نوا **سیّد عطا** بھی خلافت و اجازت کے شرف سے مشرّف ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی اہلیت و قابلیت کا خواستگار ہے ۔ اور مغفرت کا امیدوار ۔

حضرت کے منجملہ مُریدانِ صادق الیقین قاضی معین الدین و میر امیر علی صاحبان خصوصاً قابلِ ذکر ہیں

قطعاتِ تاریخ وفات

از جناب مولوی عبدالرحیم صاحب متخلص حباب

چاریں رجب المرجب ۔ چارشنبہ ۔ وقتِ عصر
شد مُجازی و مطاعی عازم دار السرور

بے سرِ الہام و ندا حق بگو سالش حباب ۔
شد بحق واصل جناب مولوی عبدالشکور

۱۳ ھ ۳۳

از بندۂ بینوا سیّد ابو محمد عطاء الحق۔ عطا

حاجی الحرمین حضرت مولوی عبد الشکور
بادۂ عرفاں سے کرکے مست اک عالم کو حیف
ہو نہ کیونکر ہر طرف عالم میں اک ماتم بپا
مبتلائے رنج و غم ہیں آپکے حلقہ بگوش
آہ کس سے جاکے پوچھیں گے طریقِ ذکرِ حق
دیکھکر مغموم مجھکو فکر میں تاریخ کی

مولوی عبد الغنی کے تھے جو فرزندِ خلف
چلدیے دنیا سے رحلت کرکے عُقبیٰ کیطرف
ہوگیا سرمایۂ ناز و دعا سب کا تلف
کارواں سالار ہیں۔ کب کارواں پائے شرف
پائینگے جاکر کہاں باطن کا سامان و علف
بولا ہاتف کلک کے باصد حسرت و افسوس کف

از سر یاس و قلق کہدے عطاؔ سالِ وفات
(کہتا +۱۰۰۰)
مٹ گیا نام و نشانِ پاک بازانِ سلف
۱۳ ۱ھ ۳۳

ایضاً

از پئے سالِ وصالِ حضرت عبد الشکور
سینہ اش را پاک کردہ گفت غواصِ قلم

یافتم نادر صدف از بحر افکارِ عمیق
لولوئے سالِ مسیحی گیر از خضرِ طریق
۱۹ ۶ ۱۵

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات بتوسّل پیرانِ عظام سلسلۂ عالیہ قادریہ رضوان اللہ علیہم

از بندۂ بینوا سیّد عطاؔ

اے خدائے قادر و قیوم۔ اے پروردگار
بندۂ مسکین و عاجز صورتِ امیدوار
دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتا ہے دعا کیواسطے

کثرتِ عصیاں سے اپنے ہوں نہایت ہی ملول
یا الٰہی ہو دعائے مغفرت میری قبول
مولوی عبد الشکور پیشوا کے واسطے

کردے اپنے فضل سے دل کو مرے ایسا غنی
بھول کر بھی میں نہ دیکھوں سوئے دنیائے دنی
مولوی عبد الغنی پیرِ ہُدیٰ کے واسطے

دربئے ایماں ہیں رہتے نفس و شیطانِ خبیث
اپنے بندے کی مدد کر یا غیاث المستغیث
شہ محمد غوث صاحب رہنما کے واسطے

دفترِ عصیاں کو میرے کر جلاکر خاکِ سیاہ
تا نہ ہو شرمندگی محشر میں اے بارِ الٰہ
شاہِ رمضانِ شہیدِ بے ریا کے واسطے

عظمتِ دارین دے بہرِ شہِ عبد العظیم
اور رکھ اپنی حفاظت میں ہمیشہ اے کریم
شہ حفیظ اللہ حافظ با صفا کے واسطے

دولتِ حُبِّ نبی سے مجھکو کردے بہرہ ور
بہرِ آں حضرت حبیب اللہ شاہِ بحر و بر
اور شہ عبد اللطیفِ پارسا کے واسطے

شیخ بدّھا اور شہ فتح محمد پاک باز
کر قبول انکا توسّل اپنے خدائے بے نیاز
بخششِ جُرم و خطائے ناروا کے واسطے

شیخ الہ داد اور عبد القادرِ ثالث ولی
شہ محمد غوث و زین العابدینِ متقی
دے فراخی رزق میں انکی ولا کے واسطے

بہرِ عبد القادرِ ثانی و میرِ شمس دین
بہرِ سیّد شاہ میر از اولیائے کاملین
کھول دے سینہ مرا جذبِ ضیا کے واسطے

جب لگے ہونے جدائی جسم و جاں میں ناگہاں
یا الٰہی کلمۂ طیّب زباں پر ہو رواں
سیّد میر علی بدر الدجیٰ کے واسطے

قبر میں جب پوچھنے کو آئیں منکر اور نکیر
لطف تیرا اُس گھڑی ہو جا میرا دستگیر
سیّدِ مسعود شاہِ دوسرا کے واسطے

سیّد احمد اور سیّد صوفیِ والا گُہر
حضرت سیّد ابو النصرِ بزرگِ خوش سیر

ہیں شفیع لایا ہوں سبکو التجا کے واسطے

دور کر دل سے میرے دنیا کا سب رنج و عذاب
بہر حضرت سیف دیں سیّد عبد الوھاب
سرگروہ اولیا و اصفیا کے واسطے

قبر کی تنگی سے دل ترسان و لرزاں ہے مرا
حضرت محبوب سبحانی کا صدقہ۔ اے خدا
کھول دے جنّت سے کھڑکی اک ہوا کیواسطے

حشر میں جب نفسی نفسی کی ہو ہر سو سے پکار
امّت احمد میں یا اللہ ہو میرا شمار
بوسعید بن مبارک مقتدی کیواسطے

جب سوا نیزے پہ سورج آکے ہو جلوہ نما
یا الٰہی ہو عنایت مجھکو سایہ عرش کا
بوالحسن بن یوسف شمس الضحٰی کیواسطے

نامۂ اعمال تلتے وقت اے ربّ الجلیل
کیجیو میدان محشر میں نہ رسوا و ذلیل
حضرت بوالفرح باشرم و حیا کے واسطے

اور جب اعمال کے تلنے کو میزاں ہو کھڑی
ہر طرف بندوں میں تیرے کھلبلی سی ہو پڑی
لاج رکھیو عبد واحد باوفا کیواسطے

پیش آئے جبکہ راہ پُلصراط پُر خطر
ہو عنایت سے تیری آساں اُس پر سے گزر
حضرت بوبکر شبلی خوش لقا کیواسطے

اور صدقہ میں جنیدؒ و سرّی سقطی کے الٰہ
آتش دوزخ سے ازراہ کرم دیجو پناہ
جو کہ ہے تیار عاصی کی سزا کے واسطے

سُنّت احمد پہ چلنے کی مجھے توفیق دے
اور رکھ محفوظ مجھکو بدعت و عصیان سے
حضرت معروف کرخی باسخا کیواسطے

جام وحدت کا پلا کر مست بیخود مجھکو کر
حرف دوئی کا مٹا دے لوح دل سے سربسر
شاہ عالم حضرت موسٰی رضا کیواسطے۔

طالب دنیا ہوں میں۔ نے نام سے ہے کچھ غرض
ظاہر و باطن کے میرے دور کر دے سب مرض
حضرت کاظم کبیر الاولیا کے واسطے ؒ

جھوٹ۔ بہتان و عداوت غیبت و مکر و ریا
اور بھی افعال بد جتنے ہیں سب مجھ سے چھڑا
جعفرؒ و باقرؒ امام الاتقیا کے واسطے

شاد و خرّم سب رہیں میرے عزیز و اقربا
پائیں توفیق سعادت میرے سارے آشنا
شاہ زین العابدین مجتبیٰؒ کیواسطے

مرتے دم مجھپر نہ کچھ بھی کسی کا قرض و دَین
التجا مقبول ہو یہ بھی میری بہر حسین رضؓ
اور حضرت شہ علی رضؓ مشکل کشا کیواسطے

میرے ماں باپ اور اُستاد و نکی اے ربّ العلا
نیز سارے مومنوں کی بخشدے جرم و خطا
سیّد کونین احمد مصطفیٰ کیواسطے

پیش کر کے یا الٰہی نام پیران عظام
جاؤں کیونکر تیرے دروازے سے بے نیل مرام
سب دعائیں کر قبول اپنے عطا کیواسطے

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ و
علی جمیع الانبیاء والمرسلین وکل ملٰئکۃ
المقربین وعباد اللہ الصّٰلحین
وارحمنا معھم برحمتك
یا ارحم الراحمین
اٰمین

۵ ۵ ۵
۵

تقریظِ عطیہ مشفقی و مکرمی جناب مولوی محمد عبد الرحیم صاحب المتخلص بہ حباب ساکن قصبۂ راہوں ضلع جالندھر (پنجاب)

حضرت مجازی و مطاعی حاجی الحرمین الشریفین پیر محمد عبد الشکور صاحب نواسہ حقیقی حضرت شاہ محمد رمضان شہید بمتابعتی مہمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو صحیح حالات و مقالات اپنے نانا قدس اللہ سرہ العزیز کے شصت سالہ سعی و محنت سے جمع فرمائے تھے۔ وہ بغرض ترتیب و آراستگی آپکی چند در چند معذوریوں کے باعث مدت تک دست بدست منتقل ہوتے ہوئے جسکا تفصیلی ذکر مقدمہ کتاب کے حوالہ ہو چکا ہے۔ آخر کار تکمیل پسند خاطر اقدس آں جامع مرحوم و مغفور و مبرور ہو کر موزونی طبع و اشاعت کا حصہ خاص حضرتِ عطا نے پایا۔ اور منشائے ازلی کے موافق حق حقدار کے ہاتھ آیا۔ بنا بریں یہ برکت و سعادت کہو یا شرف و فخر آپ ہی کو حاصل ہے مرتب صاحب موصوف خاکسار و احقر انام کے ہموطن محترم دوست اور حسن اوصاف کے اعتبار سے ایک قابل اور شریف انسان ہونے کے علاوہ حضرت مبرور جامع مضامین کتاب ہٰذا کے خلیفۂ باوقار بھی ہیں۔ آپ کے والد ماجد جناب مولوی مفتی سید عطا الٰہی صاحب الحنفی والقادری سے بھی خاکسار کو شرفِ ملاقات حاصل ہے۔ اب کبھی ملاقات ہو گی تو آں مکرم کو مبارک باد دونگا۔ کہ آپنے فرزند خلف و لائق پایا۔ خدا نے آم کی جگہ آم لگایا۔

اس عاجز نے نسخۂ کتاب زیرِ طبع کے بعض مقامات پر نظر کی۔ واقع میں یہ کتاب جس طرح اپنی برکات اور حسن صحتِ الفاظ و مقالات حضرت شہید و دیگر حضرات معاصرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے لحاظ سے ایک مزین اور چیدہ نسخہ ہے۔ اسی طرح مضامین کی تمہیدات انکے ساتھ چسپاں اور ترتیب موزوں و پسندیدہ ہے جس سے جناب مرتب یعنی مولوی سید ابو محمد عطاء الحق صاحب کی تبحرِ علمی و قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کو فراغت تکمیل کے ساتھ ہی یہ اعانت حضرت

صاحبزادہ محترم سید محمد عبد الکریم صاحب جو حضرت شہید ممدوح کے دادا پیر حافظ حفیظ اللہ صاحب کھاتوی کی اولاد و امجاد سے ہونیکے علاوہ نواسۂ شہید یعنی جامع کتاب ہٰذا مرحوم کے خلیفۂ خاص بھی ہیں۔ طبع کتاب کا بہترین موقع ہاتھ آیا تاکہ طالبین خاص اور شائقین عام بھی اس نسخۂ متبرکہ سے جلد فیض و فائدہ اُٹھائیں۔ اور صاحبزادہ موصوف اس کارِ خیر میں اپنی اعانت کے سبب عند اللہ اجر جزیل پائیں۔

دُعا بہ مرتب ہزار آفریں
وزیں بیشتر بے شمار آفریں

دورانِ طبع میں آپ نے اس احقر کو تاریخ طبع کے لئے ارشاد فرمایا جسے یہ حلقہ بگوش سلسلہ عالیہ باوصف ناقابلیت بسر و چشم بجا لایا۔ جو ذیل کے قطعہ میں نذر ہے ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

قطعہ تاریخ طبع کتاب روضۃ الرضوان موسوم تذکرۃ الرمضان

از جناب مکرم و معظم مولوی محمد عبد الرحیم صاحب المتخلص بہ حباب

نادر ہے یہ نسخۂ مبارک
لب ہاتف سے جب آب نکلا
+۵
تاریخ یہ لاجواب لکھی
برکات بھری کتاب لکھی
۱۳ ھ ۳۳

از مولوی محمد سماء الدین المتخلص بہ سماؔ بن میر سید ظہور علی صاحب خطیب جامع مسجد شہر ڈیڈوانہ تلمیذ حضرت عطا

بفضلِ خداوندگارِ قدیر
مرتب مکمل بہ حسنِ نظام
مجھے سنکر تاریخِ ہجری ہوئی
ندا غیب سے دی یہ ہاتف نے تب
بسعیِ کریم و عطا۔ تذکرہ
ز سرتا بپا جب ہوا۔ تذکرہ
لکھوں کیا سن سال بھا تذکرہ
سرِحق سے کہہ دے سماؔ تذکرہ
+۸
۱۳۳۳

فہرست مضامین روضۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرمضان

صفحہ	مضامین
۱	دیباچہ اور اس مجموعۂ یاس و امید کے چند مناظر
۶	سبب تالیف
۸	حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہی رح کا سلسلۂ نسب اور ایکے بزرگان نسبی یعنی آباؤ اجداد کا مختصر تذکرہ
۸	خاصان الٰہی کیلئے شرف نسب کی ضرورت
۹	عادت الٰہی
۱۰	انسان کی فضیلت ملائکہ پر
۱۱	شجرہ نسب حضرت شاہ محمد رمضان شہید رح
۱۲	تذکرہ شیخ کمال الدین یمنی رح
"	تذکرہ شیخ قوام الدین قاضی القضاۃ
۱۴	تذکرہ حضرت شاہ کمال اللہ رح
"	تذکرہ میر العرب بدخشی رح
۱۶	قطعہ تاریخ وفات شاہ کمال اللہ رح
۱۷	تذکرہ مولوی شاہ عبد الحکیم رح
۱۸	آپ کی داد و دہش
"	آپ کی خاکساری اور انکساری
۱۹	زن - زمین - زر - تینوں جھگڑے کا گھر
"	اتباع نبوی

صفحہ	مضامین
۲۰	مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا کا نقشہ۔
"	حقہ نوشی
۲۱	نسبت بیعت
"	خواجہ عبد الواحد روسی - مدنی رح
۲۲	قطب واحد اور اُن کی کرامت
۲۳	مسئلہ
۲۴	روشن حکیم
۲۵	صدور کرامات
۲۵	چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار
۲۶	کرامت منظہر علو مرتبت
۲۷	آپکی وفات - مدفن اور تصانیف
۲۸	مدح خواجہ غریب نواز حضرت حسن سنجری رح
۲۹	آپ کی اولاد
"	اچھوتا کوٹھا
۳۰	تذکرہ حضرت شاہ عبد العظیم مجذوب سالک رح
"	مجذوب کے معنی اور جذب کی حقیقت
۳۱	کرامت سکھاری کنوئیں کا میٹھا ہونا
۳۲	قوت تصرفانہ

صفحہ	مضامین
۳۳	اعانت درویشانہ
	کرامت - دلیا پکے کھیل کھیل - مینہ برسے جھیل جھیل
۳۴	قدم درویشاں رد بلا
۳۵	اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ
۳۶	ایک دھرمی سب کو لے تیرے اور ایک پاپی سب کو لے ڈوبے۔
۳۷	تذکرہ مولانا شاہ محمد اسمعیل رح
۳۸	سماع صوفیانہ کی حقیقت
۳۹	راگ کی مثال
۴۲	خوارق و کرامات
۴۳	اولاد
۴۴	خاص حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہی رح کے کمالات صوری اور معنوی کا تذکرہ
۴۴	تعلیم و تربیت اور اکل حلال کی تلاش
۴۴	سلوک و تصوف
۴۷	مولانا شاہ عبد القادر دہلوی سے تلمذ
"	مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی سے استفاضہ
۴۸	شیخ کامل کی تلاش
"	حکیم سُکھو اصاحب سے استفاضہ

صفحہ	مضامین
۴۹	شیخ کامل شاہ عبد العظیم گیلانی کی خدمت میں رسائی
۴۹	کیفیت بیعت
۵۰	اکتساب فیوض
"	شمس تبریز تو بہت ہیں مگر مولوی معنوی کہیں نہیں ملتا
۵۱	طریقہ صابریہ کی خلافت
۵۲	کیفیت استفاضہ از شاہ غلام جیلانی رہتکی رح
۵۳	شمۂ احوال شاہ غلام جیلانی رہتکی رح
۵۴	استفاضہ از میر فتح علی شاہ دہلوی رح
"	استفاضہ از سید غلام قطب الدین فرخ آبادی رح
۵۵	شغل مبدا و معاد
۵۶	استفاضہ از حضرت شائستہ خاں دہلوی رح
"	طریقہ الحمد و شغل آفتاب
"	استفاضہ از شاہ ارادت اللہ رح
۵۸	استفاضہ از مجاذیب
۵۹	استفاضہ از مزارات
۵۹	کیفیت اشغال و مجاہدہ
"	شغل آئینہ و شغل چراغ وغیرہ
"	نماز ذوق و شوق و صلوٰۃ العاشقین
۶۰	ذکر جدادی و ذکرات

صفحہ	مضامین
۶۰	آپکی ظاہری شان وصورت یعنی حلیہ
۶۱	باطنی سوز وگداز کی کیفیت اور علو مرتبت
〃	اظہار حال بر سبیل تکلم
۶۲	مولوی شاہ عبدالقادر دہلوی رح کی نظر میں آپکا رتبہ
〃	بارگاہ نبوی میں آپ کا قرب
۶۳	غوث اعظم رح کی جناب میں آپ کا قرب
۶۴	دربار نبوی کی طرف سے اظہار شفقت
〃	ایک مجذوب کا قول
〃	آپ کے پیرومرشد کا قول
۶۵	آپ کا مقام ومرتبہ آپکے پیرومرشد کی زبانی
۶۶	اخوند عبدالغفور سوات بنیری رح کا آپکے حق میں رطب اللسان ہونا
〃	آپکی نسبت مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی کا خیال
۶۷	امتی اصحاب رسول اللہ کا مشابہ
۶۸	آپکی نسبت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی کا خیال
۶۹	آپکی نسبت شاہ عبدالکریم چشتی گنگوہی کا خیال
〃	آپکی نسبت شاہ سلیمان تونسوی رح کا خیال
〃	رموز عاشقاں عاشق بداند
۷۰	آپکی نسبت مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی کا قول
۷۱	آپکی نسبت مفتی عنایت احمد کاکوروی کا قول

صفحہ	مضامین
۷۱	عالم اجل اور صاحب فیض
〃	وہ تو ہمارے زمانہ کے صحابی تھے۔
۷۲	خوارق عادات یعنی آپکی کشف وکرامات کا مختصر تذکرہ اور مرتبہ ومقام کا تعین
〃	حیض الرجال
۷۳	اولیاء اللہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔
۷۴	کشف وکرامت کی حقیقت
۷۶	اولیاء اللہ تقدیر کو پلٹ دیتے ہیں۔
۷۷	کرامت تسخیر
〃	کرامت ہمت باطنی
۷۸	کرامت کشف
〃	نمونہ عذاب الٰہی
۷۹	برکت فی الطعام
〃	کرامت ہمدردیں معنی
۸۰	کرامت سلب امراض
۸۱	آپکے اخلاق وعادات اور فضائل وکمالات
〃	دن رات میں آپ کے مشاغل
۸۲	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
〃	دنیا میں دوزخی کی علامت
۸۳	استغنا

صفحہ	مضامین
۸۴	مہمانداری اور مسافر نوازی
〃	بے نفسی اور صبر وشکر
۸۵	حلم
۸۶	تصفیہ تنازعات
۸۷	سادات کی تعظیم وتکریم
۸۸	مولوی نور محمد مصنف شہباز کی مخالفت ومعاندت
۸۹	طریقت اور شریعت پر ایک نظر
۹۲	مولوی محمد بخش صاحب فاضل سنامی
۹۳	جلسہ مناظرہ واقع فتح آباد
۹۴	نقل محاکمہ مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی رح
〃	دربارہ فیصلہ تنازعہ مسئلہ وحدۃ الوجود
〃	فیمابین مولانا شاہ محمد رمضان ونور محمد جوڑا مصنف شہباز
۹۹	مسئلہ وحدت الوجود کی تشریح وتفہیم
۱۰۰	شرح اور شریعت کے معنی
۱۰۱	عوام الناس کے ساتھ کیوں بخل برتا جاتا ہے
۱۰۲	اللہ وبس باقی ہوس
〃	ہمہ اوست
۱۰۳	ہمہ از وست یا وحدۃ الشہود
〃	سفر حج اور واقعہ شہادت

صفحہ	مضامین
۱۰۵	دل کی لگی بری ہوتی ہے
۱۱۰	شجر ولایت کے برگ وبار جھڑنے لگے
۱۱۲	ایک نیکدل برہمن سردار
۱۱۳	قصبہ مہم اور دہلی میں بذریعہ روحانی تاربرقی آپ کی شہادت کی اطلاع
۱۱۴	ینبع سے مہم میں آپکی نعش مبارک کی آمد
〃	حضرت شہید کا جانشین
۱۱۶	قطعات تاریخ وفات حضرت شاہ محمد رمضان شہید رح
۱۱۷	تذکرہ یادگار ونشانات فیض آثار
۱۱۸	عبادت مقبول اور مستحسن
〃	تعمیرات
۱۱۹	جامع مسجد مہم وچاہ مسجد
〃	ہانسی میں عالیشان عمارت
۱۲۰	اشاعت اسلام کا نمونہ
〃	رہتک میں بیوپاریوں کی مسجد اور عیدگاہ
〃	موضع بڑھوھی کی مسجد
〃	موضع بلیالی کی مساجد
〃	تصنیفات
۱۲۳	نمونہ کلام فارسی وہندی
〃	فقیری کا لٹکہ

صفحہ	مضامین
۱۲۴	اولاد و احفاد
؍؍	اولادِ روحانی یعنی خلفاء
؍؍	تذکرہ مولوی شاہ محمد غوث صاحب گنگوہی
۱۲۵	تذکرہ شیخ محمد عظیم الدین صاحب صدیقی
؍؍	تذکرہ میاں حاجی محمد شاہ صاحب ولایتی
؍؍	کیمیا اور دست غیب
۱۲۶	تذکرہ میاں شاہ پیر محمد صاحب رح
؍؍	تذکرہ میاں عبداللہ شاہ درویش رح
۱۲۷	تذکرہ قاری محمد بیگ دہلوی رح
؍؍	تذکرہ پیر جی امیر بخش صاحب
؍؍	تذکرہ میاں معصوم علی مجذوب سالک
۱۲۸	تذکرہ میاں امیر حسین علی صاحب گوہانوی
؍؍	تذکرہ پیر جی شہاب الدین صاحب ساکن جھنجھنو
۱۲۹	تذکرہ میاں شاہ محمد صاحب بودلہ
؍؍	تذکرہ میاں منور شاہ صاحب لاہوری
؍؍	تذکرہ میاں حاجی خدا بخش صاحب
؍؍	تذکرہ مولوی خدا بخش صاحب ڈسکوی
۱۳۰	تذکرہ میاں جماعت علی شاہ درویش حلقہ
؍؍	تذکرہ جینڈ والے پیر جی
؍؍	تذکرہ مولوی حاجی شاہ عبدالغنی صاحب رح

صفحہ	مضامین
۱۳۰	خلیفہ و سجادہ نشین حضرت شہید رح
۱۳۲	کیفیت استغاثہ
؍؍	آپکی عادات و اخلاق
۱۳۳	امر بالمعروف و نہی عن المنکر
۱۳۴	بہشت کی کیاری
؍؍	آپکی نسبت آپکے معاصرین کے خیالات
۱۳۶	آپکے خلفا اور متوسلین کا تذکرہ
۱۳۸	آپکی اولاد
۱۴۰	حضرت شاہ محمد رمضان شہید کے بزرگان نسبتی یعنی پیران عظام کا مختصر تذکرہ اور شجرۂ نسب
۱۴۰	تذکرہ پیر روشن ضمیر سید عبدالعظیم گیلانی پانی پتی رح
	تذکرہ حضرت حافظ حفیظ اللہ کھاٹوی رح
۱۴۶	نسخہ اکسیر
۱۴۷	سادات کی علامت
؍؍	سب سے اچھا عمل
؍؍	سیف زبانی
۱۴۸	تذکرہ حضرت شاہ حبیب اللہ لاہوری دہلوی رح
۱۵۱	شجرہ نسبت عالیہ قادریہ

صفحہ	مضامین
۱۵۳	**تفریح القلوب بذکر المحبوب** یعنی ضمیمہ تذکرۃ الرمضان مشتمل بر احوال حضرت مرشدی مولوی عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۵۴	نعرۂ مستانہ
؍؍	تذکرۂ مؤلف
۱۵۶	رویائے صادقہ اور اسکی علامت
۱۵۷	آپکی مقبولیت۔
۱۵۸	مکہ معظمہ میں آپ پر ایک بزرگ کی نظرِ عنایت۔
۱۵۹	مدینہ منورہ میں آپ کا بحالتِ بیداری شرف حضوری سے مشرف ہونا
۱۶۰	اجازت و خلافت۔
؍؍	محبانِ اہلبیت میں آپ کا شمار اور اسکی تصدیق
۱۶۱	ہر ایک عمل میں فائدہ ظاہر ہونیکے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔
۱۶۲	حضور سرورِ عالم کو اپنی اولاد کا بڑا خیال ہے۔
۱۶۳	درود شریف کے برکات و ثمرات

صفحہ	مضامین
۱۶۳	اور اس کے متعلق ایک قوی شبہ کا ازالہ
۱۶۴	تمام اعمال کے نتائج دو طرح کے ہوتے ہیں۔
۱۶۶	جانشینی کی قرارداد
؍؍	زمانہ خیر القرون کے ایثار کا نظارہ
۱۶۷	تعلیم و تربیت اور علم و فضل۔
؍؍	عادات و خصائل
۱۶۸	صبر و تحمل
؍؍	مقام رضا و تسلیم
۱۶۹	علو حوصلہ
؍؍	درویشانہ انکسار
۱۷۰	کشف و کرامات
۱۷۱	آپ بیتی مشعرِ مکارم آلِ مکرّم
۱۷۳	گنج مراد
۱۷۵	بوڑھے صیاد کے جال میں شہباز
۱۷۷	آپکی تاریخ تولد اور تاریخ وفات
۱۷۹	آپکے خلفا کی مکمل فہرست
؍؍	قطعات تاریخ وفات
۱۸۰	مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات توسل

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۸۰	پیران عظام سلسلہ عالیہ قادریہ رضہ از بندہ بینوا سید عطا	۱۸۵	قطعہ تاریخ طبع کتاب از مولوی محمد سماء الدین صاحب المتخلص بہ سما۔ متوطن قصبہ ڈیڈوانہ
۱۸۴	تقریظ عطیہ جناب مولوی عبدالرحیم صاحب		
۱۸۵	قطعہ تاریخ طبع کتاب از مولوی صاحب موصوف		

تمت

ضروری گذارش

حضرت شاہ عبدالعظیم گیلانی پانی پتی کی ایک اسم بامسمّیٰ تصنیف موسومہ مصباح السالکین کو طبع کرانیکا حضرت علیہ الرحمۃ کو از حد خیال تھا۔ اس کا ایک حصّہ جس میں حضرت حافظ حفیظ اللہ صاحب رح کھاٹوی کے حالات و کرامات مندرج ہیں۔ اس خاکسار کے ہاتھ آگیا ہے۔ دوسرا حصّہ جس میں طریق قادریہ کے اذکار۔ اشغال اور مراقبات مرقوم ہیں۔ اس کی تلاش ہے۔ اگر کوئی صاحب بہم پہونچا سکیں تو اطلاع دیں۔ تاکہ اس کو بھی اردو میں ترجمہ کر کے طبع کرا دیا جائے تو حضرت رح کی وصیت اشاعت فیوض کی تکمیل ہو جائے۔

العارض خاکسار سید ابو محمد عطاء الحق عفی عنہ

تریاق ہر زہر

یعنی

دعائے حزب البحر

معہ اسناد و اعتصام و اختتام و طرز اشارات و طریق زکوٰۃ وغیرہ۔ تمام اولیائے کرام و مشائخ عظام کا اس دعائے مقبول و معتبر کی سرعت تاثیر پر اتفاق ہے حصول غنا و تونگری۔ ادائے قرض و دین۔ قضائے حاجات کشایش رزق حب۔ تسخیر حکام و سلاطین۔ تخریب اعدا غرض تمام دینی مقاصد و دنیوی مطالب کے حصول کا یہ دعا ایک لاجواب ذریعہ ہے جس کو حضرت مرشدی مولوی عبدالشکور قدس سرہ صدیقی بھی۔ قادری کی خاص اجازت کے موافق جناب مولوی سید ابو محمد عطاء الحق صاحب نے طبع کرایا ہے۔ قیمت فی جلد مر

ملنے کا پتہ

خاکسار سید محمد عبدالکریم عفا عنہ دہلی

محلہ پہاڑ گنج۔